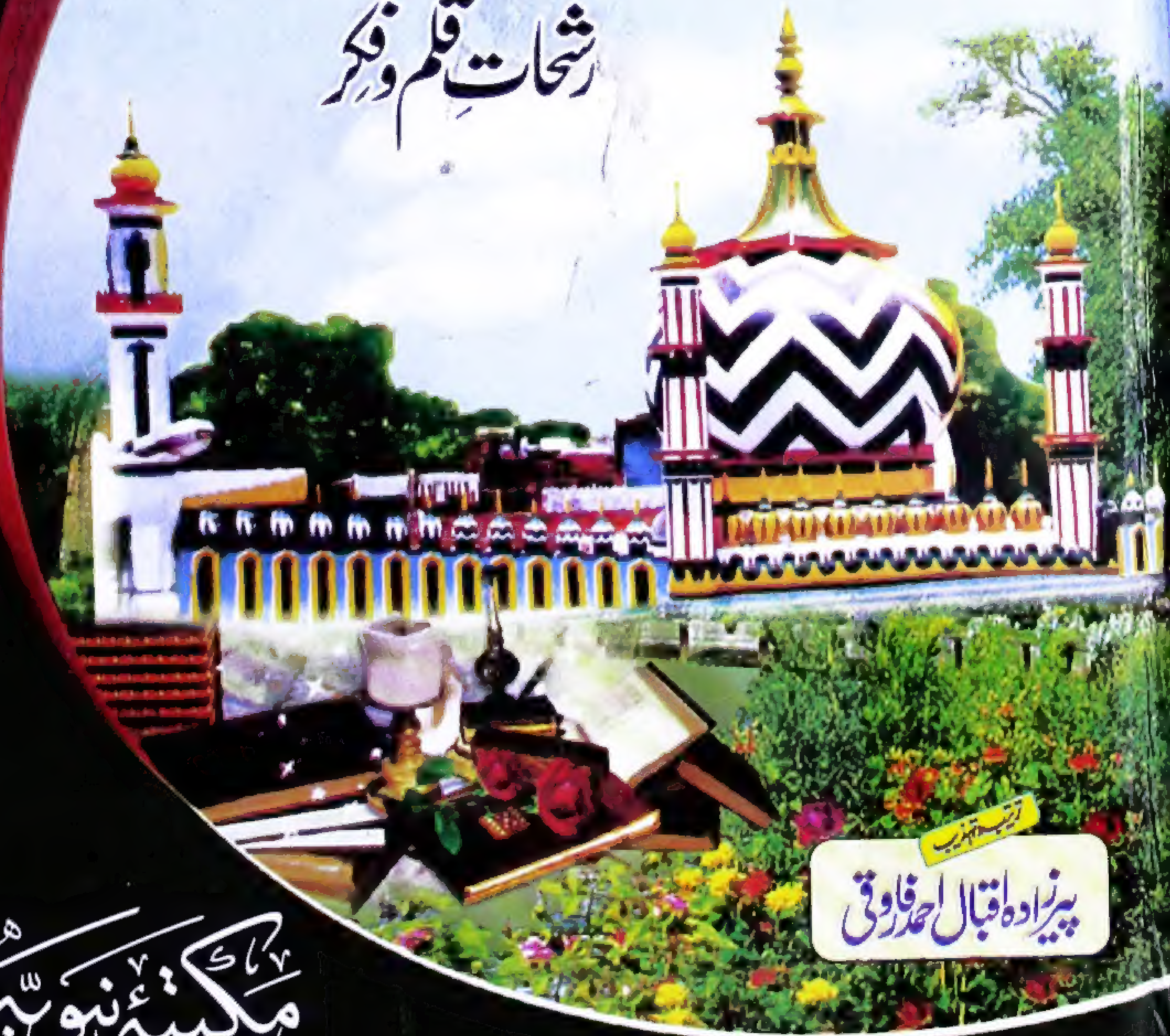
اُنھیں سے گلشن مہک رہے ہیں   اُنھیں کی رنگت گلاب میں ہے

خیابانِ رضا

13: 78

جہانِ رضویت کے اربابِ علم و فضل کے

رشحاتِ قلم و فکر



ترتیب و تہذیب

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

مکتبۂ نبویہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خیابانِ رضا

انھیں سے گلشن مہک رہے ہیں، انھیں کی رنگت گلاب میں ہے!

خیابانِ رضا

جہانِ رضویت کے اربابِ علم و فضل
کے رشحاتِ قلم و فکر

ترتیب و تہذیب

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایڈیٹر "جہانِ رضا" لاہور

مکتبۂ نبویہ
گنج بخش روڈ، لاہور
موبائل: 0300-4235658

نام کتاب	....	خیابانِ رضا
موضوع	....	افکار و نظریات امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ
مقدمہ	....	علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نگران مرکزی مجلسِ رضا پاکستان
تحریک	....	''عالمی سہارا'' انڈیا
ترتیب و تہذیب	....	پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی
ناشر	....	مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور
سنِ اشاعت	....	جنوری 2009ء
قیمت	....	-/300 روپے

مکتبۂ نبویہ

گنج بخش روڈ، لاہور

فون: 042-7213560

فہرست



……مقدمہ……

"رضا" کا بیان تمہارے لیے

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

ایڈیٹر جہانِ رضا لاہور

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد ملت، امام اہلسنت، الشاہ احمد رضا خان محدث بریلوی رحمتہ اللہ علیہ ایک نابغہ روزگار عالم دین اور عبقری شخصیت تھے ان کی ساری زندگی اسلام کی علمی اور روحانی اقدار کو زندہ کرنے اور لوگوں تک پہنچانے میں گزری۔ ان کی علمی خدمات کا اعتراف اپنے بیگانے سب نے کیا اور ان کی تحریروں، تصنیفات اور رشحات کو عالم اسلام تک پہنچانے کے لیے جامعات کے سکالرز اور ہم مسلک علماء کرام نے بھرپور حصہ لیا۔

الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ (1856ء … 1921ء) جب دنیا میں تشریف لائے تو مسلمانانِ ہندوستان آزادی کی جنگ کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ یہ جدوجہد صرف مزاحمتی تحریک نہیں تھی، صرف جلسے جلوسوں تک نہیں تھی، دھرنوں اور نعروں تک محدود نہیں تھی بلکہ اسلامیان ہندوستان تیغ و سناں کی جنگ لڑ رہے تھے۔ انگریزی سامراج کو للکارنے کے لیے ہر شہر، ہر قصبہ، ہر علاقہ میدان کارزار بنا ہوا تھا۔ راس کماری سے لے کر خیبر تک اور ہمالیہ کی وادیوں سے لے کر سمندر کے ساحل تک، مسلمان آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے خاندان کے کئی افراد جنگ آزادی کے معرکوں میں صف آرا تھے اور آزادی کے لیے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی کہ وہ اپنی اس جدوجہد میں کامیاب نہ ہو سکے اور 1857ء کی جنگ آزادی میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی مگر اس

مجاہدانہ جدوجہد کے دوران مسلمانوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ گھربار لٹا دیئے اور انگریز کی عسکری قوت کے سامنے کھڑے رہے سر کٹتے رہے۔ مگر کہیں بھی سر جھکے نہیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی کی تاریخ گواہ ہے کہ عام مسلمانوں کے علاوہ ہندوستان کے ایک لاکھ علمائے اہلسنت کو تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ ''کالے پانی'' میں پابند سلاسل رکھا گیا اور بے شمار علمائے کرام کو پابہ جولاں کر کے قید خانوں میں بند کر دیا گیا۔

1857ء کی جنگ آزادی کے وقت پاک و ہند کی سرزمین میں اعتقادی طور پر 98 فیصد مسلمان، عقیدۂ اہلسنت پر قائم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلسنت کو آزادی کے لیے زیادہ سے زیادہ جانی قربانیاں دینا پڑیں اور جنگ آزادی کی ان شمعوں نے تاریخ میں روشن باب رقم کیے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے ہوش سنبھالا۔ علمی منازل طے کیں۔ اعتقادی اور شعوری زندگی کا آغاز کیا تو جنگ آزادی ختم ہو چکی تھی۔ اب انگریزوں نے ان جری مسلمانوں میں ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے فارمولے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ ''آزادیٔ اظہار رائے'' کے نام پر ہر شخص کو کھلی چھٹی دے دی گئی کہ وہ جو چاہے کہے۔ جو نظریہ اور عقیدہ چاہے اس کا پرچار کرے۔ اس ''حکمت عملی'' کو صرف اپنایا ہی نہیں گیا بلکہ اسلام کے خلاف ہر فتنے کو ہوا دی گئی اور تحفظ دیا گیا۔ اسلام کے خلاف ہر یاوہ گو کو انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ ایک طرف یورپ کے بدزبان پادری مشنریوں کی فوج درآمد کر کے انگریز کا تعلیمی نظام مسلط کیا گیا جس میں اسلام اور ہادی اسلام کے خلاف کھل کر بات کرنے کی آزادی دی گئی۔ ان عیسائی پادریوں کے علاوہ مقامی طور پر ایسے ایسے بدعقیدہ لوگوں کی پیٹھ ٹھونکی گئی جو ہادی برحق کی ذات و صفات پر بدزبانی کرنے لگے۔ دانشوروں کے لباس میں، علماء اسلام کے بھیس میں، ایسے ایسے زباں دراز وظیفہ خوار مولویوں کو سامنے لایا گیا جو ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کو اپنی زباں درازی کا تختہ مشق بناتے اور آپ کی عالی صفات پر طعنہ زنی کرتے۔ نوبت بایں جارسید کہ ملک میں گستاخانِ رسول کا ایک طبقہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت نبوت کی تاویلیں کرنے لگا۔ آپ کے علوم پر حرف گیری کرنے لگا۔ حتیٰ

کہ بعض لوگوں کو یہاں تک جرأت ہوئی کہ حضور کی خاتم النبیین کا اقرار کرنے کے باوجود نبوت کا دعویٰ کرنے لگے اور خود نبی بن بیٹھے۔ ان تمام دینی فتنوں کو انگریز کی پشت پناہی حاصل رہی اور ''خود کاشتہ پودوں'' کی شکل میں ایسی بدبودار فصل کی آبیاری ہونے لگی جس نے اسلام کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں۔

نبوت کے دعویٰ داروں کے ساتھ ساتھ گستاخانِ رسول کا ایک ٹولہ آگے بڑھا جو انگریز کی آزادیِ فکر کے سائبان کے نیچے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر مختلف تاویلات کے تیر و سناں سے حملے کرنے لگا۔ پھر ایسے لوگ بھی اٹھے جو محراب و منبر پر کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو نشانہ تنقید و تخفیف بنانے لگے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است!

اعلیٰحضرت بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے ان لوگوں کو سنا، دیکھا، ان کے پاس گئے۔ انھیں خطوط لکھے اور سمجھایا کہ آزادی رائے کے نام پر اپنے آقا و مولیٰ کی ذات کو تو نشانہ نہ بناؤ۔ مگر یہ لوگ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار و افتراق پھیلانے کے لیے انگریز کی عطا کردہ آزادی کے سایہ میں اپنے خبث باطنی کا اظہار کرتے۔ اس وقت کا ہندوستان رافضی، شیعہ، وہابی، دیوبندی، نیچری، مرزائی، قادیانی، جیسے فتنوں کی زد میں آ گیا۔ اعلیٰ حضرت نے سب کو للکارا، سب کو چیلنج کیا، سب کی خبر لی، سب کے رَد میں کتابیں لکھیں۔ اہلسنت کی اکثریت کی اعتقادی اقدار کو بچانے کے لیے دن رات کام کیا۔ آپ نے ایک ہزار سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ قرآن پاک کا ترجمہ ''کنزالایمان'' لکھا۔ احادیث کی تشریح کی۔ فقہی مسائل کو ''فتاویٰ رضویہ'' میں جمع کیا۔ بدعقیدہ مولویوں کی نشاندہی کی۔ گستاخانِ رسول کو للکارا۔ دینی فتنوں کے طوفانوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے اور ہر وار کا جواب دیا۔ جب جوابی حملہ کیا تو دشمنوں کے سینے میں غار کرتے گئے۔

نگاہ کے تیر سے گر بچ گیا شکار کوئی
تو بڑھ کے زلف نے اس کو اسیر دام کیا

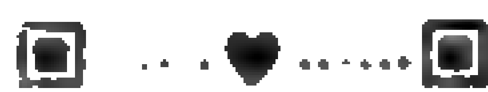
زیر مطالعہ کتاب ''خیابان رضا'' دراصل اعلیٰ حضرت کی علمی اور اعتقادی خدمات کا وہ مجموعہ ہے جو رنگا رنگ موضوعات سے مزین ہے جس میں پاک و ہند کے جید علمائے کرام نے فاضل بریلوی کی خدمات کو ہدیہ تحسین پیش کیا ہے۔ ''خیابان رضا'' کے مضامین پھولوں کے خوبصورت تختے ہیں۔ ''خیابان رضا'' کے موضوعات رنگا رنگ پھولوں کی کیاریاں ہیں۔ ''خیابانِ رضا'' کے مقالات علم و عرفان کے چشمے ہیں۔ جنھیں وقت کے جید علمائے کرام نے اپنی فکر و قلم سے سنوارا ہے۔ گلستانِ رضویت کے باغبانوں نے ان پھولوں کو نہایت خوش اسلوبی سے ترتیب دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے افکار کو بڑے خوبصورت انداز سے مرتب کر کے دعوت مطالعہ دے رہے ہیں، جن اہل علم و قلم نے خیابانِ رضا کو سنوارا ہے ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی اس لیے لکھے جا رہے ہیں تاکہ یاد رہے کہ دنیائے رضویت کے بلند پایہ مفکرین اپنے قائد اور اپنے امام کی ہم نوائی کا فریضہ ادا کرتے ہیں اور افکار رضا کو دُور دُور تک پہنچانے میں مصروف ہیں۔

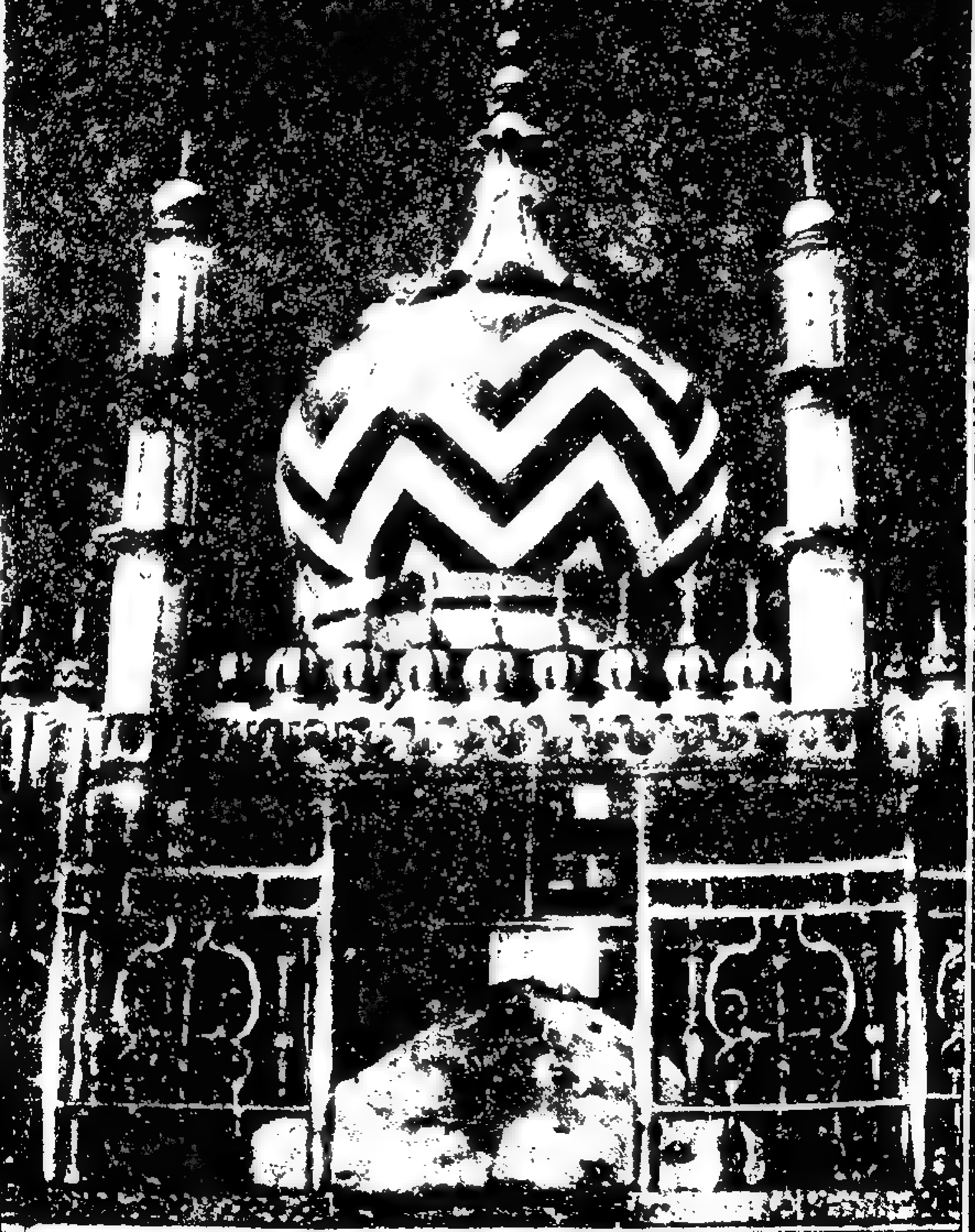
ان حضرات میں مولانا سبحان رضا سبحانی میاں، سجادہ نشین خانقاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، ڈاکٹر غلام صابر شمس مصباحی، علامہ نفیس احمد مصباحی جامعہ اشرفیہ اعظم گڑھ، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ناظم اعلیٰ منہاج القرآن لاہور، مولانا ذیشان احمد مصباحی، مفتی محمد معراج القادری، جامعہ اشرفیہ مبارکپور، ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد مجددی، خطیب شاہی مسجد فتح پوری دہلی، ڈاکٹر نجیب جمال جامعۃ الازہر قاہرہ مصر، شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی، سید نا محمد امین میاں قادری سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف، مولانا غلام مصطفیٰ رضوی (نوری مشن مالے گاؤں) مولانا کوثر نیازی مرحوم وزیر مذہبی امور پاکستان کے علاوہ پاک و ہند کے بلند پایہ اہل قلم و علم نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے علمی اور اعتقادی مقامات پر اظہار خیال کیا ہے۔ کتاب کی ترتیب و تالیف میں جن حضرات نے حصہ لیا ہم ان کے بے حد ممنون ہیں۔ سب سے پہلے تو ہم مولانا غلام مصطفیٰ رضوی صاحب، نوری مشن مالی گاؤں انڈیا، جیسے سکالرز کا نام لیں گے۔ جنھوں نے باغ رضویت کے پھولوں کو ہندوستان کے گوشے گوشے سے جمع کیا

اور ہماری جھولی میں ڈال دیے اور ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم "خیابانِ رضا" کو آپ کے سامنے لائیں۔ وہ ہمارا "علمی سہارا" بنے اور پاکستان کے اہل محبت کو "خیابانِ رضا" سے سجا کر دیا۔ ہمارے رفیق قلم و علم محمد عالم مختار حق (گولڈ میڈلسٹ) آگے بڑھے اور اپنی علالت اور بے پناہ مصروفیت کے باوجود "خیابانِ رضا" کی شاخوں کی تراش و خراش میں اہم کردار ادا کیا ہم ان کی فنی مہارت اور تعاون کے شکر گزار ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ سے مستفید ہونے والے قارئین کے علاوہ ہم ان معاونین کے بھی ممنون ہیں جنھوں نے "خیابانِ رضا" کی کئی کئی جلدیں خرید کر اپنے احباب، علماء کرام اور غریب طالب علموں کو ہدیہ کیں جو کتاب خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ ان لائبریریوں تک پہنچایا جہاں طلبہ تحقیقی کام کرتے ہیں۔ ہم مکتبہ نبویہ لاہور کی طباعتی اور اشاعتی کوششوں کو سراہے بغیر نہیں رہ سکتے جنھوں نے "خیابان رضا" کو خوبصورت انداز میں پیش کیا اور مسلک رضا کو عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور امید کرتے ہیں یہ کتاب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ سے محبت کرنے والوں کے لیے ایک علمی دستاویز ثابت ہوگی۔

"خیابانِ رضا" کی یہ ساری بہاریں "انٹرنیشنل سہارا" نیو دہلی انڈیا کے "اعلحضرت نمبر" کی مرہونِ منت ہیں۔ جس کے ایڈیٹر نے "رضا اکیڈمی ممبئی" کے اراکین کی ترتیب و تہذیب کو زیور طباعت سے مزین کر کے پاک و ہند کے اہل علم کو خوش کر دیا اور رضویت کے باغوں کو گلہائے رنگا رنگ سے سجا دیا۔




ڈال دی قلب میں عظمتِ مصطفیٰ
سیدی اعلیٰحضرت پہ لاکھوں سلام

شجرۂ عالیہ

قادریہ، برکاتیہ، نوریہ، رضویہ

حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یا الٰہی رحم فرما مصطفےٰ کے واسطے
یا رسول اللہ کرم کیجے خدا کے واسطے

مشکلیں حل کر شہِ مشکل کشا کے واسطے
کر بلائیں رد شہیدِ کربلا کے واسطے

سیدِ سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ مجھے
علمِ حق دے باقرِ علمِ ہدیٰ کے واسطے

صدقِ صادق کا تصدق صادق الاسلام کر
بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے

بہرِ معروف و سری معروف دے بیخود سری
جندِ حق میں گن جنیدِ باصفا کے واسطے

بہرِ شبلی شیرِ حق دنیا کے کتوں سے بچا
ایک کا رکھ عبدِ واحد بے ریا کے واسطے

بوالفرح کا صدقہ کر غم کو فرح دے حسن و سعد
بوالحسن اور بوسعیدِ سعد زا کے واسطے

قادری کر قادری رکھ قادریوں میں اٹھا
قدرِ عبد القادرِ قدرت نما کے واسطے

اَحْسَنَ اللہُ لَہٗ رِزْقًا سے دے رزقِ حسن
بندۂ رزاق تاج الاصفیا کے واسطے

نصر ابی صالح کا صدقہ صالح و منصور رکھ
دے حیاتِ دیں محی جاں فزا کے واسطے

طورِ عرفان و علو و حمد و حسنیٰ و بہا
دے علی موسیٰ حسن احمد بہا کے واسطے

بہرِ ابراہیم مجھ پر نارِ غم گلزار کر
بھیک دے داتا بھکاری بادشاہ کے واسطے

خانۂ دل کو ضیا دے روئے ایماں کو جمال
شہ ضیا مولیٰ جمال الاولیا کے واسطے

دے محمد کے لئے روزی کر احمد کیلئے
خوانِ فضل اللہ سے حصہ گدا کے واسطے

دین و دنیا کی مجھے برکات دے برکات سے
عشقِ حق دے عشقی عشقِ انتما کے واسطے

حبِ اہلِ بیت دے آلِ محمد کے لئے
کر شہیدِ عشق حمزہ پیشوا کے واسطے

دل کو اچھا تن کو ستھرا جان کو پرنور کر
اچھے پیارے شمسِ دیں بدر العلیٰ کے واسطے

دو جہاں میں خادمِ آلِ رسول اللہ کر
حضرتِ آلِ رسولِ مقتدا کے واسطے

نور جان و نورِ ایماں نورِ قبر و حشر دے
بوالحسین احمد نوری لقا کے واسطے

کر عطا احمد رضائے احمدِ مرسل مجھے
میرے مولیٰ حضرتِ احمد رضا کے واسطے

سایۂ جملہ مشائخ یا خدا ہم پر رہے
رحم فرما آلِ رحمٰن مصطفےٰ کے واسطے

مجھ کو عبدِ مصطفےٰ کر بہرِ شیخ مصطفےٰ
مفتیِ اعظم جنابِ مصطفےٰ کے واسطے

یا الٰہی غوثِ اعظم کے غلاموں میں قبول
ہم شبیہِ غوثِ اعظم مصطفےٰ کے واسطے

صدقہ ان اعیاں کا دے چھ عین عز، علم و عمل
عفو و عرفاں، عافیت اس بے نوا کے واسطے

رضا اکیڈمی

غلامانِ حضور مفتی اعظم و اراکین رضا اکیڈمی
اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں
نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں

مرید مفتی اعظم الحاج محمد سعید نوری، خادم رضا اکیڈمی، بمبئی

مولانا سبحان رضا خاں سجادہ نشین خانقاہ اعلیٰ حضرت بریلی

امام اعظم احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ فاضل بریلوی کی حیات و خدمات

رب کے کرم سے شاہ مدینہ کے فیض سے
سارے جہاں میں دھوم ہمارے رضا کی ہے

مجدد اعظم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی اس عظیم المرتبت شخصیت کا نام نامی و اسم گرامی ہے جس نے اپنی ساری زندگی خدمت دین اور مذہب اسلام کی ترویج و اشاعت میں گزاری۔ انھوں نے نام و نمود یا مفاد دنیوی کے لیے کوئی کام نہیں کیا بلکہ وہ ہمیشہ پرچم سلام کی سربلندی اور خدا و رسول (جل جلالہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا و خوشنودی کے لیے سرگرم عمل رہے۔ ان کی چاہت اور دلی تمنا ہمہ وقت یہی رہی کہ:

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود
(حدائق بخشش)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فقہ حنفی کی بھی زبردست اور بے مثال خدمت کی۔ جس کا جیتا جاگتا اور زندہ و تابندہ ثبوت ''فتاویٰ رضویہ'' کی ضخیم بارہ جلدیں ہیں۔ ''فتاویٰ رضویہ'' میں ایسے ایسے مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے جن سے اس دور علمی کے بڑے بڑے جید علماء قاصر تھے۔ آپ کی فقاہت کے سامنے بڑے بڑے علماء وفقہاء نے زانوئے ادب تہ کر دیا اور آپ کو آپ کی صدی کا ''مجدد اعظم'' اور ''امام وقت'' تسلیم کیا۔ (ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

آپ نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک کی زبردست خدمت کی۔ اپنی تصانیف بالخصوص ''فتاویٰ رضویہ'' کے ذریعہ ''مسلک امام اعظم'' کو تحفظ

لہٰذا آپ کی علمی، تحقیقی، فقہی اور مسلکی خدمت کی بنیاد پر مسلک امام اعظم آپ کے نام کے ساتھ مشہور و متعارف ہو گیا۔ علمائے زمانہ اور فقہائے عصر نے ''مسلک امام اعظم'' کو ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا نام دے دیا۔ لہٰذا ماضی کی طرح آج بھی ''مسلک اعلیٰ حضرت'' ہی ''مسلک حق'' ہے۔ جو شخص ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا باغی و معاند ہے ضرور وہ مسلک حق سے عاری و برگشتہ ہے۔ کل بھی اعلیٰ حضرت کا آفتاب علم و فضل و حکمت آسمان حق و صداقت پر پوری تابانی کے ساتھ درخشاں تھا، آج بھی ہے اور فضل خدا و رسول سے آئندہ بھی رہے گا:

رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

حیات و خدمات پر ایک طائرانہ نظر

اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت 10 شوال المکرم 1272ھ مطابق 14 جون 1856ء بروز ہفتہ بوقت ظہر بریلی شریف میں ہوئی اور وصال 25 صفر المظفر 1340ھ مطابق 28 اکتوبر 1921ء بروز جمعہ دو بج کر اڑتیس منٹ پر دوران اذان جمعہ ہوا۔ مزار پر انوار محلہ سوداگران بریلی شریف میں فیض بخش خلائق ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی عمر ابھی 4 سال تھی کہ آپ نے قرآن عظیم ناظرہ ختم کر لیا۔ 6 سال کی عمر میں بڑے بڑے علماء و فضلاء کی موجودگی میں میلاد رسول کے موضوع پر نہایت کامیاب اور علمی تقریر فرمائی۔ جسے علماء و فضلاء نے بہت پسند کیا۔ 8 سال کی عمر میں فن نحو کی مشہور کتاب ''ہدایۃ النحو'' کی عربی زبان میں شرح لکھ کر اہل علم و فن کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا۔ 13 سال 10 ماہ اور 4 دن کی عمر میں رضاعت کا ایک اہم فتویٰ لکھ کر باقاعدہ فتویٰ نویسی کا آغاز کیا۔ آپ نے حصول تعلیم کے لیے کسی مدرسہ میں داخلہ نہیں لیا بلکہ جملہ علوم و فنون آپ نے اپنے والد گرامی حضرت مفتی نقی علی خاں صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ سے حاصل کیے۔ اس سے والد ماجد حضرت مفتی نقی علی خاں صاحب کی جلالت علمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ سے تعلیم حاصل کر کے آپ کا شہزادہ اہل علم و حکمت کا امام اور دنیائے فکر و فن کا پیشوا بنا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے پچپن سے زائد علوم و فنون پر ایک ہزار سے زائد کتابیں لکھیں۔ پوری تاریخ اردو میں آپ سے بڑا مصنف نظر نہیں آتا۔

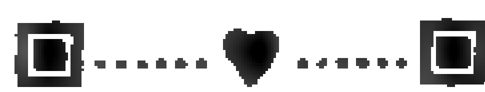
آپ نے جہاں دینی و مذہبی تصنیفات اس قوم کو عنایت فرمائیں، وہیں عصری علوم سائنس وغیرہ کے موضوع پر بھی کتابیں لکھیں اور سائنس کے اصولوں سے بھی مذہب اسلام کی صداقت وحقانیت کو واضح کیا۔ آپ کے ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' دیوان شاعری ''حدائق بخشش''، علم غیب مصطفوی کے موضوع پر ''الدولۃ المکیہ'' اور فقہ حنفی پر 12 ضخیم جلدوں پر مشتمل ''فتاویٰ رضویہ'' کا کوئی جواب نہیں۔ آپ ہی وہ عظیم وعبقری شخصیت ہیں جس پر تقریباً دو درجن حضرات ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں اور کئی حضرات مختلف جامعات میں آپ پر پی ایچ ڈی اور ایم فل کر رہے ہیں۔ شاید ہی کسی شخصیت پر اتنے کم عرصے میں اس قدر کثرت سے تحقیقی کام ہوا ہو۔

آپ نے پوری زندگی شریعت محمدیہ اور سنت مصطفوی کا چرچا کیا۔ اس کا صلہ یہ ہے کہ آج عالم میں آپ کا اور آپ کی خدمات کا چرچا ہو رہا ہے۔ آپ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں کہ دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

جامعہ منظر اسلام

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بریلی شریف میں اشاعت اسلام اور تعلیم وتعلم کے لیے 1904ء میں ایک عظیم دینی درسگاہ بنام ''منظر اسلام'' قائم کی، جس کا علمی فیضان ماضی کی طرح آج بھی جاری وساری ہے۔ دور دراز سے آ آ کر تشنگان علوم اسی بحر فیضان رضا سے اپنی تشنگی بجھا رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے نمایاں کارناموں اور ان کے قائم کردہ دارالعلوم منظر اسلام کی بے پناہ علمی خدمات کے نتیجے میں اہل علم وبصیرت اور ارباب حق وصداقت نے شہر اعلیٰ حضرت ''بریلی شریف'' کو ''مرکز اہلسنّت'' تسلیم کیا۔ جامعہ منظر اسلام سے بڑے بڑے علماء وفضلاء، مدرسین ومصنفین فارغ ہوئے، جنھوں نے پوری دنیا میں پھیل کر سنیت کی اشاعت کا فریضہ انجام دیا۔ آج سنیت میں جہاں جہاں اہلسنّت کے مدارس وجامعات قائم ہیں وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی درسگاہ اعلیٰ حضرت منظر اسلام کی دین ہے۔

بجتا ہے آج علم کا جو ساز دوستو
وہ بھی ہے اسی جرس کی آواز دوستو



نوشاد احمد (ایگزیکٹو ہفت روزہ عالمی سہارا، نئی دہلی)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور اتحاد امت

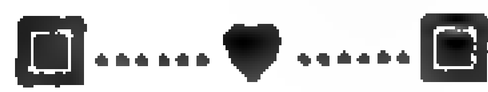
انیسویں صدی میں جن چند رجال کار نے اپنے علم و تفقہ، فکر و فن اور اصلاحی کارناموں سے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی ان میں اعلیٰ حضرت، شیخ الکائل مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا مقام و مرتبہ کافی بلند ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ علوم اسلامی کے بھی امام تھے اور سماجی مصلح کی حیثیت سے بھی وہ اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ علامہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ و فتاویٰ، تفسیر و کلام اور سیر و تاریخ کے دامن میں اپنے علم و فضل کے جو انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں وہ آج بھی آبدار موتی کی طرح چمک دمک رہے ہیں اور ان سے عالم انسانیت فیضیاب ہو رہا ہے۔

برصغیر کے طبقہ علماء کے سرخیل حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تمام عمر ایوان جہل و ظلمت میں نہ صرف قندیل ربانی روشن کرتے رہے بلکہ محبوب خدا، شہنشاہ کونین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عقیدت میں کوتاہی کرنے والوں سمیت شریعت محمدی سے بے اعتنائی برتنے والوں کے خلاف سخت گیری بھی ان کا طرۂ امتیاز تھا، وہ عشق محمدی کی طلاطم خیزی میں خود بھی ڈوبے رہتے اور محمد کے تمام نام لیواؤں سے بھی اس کی توقع کرتے تھے اور آقائے نامدار کی عقیدت میں ذرہ برابر بھی فروگذاشت انھیں برداشت نہ تھی، چنانچہ اسی سیمابی کیفیت کی وجہ سے انھوں نے مسلمانوں میں رائج بعض رسومات کو ہدف تنقید بنایا اور بعضوں نے اسی وجہ سے ان سے دوری اختیار کر لی۔

کہا جاتا ہے کہ علماء کے اختلافات باعث رحمت ہوتے ہیں لیکن انیسویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان کے بعض علماء کے نظریاتی اختلافات امت کے لیے زحمت بن کر آئے کہ بحث و تحقیق کے حجرے سے یہ نظریاتی اختلافات عوامی چوپال کا موضوع بحث بن گئے اور یہیں سے شروع ہوئیں الگ الگ مسالک اور مکاتب فکر کی جدا جدا راہیں اور پھر شروع ہوا تلخیوں اور دوریوں کا سلسلہ، تنقید و تنقیص کا تبادلہ اور پھر بات ایں جا رسید کہ راہ و رسم

کے تمام دروازے بند ہو گئے اور بین المسالک گفت وشنید بھی بند ہو گئی یہاں تک کہ آپس میں شادی بیاہ پر پابندی عائد کر لی گئی۔ بلاشبہ پیدا شدہ اس خلیج کی ذمہ داری اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر نہیں ڈالی جا سکتی اور نہ ہی ان علماء کو مورد الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے جو اعلیٰ حضرت کے نظریات پر عامل نہیں ہیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ سب نے الگ الگ راہیں اپنا لیں جس کی وجہ سے ملی اتحاد پس پشت چلا گیا اور کچھ معاندین اسلام نے معمولی بنیادوں پر پیدا شدہ اس داخلی کشمکش کو اختلافات کی آندھی ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور وہ شاید کامیاب بھی رہے لیکن بحر العلوم والفنون اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کو کھنگالنے سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ ردوقدح کے قائل تھے اور امت مسلمہ میں کسی اختلاف وانتشار کو روا سمجھتے تھے۔

آج پوری دنیا میں اسلام دشمن طاقتیں متحد ہو چکی ہیں اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف صف آرائی جاری ہے ایسے میں مسلمانوں کو مختلف مسالک و مکاتب فکر میں تقسیم ہونے کی بجائے کلمہ واحدہ کی بنیاد پر ایسا بے نظیر اتحاد کا نمونہ پیش کرنا چاہیے کہ باطل طاقتیں پاش پاش ہو جائیں۔ خود اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اتحاد امت اور اتحاد بین المسالک کی جدوجہد کرتے رہے، اس لیے اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ بہترین خراج عقیدت ہوگا۔ علمی سطح پر حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سے جو اختلافات علماء کو ہیں ان کا حل علمی سطح پر ہی مذاکرات اور تبادلۂ خیالات سے نکالا جا سکتا ہے لیکن عوامی سطح پر ایک خدا اور ایک رسول کے پرستاروں کو باہم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے تمام مکاتب فکر اور مسالک کے سربرآوردہ لوگوں، علماء اور دانشوروں کو متنازعہ مسائل سے اوپر اٹھ کر اتحاد کی راہ اپنانی ہوگی اور باہمی ربط و تعلق اور اعتماد کی فضا سازی کے لیے سبھی حلقوں کو پیش قدمی کرنی ہوگی۔



پروفیسر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کراچی

امام احمد رضا خاں! ماہ و سال کے آئینے میں

1- ولادت باسعادت: 10 شوال 1272ھ/ 14 جون 1856ء
2- ختم قرآن: 1276ھ/ 1860ء
3- پہلی تقریر: ربیع الاوّل 1278ھ/ 1861ء
4- پہلی عربی تصنیف: 1285ھ/ 1868ء
5- دستار فضیلت: عمر تیرہ سال، دس ماہ پانچ دن شعبان 1286ھ/ 1869ء
6- آغاز فتویٰ نویسی: 14 شعبان 1286ھ/ 1869ء
7- آغاز درس و تدریس: 1286ھ/ 1869ء
8- ازدواجی زندگی: 1291ھ/ 1874ء
9- فرزند اکبر مولانا محمد حامد رضا قادری کی ولادت: ربیع الاوّل 1292ھ/ 1875ء
10- فتویٰ نویسی کی مطلق اجازت: 1293ھ/ 1876ء
11- بیعت و خلافت: 1294ھ/ 1877ء
12- پہلی اردو تصنیف: 1294ھ/ 1877ء
13- پہلا حج اور زیارت حرمین شریفین: 1295ھ/ 1878ء
14- شیخ احمد بن زین بن دحلان مکی سے اجازت حدیث: 1295ھ/ 1878ء
15- مفتی مکہ شیخ عبدالرحمٰن سراج مکی سے اجازت حدیث: 1295ھ/ 1878ء
16- شیخ عابد السندی کے تلمیذ رشید امام کعبہ شیخ حسین بن صالح جمل اللیل مکی سے اجازت حدیث: 1295ھ/ 1878ء
17- امام احمد رضا کی پیشانی میں شیخ موصوف کا مشاہدۂ انوار الٰہیہ: 1295ھ/ 1878ء
18- مسجد خیف (مکہ معظمہ) میں بشارت مغفرت: 1295ھ/ 1878ء
19- زمانہ حال کے یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ:

1298ھ/1881ء

-20 تحریک ترک گاؤکشی کا سد باب: 1298ھ/1881ء

-21 پہلی فارسی تصنیف: 1299ھ/1882ء

-22 اردو شاعری کا سنگھار "قصیدۂ معراجیہ" کی تصنیف: قبل 1303ھ/1885ء

-23 فرزند اصغر مفتی اعظم محمد مصطفےٰ رضا قادری کی ولادت: 22 ذی الحجہ 1310ھ/1892ء

-24 ندوۃ العلماء کے جلسۂ تاسیس (کانپور) میں شرکت: 1311ھ/1897ء

-25 تحریک ندوۃ سے علاحدگی: 1315ھ/1897ء

-26 مقابر پر عورتوں کے جانے کی ممانعت میں فاضلانہ تحقیق: 1316ھ/1898ء

-27 قصیدۂ عربیہ آمال الابرار و آلام الاشرار: 1318ھ/1900ء

-28 ندوۃ العلما کے خلاف ہفت روزہ اجلاس پٹنہ میں شرکت: رجب 1318ھ/1900ء

-29 علمائے ہند کی طرف سے خطاب مجدد مائۂ حاضرہ: 1318ھ/1900ء

-30 تاسیس دار العلوم منظر اسلام بریلی: 1322ھ/1904ء

-31 دوسرا حج اور زیارتِ حرمین شریفین: 1323ھ/1905ء

-32 امام کعبہ شیخ عبداللہ میرداد، اور ان کے استاد شیخ حامد احمد محمد جداوی مکی کا مشترکہ استفسا اور امام احمد رضا کا فاضلانہ جواب: 1324ھ/1906ء

-33 علمائے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے نام اسناد اجازت وخلافت 1324ھ/1906ء

-34 کراچی آمد اور مولانا عبدالکریم درس سے ملاقات: 1324ھ/1906ء

-35 امام احمد رضا کے عربی فتوے کو حافظ کتب الحرام سید اسمٰعیل خلیل مکی کا زبردست خراج عقیدت: 1325ھ/1907ء

-36 شیخ ہدایت اللہ بن محمد بن محمد سعید السندی مہاجر مدنی کا اعتراف مجددیت: 14 ربیع الاول 1330ھ/1912ء

-37 قرآن کریم کا اردو ترجمہ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن: 1330ھ/1912ء

-38 شیخ موسیٰ علی الشامی الازہری کی طرف سے خطاب امام الائمہ لھذہ الامۃ: یکم ربیع الاول 1330ھ/1912ء

39- حافظ کتب الحرام سید اسمٰعیل خلیل مکی کی طرف سے خطاب خاتم الفقہا والمحدثین: 1330ھ/1912ء

40- علم المربعات میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین کے مطبوعہ سوال کا فاضلانہ جواب: قبل 1331ھ/1913ء

41- ملت اسلامیہ کے لیے اصلاحی اور انقلابی پروگرام کا اعلان: 1331ھ/1913ء

42- بہاولپور ہائی کورٹ کے جسٹس محمد دین کا استفتا اور امام احمد رضا کا فاضلانہ جواب: 23 رمضان المبارک 1331ھ/1913ء

43- مسجد کانپور کے قضیے پر برطانوی حکومت سے معاہدہ کرنے والوں کے خلاف ناقدانہ رسالہ: 1331ھ/1913ء

44- ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کی آمد اور استفادۂ علمی: مابین 1332ھ/1914ء اور 1335ھ/1916ء

45- انگریزی عدالت میں جانے سے انکار اور حاضری سے استثنا: 1334ھ/1916ء

46- صدر الصدور اور صوبہ جات دکن کے نام ارشاد نامہ: 1334ھ/1916ء

47- تاسیس جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی: تقریباً 1336ھ/1917ء

48- سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر فاضلانہ تحقیق: 1337ھ/1918ء

49- امریکی ہیئت داں پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کو شکست فاش: 1338ھ/1919ء

50- آئزک نیوٹن اور آئن اسٹائن کے نظریات کے خلاف فاضلانہ تحقیق: 1338ھ/1920ء

51- رد حرکت زمین پر 105 دلائل اور فاضلانہ تحقیق: 1338ھ/1920ء

52- فلاسفہ قدیمہ کا رد بلیغ: 1338ھ/1920ء

53- دو قومی نظریہ پر حرف آخر: 1339ھ/1921ء

54- تحریک خلافت کا افشائے راز: 1339ھ/1921ء

55- تحریک ترک موالات کا افشائے راز: 1339ھ/1921ء

56- انگریزوں کی معاونت اور حمایت کے الزام کے خلاف تاریخی بیان: 1339ھ/1921ء

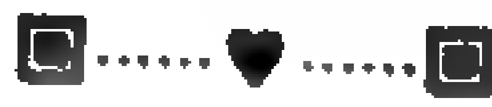
57- وصال: 25 صفر 1340ھ/28 اکتوبر 1921ء

58- مدیر پیسہ اخبار لاہور کا تعزیتی نوٹ: یکم ربیع الاوّل 1340ھ/3 نومبر 1921ء

59- سندھ کے ادیب شہیر سرشار عقیلی تتوی کا تعزیتی مقالہ: 1341ھ/ستمبر 1922ء

60- بمبئی ہائی کورٹ سے جسٹس ڈی۔ ایف ملا کا خراج عقیدت: 1349ھ/1930ء

61- شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کا خراج عقیدت: 1351ھ/1932ء



ساجد علی ساجد رضوی (جامع مسجد، نوری محلہ، پہاڑپور، مئو ناتھ بھنجن یوپی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ

ایک سوانحی خاکہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ مورخہ 10 شوال المکرم 1272ھ مطابق 14 جون 1856ء کو ہندوستان کے مشہور و معروف شہر بریلی (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ متفقہ رائے سے نو مولود بچے کا نام محمد رکھا گیا اور تاریخی اسم گرامی المختار تجویز کیا گیا۔ مہربان والا حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں علیہ الرحمتہ نے احمد رضا نام تجویز فرمایا۔

حسب ونسب

ان کے آباؤ اجداد قندھار کے قبیلہ بڑیچ کے معزز پٹھان تھے اور وہ شاہان مغلیہ کے دور میں لاہور آئے اور باعزت عہدوں پر فائز رہے۔ لاہور کا شیش محل انھیں لوگوں کی جاگیر تھی۔ چند دنوں کے بعد وہاں سے منتقل ہو کر ہندوستان آ گئے۔

عہدِ طفولیت

ان کی پیشانی سے نور سعادت کی کرنیں بچپن ہی سے روشن تھیں جسے اہل نظر نے دیکھا بھی اور اس کی نشان دہی بھی کی کہ یہ بچہ مستقبل قریب میں علم و فضل کا آفتاب بن کر چمکے گا۔ وہ ایام طفولیت سے ہی حق پسندی و حق شناسی کا مجسمہ تھے۔ ایک مرتبہ اپنے استاذ گرامی کے پاس جلوہ افروز تھے کہ اسی اثنا میں ایک بچے نے استاذ محترم کو سلام کیا تو جواباً استاذ نے کہا: جیتے رہو۔ فوراً انھوں نے لقمہ دیا کہ استاذ محترم! یہ تو جواب نہ ہوا۔ جواب تو وعلیکم السلام ہے۔ اس طرح کا اعتراض اور جواب سن کر استاذ گرامی ششدر رہ گئے اور اس حق گوئی پر بے حد خوش ہوئے۔

تعلیم وتربیت

انھوں نے علوم وفنون معنی ومنقول کی بیشتر تحصیل اپنے والد گرامی حضرت مولانا شاہ

نقی علی خاں علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہ کر فرمائی، اس کے علاوہ مولانا سید شاہ آلِ رسول مارہروی، علامہ عبدالعلی رامپوری، مولانا شاہ ابوالحسین نوری اور علامہ غلام عبدالقادر بیگ بریلوی علیہ الرحمۃ سے بھی استفادہ فرمایا اور ان حضرات کی صحبت میں رہ کر علم وفضل، زہد و تقویٰ، حلم و بردباری، دین وکمال فقاہت، عشق رسالت، توقیر سیادت اور دیگر علوم وفنون کی بھٹی میں تپ کر جب تیار ہوئے تو دنیا نے دیکھا کہ چودھویں صدی ہجری میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا اور جب 13 سال کی عمر شریف میں ہی یعنی 14 شعبان المعظم 1386ھ کو فارغ التحصیل ہو گئے۔ نیز اسی روز سے رضاعت کے بارے میں ایک فتویٰ لکھ کر فتویٰ نویسی کا آغاز فرمادیا، پھر جب والد گرامی نے اس قدر ذوق وشوق اور طبیعت کے میلان کا رجحان دیکھا تو افتاء سے متعلق تمام تر ذمہ داریاں آپ کے سپرد کر دیں۔

بیعت وخلافت

1294ھ مطابق 1877ء کو مارہرہ تشریف لے گئے اور مسند نشین آستانہ پیر طریقت شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے اور تمام تر سلاسل میں اجازت وخلافت سے سرفراز کیے گئے۔ غالباً اسی موقع پر شاہ آلِ رسول علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا "ابھی تک (فقیر آلِ رسول) اپنے بارے میں متفکر تھا کہ اگر روزِ محشر رب العزت کے حضور یہ سوال کیا گیا کہ آلِ رسول تو میرے لیے دنیا سے کیا لایا ہے؟ تو آخر میں کیا عرض کر سکوں گا، مگر آج بحمدہٖ تعالیٰ احمد رضا کے آ جانے سے یہ فکر جاتی رہی اور اگر روزِ محشر مجھ سے یہ سوال کیا گیا تو میں پیش خدا یہ عرض کر دوں گا: خدایا! تیرا عاجز بندہ تیرے حضور دنیا سے احمد رضا کو لایا ہے۔"

علمی مہارت

متعدد کتابوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ انھیں پچاس سے زیادہ علوم وفنون پر کامل دست رس حاصل تھی، چنانچہ وہ خود اپنے رسالہ "الافادۃ الرضویہ" میں 54 علوم وفنون کا ذکر فرماتے ہیں اور بعض محققین نے ان کا شمار ستر تک بتایا ہے۔

زیارتِ حرمین شریفین

1296ھ مطابق 1878ء کو والد ماجد کے ہمراہ زیارت حرمین شریفین اور حج و

زیارت بیت اللہ شریف کو تشریف لے گئے۔ اس موقع پر حرمین طیبین کے جلیل القدر علماء کرام مثلاً مفتی حنفیہ حضرت عبدالرحمٰن سراج اور مفتی شافعیہ حضرت سید احمد دحلان وغیرہ سے فقہ و تفسیر اور اصول فقہ پر اسناد حاصل کیں اور خود بیش تر علماء کو اسناد سے سرفراز فرمایا۔

دوسری بار حج بیت اللہ

1323ھ میں ایک بار پھر وہ حج بیت اللہ شریف کے لیے تشریف لے گئے۔ اس موقع پر علماء حرمین نے ان کی بے حد قدر و منزلت فرمائی جس پر علمائے حجاز کی تقاریظ شاہد عدل ہیں جو حسام الحرمین میں موجود ہیں۔ علمائے حرمین طیبین نے بے شمار القابات سے ان کو نوازا۔ حضرت علامہ سید اسماعیل المکی فرماتے ہیں: ''اگر ان کے یعنی امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ چودھویں صدی کے مجدد اعظم ہیں تو یہ بلاشبہ صحیح ہے۔''

بحیثیت نعت گو شاعر

وہ ایک بلند پایہ فقیہ مشہور تبحر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ سخن فہمی اور سخن سنجی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کی نعتیں جذبات قلبیہ کا سر و پا اظہار نہیں بلکہ آیات قرآن کی تفسیر ہیں۔ انھوں نے نعت گوئی بھی قرآن سے سیکھی، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں ''قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی۔'' معلوم ہوتا ہے کہ روز اوّل سے ہی مدحت رسول ﷺ آپ کے لیے مقدر کر دی گئی تھی۔ انھوں نے نعت گوئی کو مسلک شعری کی حیثیت سے اپنایا اور اس کو کمال بخشا کہ اردو شاعری میں جس کا جواب نہیں ملتا۔ عالم وجد میں خود کہتے ہیں:

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخی طبع رضا کی قسم

نعت رسول کے علاوہ انھوں نے اولیائے کاملین، بزرگان دین کی شان میں منقبتیں اور قصیدے لکھے، مگر اہل ثروت و حکام امراء کی مدح میں کچھ نہ لکھا بلکہ فرماتے ہیں کہ

کروں مدح اہل دُول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

بحیثیت کثیر التصانیف عالم

وہ ایک کثیر التصانیف عالم بھی تھے۔ ایک لحاظ سے دنیائے اسلام میں انھیں تصنیف

وتالیف کے اعتبار سے ایک امتیازی مقام حاصل ہے، کیونکہ ایک اندازے کے مطابق ان کی تصانیف پچاس علوم وفنون میں ایک ہزار سے زائد ہیں۔ اس قدر تصانیف کے علاوہ آپ نے مختلف علوم وفنون کی تقریباً اسی کتابوں پر تعلیقات وحاشیے بھی تحریر کیے ہیں۔ اس سارے علمی سرمایہ کے علاوہ دو علمی وفقہی شاہکار خاص طور پر قابل ذکر اور لائق ستائش ہیں۔ ایک فتاویٰ رضویہ جس کا پورا نام ''العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ'' ہے جو بارہ مجلدات پر مشتمل ہے، جس کی صرف پہلی جلد جہازی سائز کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کے اکثر فتاویٰ بجائے خود تحقیقی مقالات ورسائل کا حکم رکھتے ہیں۔ دوسرا علمی شاہکار قرآنِ مقدس کا ترجمہ ہے جس کا نام ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' ہے۔ نگاہِ عشق ومحبت سے بہت کم لوگوں نے قرآن کا ترجمہ کیا ہے، کیونکہ یہ ایک تحقیقی امر ہے کہ قرآن کے ترجمے میں جہاں علمی صلاحیتوں اور لیاقتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہاں نگاہِ پاک میں اور جہانِ بے تاب کا بھی دخل ضروری ہے، اس خصوصیت کا صرف آپ کا ہی ترجمہ قرآن ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' ہے۔

آپ کی سیاسی بصیرت؟

ہندوستان کی سرزمین پر انیسویں صدی عیسوی میں جب اکبری ذہنیت رکھنے والوں نے ایک قومی نظریے کی اشاعت کی تو انھوں نے ''براہین قاطعہ حج ساطعہ'' سے مجددانہ شان کے ساتھ اس نظریہ کا رد فرمایا۔ اس مرحلے میں ان کے خلفاء وتلامذہ نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی ذات پاک سیاسی بصیرت اور مومنانہ فراست کا بہترین نمونہ تھی۔ 1919ء میں خلافت تحریک، ترک موالات کے وقت جب بڑے بڑے علمائے کرام وقت کے دھارے پر بہ رہے تھے، شعائرِ اسلام ومسلمین کو زبردست خطرات کا سامنا تھا تو اس وقت بھی آپ نے اعتدال، سنجیدگی اور شریعت مطہرہ کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔ نتیجتاً مولانا عبدالباری فرنگی محلی علیہ الرحمۃ کو رجوع کرنا پڑا۔

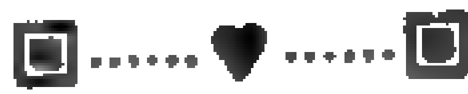
مشاہیر خلفاء وتلامذہ

جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے ان کو مختلف سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل تھی، مثلاً سلسلۂ عالیہ قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور چشتیہ وغیرہ بایں ہمہ کافی تعداد میں ان کے خلفاء ومریدین تھے۔ مریدین کا شمار تو بہت مشکل کام ہے علاوہ ازیں خلفاء کی تعداد بھی کم

نہیں۔ حرمین شریفین کے علاوہ ہندو پاک کے وہ علمائے کرام جنھیں آپ نے خلافت سے بہرہ ور کیا ان کے اسمائے گرامی حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب قادری علیہ الرحمۃ الاجازات المتینہ وغیرہ کے حوالے سے ذکر فرماتے ہیں، جن کی تعداد 50 کے قریب ہے جو اپنے وقت کے علامہ اور مرجع خلائق رہے، نیز ان کے تلامذہ کی بھی ایک بڑی تعداد ہے۔

سفرِ آخرت

عالم سنت کا یہ آفتاب اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ مورخہ 25 صفر المظفر 1340ھ مطابق 28 اکتوبر 1921ء کو نمازِ جمعہ کے وقت بریلی شریف کا شانۂ اقدس میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ مزار پاک محلہ سوداگران بریلی شریف میں ہے۔ ہر سال 25 صفر کو عرسِ مبارک منایا جاتا ہے۔



یٰسین اختر مصباحی (مدیر اعلیٰ کنزالایمان، دہلی)

امام احمد رضا کی جامع الصفات شخصیت پر
ایک طائرانہ نظر

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (متولد 1856ء۔ متوفی 1921ء) ایک صاحب بصیرت مفسر قرآن، وسیع المطالعہ، محدثِ جلیل اور بلند پایہ فقیہ اسلام تھے۔ عشق رسول آپ کا سرمایۂ حیات تھا جس کا عملی نمونہ آپ کی پوری زندگی اور آپ کا کردار و عمل تھا۔ اپنی نعتیہ شاعری کو آپ نے اپنے جذبۂ عشق رسول کا ذریعۂ اظہار بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک مخلص داعی و مصلح اور دیدہ ور قائد کی حیثیت سے آپ نے کئی اہم مسائل و معاملات میں مسلمانانِ ہند کی بروقت رہنمائی کی جس کے وسیع و ہمہ گیر اثرات و نتائج برآمد ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف برصغیر ہند و پاک نہیں بلکہ سارے عالم اسلام میں آج آپ کے ان افکار و ہدایات اور ارشادات و تعلیمات کی گونج سنائی دے رہی ہے جن کا رشتہ اپنے اسلاف و اکابر و ائمہ و فقہائے اسلام سے وابستہ ہے اور ان کے ذریعہ تابعین و صحابۂ کرام اور رسولِ کائنات ﷺ تک وہ سلسلہ بہ سلسلہ منسلک ہیں۔

آپ کی متعدد الجہات دینی و علمی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر عالمی مراکز و جامعات میں تحقیق و ریسرچ کا سلسلہ جاری ہے اور مختلف زبانوں میں آپ کی حیات و خدمات پر ہر سال کئی ایک کتابیں منظر عام پر آ رہی ہیں۔ ہند و پاک کے اندر تقریباً پچیس محققین اور طلبہ امام احمد رضا پر ایم۔اے، اور پی ایچ ڈی کے لیے تحقیقی مقالات لکھ چکے ہیں اور مختلف یونیورسٹیوں سے انھیں اس کی سند بھی مل چکی ہے۔

آپ کے دور میں بعض لوگوں نے شانِ الوہیت و عظمت رسالت پر انگشت نمائی کی تو بڑی باریک بینی اور جرأتِ حق گوئی کے ساتھ قرآن و حدیث کی روشنی میں آپ نے صحیح اسلامی موقف کا اظہار کیا اور جہاں جہاں جن جن باتوں کو شرعی نقطۂ نظر سے آپ نے

قابل گرفت سمجھا ان کی نشان دہی کی اور طویل مدت تک ان کی اصلاح کی کوششوں میں مصروف رہے۔

تقریباً پچپن علوم وفنون پر مشتمل لگ بھگ ایک ہزار کتب ورسائل آپ کی دینی و علمی یادگار ہیں۔ جن میں کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن، فتاویٰ رضویہ (بارہ جلدیں)، جد الممتار اور حدائق بخشش کو عالم گیر شہرت حاصل ہے۔

تحریک خلافت (1919ء) و تحریکِ ترکِ موالات (1920ء) میں بعض مواقع پر جب کچھ لوگوں نے اپنے سیاسی مفادات کے پیش نظر شعوری یا غیر شعوری طور پر شرعی حدود سے تجاوز کیا تو عام جذباتی دھارے کے برخلاف آپ نے یہ پیغام دیا کہ شریعت کو سیاست کا آلۂ کار نہ بنایا جائے نہ ہی مشرکانہ عادات واطوار کو مسلم معاشرے میں گھسنے کی گنجائش پیدا کی جائے۔ بلکہ ہر ممکن طریقہ سے اسلامی شعائر و امتیازات کا تحفظ کیا جائے اور مسلم شناخت ہر قیمت پر برقرار رکھی جائے۔

مغربی تہذیب وتمدن، فرنگی فکر ومزاج اور غاصب انگریزوں اور ان کی حرکتوں سے بے زاری کا یہ عالم تھا کہ نہ کبھی ان کی حکمرانی تسلیم کی اور نہ ہی ان کی کسی کورٹ، کچہری میں کبھی گئے اور وہ بھی یہ کہہ کر کہ "جب میں انگریز کی حکومت ہی تسلیم نہیں کرتا تو ان کی عدالت (کورٹ، کچہری) کیا تسلیم کروں گا؟" لفافہ پر ہمیشہ الٹا ٹکٹ لگاتے اور کہتے کہ "میں نے جارج پنجم کا سر نیچا کر دیا۔" زندگی بھر کسی انگریز کے پاس نہیں گئے اور نہ ان سے کوئی ربط و تعلق رکھا۔

نعتیہ شاعری میں امام احمد رضا نے مولانا کفایت علی کافیؔ مراد آبادی کو "سلطانِ نعت گویاں" اور اپنے آپ کو ان کا وزیر اعظم قرار دیا تھا۔ یہ مولانا کافیؔ مراد آبادی، انقلاب 1857ء کے مجاہد آزادی ہیں اور مراد آباد میں نعت رسول مقبول گنگناتے ہوئے آپ 1858ء میں تختۂ دار پر چڑھ گئے تھے۔ ان سے اظہار عقیدت کے طور پر امام احمد رضا فرماتے ہیں:

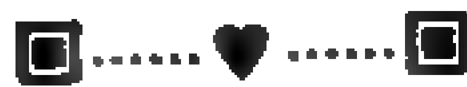
مہکا ہے مری بوئے دہن سے عالم
یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافیؔ "سلطانِ نعت گویاں" ہیں رضا
اِن شاء اللہ میں "وزیرِ اعظم"

امام احمد رضا بریلوی اپنے افکار و خیالات اور خدمات کی روشنی میں بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی، حضرت علامہ فضل رسول بدایونی، حضرت سید شاہ آل رسول احمد برکاتی و دیگر اکابر علماء و مشائخ اہل سنت کے سلسلۂ فکر و خیال سے وابستہ اور اس کے شارح و ترجمان ہیں۔

ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی تحریروں اور امام احمد رضا کے خیالات و نظریات کا میں تقریباً پینتیس سال (35) سے مطالعہ کر رہا ہوں جن کا خلاصہ ذیل میں درج کر کے اسے قارئین تک پہنچا رہا ہوں کہ امام احمد رضا بریلوی نے:

- ہر اس فتنے کا تعاقب کیا جس سے اسلام و ایمان کو کچھ بھی خطرہ لاحق ہو۔
- متوقع خطرات کو پہلی ہی نظر میں اپنی مومنانہ بصیرت کے ذریعہ بھانپ لیا کرتے تھے اور ان سے تحفظ کی مناسب تدابیر اختیار کیا کرتے تھے۔
- جدید افکار و تحریکات کے سبھی گوشوں کو مدنظر رکھ کر ہی کوئی فیصلہ فرماتے۔ اس لیے وہ مدت العمر اپنے موقف پہ جبل مستقیم کی طرح جمے رہے اور کبھی انھیں بعض دوسرے اصحاب علم اور دانشوران قوم و ملت کی طرح تبدیلی رائے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔
- ان کے شرعی فیصلے وقتی جذبات اور عارضی اسباب و محرکات کی نذر نہیں ہوئے بلکہ ان کا ہر فیصلہ، ان کی ہر بات اور ان کا ہر قدم سنت کی اتباع اور شریعت کی راہ پر تھا۔ انھوں نے دین مذہب کے فکر و مزاج کے ساتھ استقلال و استقامت کا ہمیشہ ثبوت دیا اور ان سے ایک لمحہ کے لیے بھی انحراف نہیں کیا کیونکہ تمسک بالدین ان کا جوہر امتیاز تھا۔
- بعض اوقات اپنے جذبۂ دینی کے تحت آپ نے ازخود پیش قدمی کر کے جدید انحرافات اور گمراہیوں کی نشان دہی فرمائی اور اصلاحی کوششوں کے بعد ہی آپ نے ان کے خلاف کوئی شرعی فتویٰ صادر فرمایا۔
- آپ کی زندگی میں جلال فاروقی کا جلوہ صاف عیاں ہے کیونکہ باطل تحریکوں کے مقابلے میں آپ نے ذرا بھی رو رعایت سے کام نہ لیا اور مزاج و مفاد شریعت کے خلاف کبھی کوئی بات برداشت نہ کی۔

- دینی مسائل اور ملکی معاملات پر وہ واضح فکر کے حامل تھے اور مسائل و احکام کے ہر پہلو پر ان کی گہری نظر رہا کرتی تھی۔
- تحریکوں، تنظیموں کے نمائندے آپ سے ملاقات کر کے یا کسی طرح آپ سے رابطہ قائم کر کے آپ کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کرتے لیکن آپ نہایت بصیرت و احتیاط سے کام لیتے ہوئے وہی کہتے اور کرتے جس کی شریعت مطہرہ انھیں اجازت دیتی۔
- اپنے عہد کے مشاہیر علماء و مشائخ کرام سے آپ کے دوستانہ مراسم اور قریبی تعلقات تھے اور وہ لوگ آپ کی رائے کا نہایت احترام کرتے تھے۔ اور آپ کے فتاویٰ کی اہمیت ان کے نزدیک مسلم تھی۔
- مسلمانانِ ہند اس وقت کے حالات کے پیش نظر مختلف تحریکات کے تعلق سے آپ کی بارگاہ میں ہدایات کے طالب ہوا کرتے تھے اور آپ ان کی دینی و علمی و فکری رہنمائی کیا کرتے تھے۔
- آپ نے جادۂ حق و اعتدال سے منحرف خیالات و نظریات اور باطل تحریکات سے اختلاف پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ان کی اصلاح کی مخلصانہ کوشش کی اور نئے ماحول میں کام کرنے کے طریقے بھی بتائے۔
- خدمت قوم و ملت کے لیے عملی طور پر "جماعت رضائے مصطفیٰ" (1920ء) قائم فرمائی جس نے متعدد محاذوں بالخصوص "شدھی سنگھٹن" کے خلاف قابل قدر کارنامے انجام دیے۔
- مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشی ہر محاذ پر آپ کی ہدایات سے قوم مستفید ہوئی۔
- آپ کی حق گوئی و بے باکی اور تبلیغ و ہدایت سے بے شمار افراد اصلاح پذیر اور ایک عالم متاثر و فیض یاب ہوا اور نہ جانے کتنے گم گشتگانِ راہ منزلِ مقصود سے ہمکنار ہوئے۔



محمد ارشاد عالم نعمانی، مصباحی

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ قادری کے

اوصاف و معمولات

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز (م1340ھ/1921ء) ایسے علمی، فکری اور عشق مصطفوی ﷺ سے سرشار خاندان کے پروردہ تھے جو شروع ہی سے دینی اور دنیوی دونوں طرح کی عزت و شہرت اور محاسن و فضائل سے آراستہ تھا۔ اوصاف حمیدہ اور اخلاقِ فاضلہ کا قابل عمل نمونہ تھا۔ عشق رسول، اتباع سنت، سخاوت و تواضع، اشاعت سنت اور ازالۂ بدعت جس کا طرۂ امتیاز تھا۔ امام احمد رضا اپنے علمی فضل و کمال کے ساتھ اعلیٰ انسانی اوصاف و کردار سے آراستہ اپنے خانوادہ کے سچے جانشیں اور مظہر اتم تھے۔

حضرت سیدنا شاہ اسمٰعیل حسن میاں قادری مارہروی قدس سرہ آپ کے اوصاف و کمالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مولانا احمد رضا خاں صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی، صوری و معنوی بنایا تھا، اوصاف و کمالات میں جس کو لے کر دیکھیے مولانا کی ذات میں بروجہ کمال اس کا ظہور تھا۔“ (حیاتِ اعلیٰ حضرت، ترتیب جدید، 141/1 مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

اندازِ گفتگو

مولانا حسنین رضا بن مولانا حسن رضا بریلوی آپ کے طرز گفتگو پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

”اعلیٰ حضرت قبلہ ہر شخص سے اس کی سمجھ کے موافق بات چیت کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔ وہ ہر شخص سے اس کی سمجھ کے موافق بات چیت کرتے تھے۔ ایسے موقع پر ان کی زبانِ مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ ان کے ہر مخاطب کے دل میں اتر گئے۔ اس واسطے کہ انھیں اپنی بلند سطح . ہر شخص کی سطح پر اتر کر بات چیت کرنے کا پورا ملکہ تھا اور ارشاد سرکار

دو عالم ﷺ: ''لوگوں سے ان کی سمجھ کے موافق بات چیت کرو۔'' پر پورے عامل تھے۔''
(ص 99، سیرتِ اعلیٰ حضرت مع کرامات، مطبوعہ سنی رضوی اکیڈمی افریقہ)
اس خصوص میں مولانا نے شواہد بھی پیش کیے ہیں جن کا ذکر یہاں طوالت سے خالی نہیں۔

طرز نشست و برخاست

آپ کے خادمِ خاص جناب سید ایوب علی رضوی بریلوی کی روایت سے مولانا ظفر الدین قادری آپ کے بیٹھنے اور چلنے کے انداز کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
''حضور (اعلیٰ حضرت) کی سبک خرامی کا یہ حال تھا کہ چلنے میں کبھی پائے مبارک کی چاپ سننے میں نہ آئی۔ نشست کا حال یہ تھا کہ ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے زانو پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند فرماتے۔ کتب بینی، یا لکھتے وقت پائے مبارک سمیٹ کر دونوں زانو اٹھائے رہتے، ورنہ سیدھا زانوے مبارک اکثر اٹھا رہتا اور دوسرا بچھا رہتا اور کبھی بایاں زانو ضرور تا اٹھاتے تو داہنا بچھا لیا کرتے تھے۔ ذکر میلاد میں ابتداء سے انتہا تک ادباً دو زانو رہا کرتے، یوں ہی وعظ فرماتے، چار پانچ گھنٹے کامل دوزانو ہی منبر شریف پر رہتے۔ (حیات اعلیٰ حضرت 142/1)

سونے کی کیفیت

اعلیٰ حضرت کے سونے کے مخصوص اور منفرد انداز و ادا پہ روشنی ڈالتے ہوئے آپ کے مستند سوانح نگار حضرات یوں رقم طراز ہیں:
''اعلیٰ حضرت 24 گھنٹے میں صرف دو گھنٹے آرام فرماتے اور باقی تمام وقت تصنیف و کتب بینی اور دیگر خدماتِ دینیہ میں صرف فرماتے۔'' (سیرت اعلیٰ حضرت، ص 161)
''ہمیشہ بشکل نام اقدس محمد ﷺ سویا کرتے۔ اس طرح کہ دونوں ہاتھ ملا کر سر کے نیچے رکھتے اور پاؤں سمیٹ لیتے جس سے سر ''میم'' کہنیاں 'ح' کمر 'میم' پاؤں 'دال' بن کر گویا نام پاک محمد ﷺ کا نقشہ بن جاتا۔''

(ص 112، سوانح اعلیٰ حضرت، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی 1422ھ)
سوتے وقت جب آپ دونوں ہاتھوں کو ملا کر سر کے نیچے رکھتے تو انگلیوں کا انداز

عجیب ہوتا۔ انگوٹھے کو انگشتِ شہادت کے وسط پر رکھتے اور باقی انگلیاں اپنی اصلی حالت پر رہتیں۔ اس طرح انگلیوں سے لفظ اللہ بن جاتا۔ گویا سوتے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اللہ اور جسم سے محمد لکھ کر سوتے۔" (ص 46، سیرت امام احمد رضا، رضوی کتاب گھر دہلی)

اس طرح سونے کا راز اعلیٰ حضرت کے خلف اکبر حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے (یہ) ظاہر فرمایا کہ سوتے وقت یہ فنا فی الرسول اپنے جسم کو اس طرح ترکیب دے کر سوتے ہیں کہ لفظ محمد بن جاتا ہے۔ اگر اسی حالت میں پیغام اجل آ جائے تو زہے نصیب ورنہ دوسرا فائدہ تو حاصل کہ: ستر ہزار فرشتے رات بھر اس نام مبارک کے گرد درود شریف پڑھتے ہیں اور وہ اس طرح سونے والے کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے (ص 45، ایضاً وحیات اعلیٰ حضرت)

ہر کام میں تیامن

اعلیٰ حضرت ہر کام داہنی جانب سے شروع کرتے۔ مولانا صابر القادری نسیم بستوی تحریر کرتے ہیں:

"ناک صاف کرنے اور استنجا فرمانے کے سوا آپ کے ہر کام کی ابتدا سیدھے ہی جانب سے ہوتی تھی۔ چنانچہ عمامۂ مبارک کا شملہ سیدھے شانہ پر رہتا، اس کے پیچ سیدھی جانب ہوتے اور اس کی بندش اس طور پر ہوتی کہ بائیں دست مبارک میں بندش اور داہنا دست مبارک پیشانی پر ہر پیچ کی گرفت کرتا تھا۔" (ص 89، مجدد اسلام مطبوعہ کان پور)

مولانا بدرالدین قادری رضوی لکھتے ہیں: اگر کسی شخص کو کوئی چیز دیتے اور وہ بایاں ہاتھ بڑھاتا تو فوراً دست مبارک روک لیتے اور فرماتے کہ: "داہنے ہاتھ میں لو، بائیں ہاتھ میں شیطان لیتا ہے۔"

بسم اللہ شریف کا عدد 786 لکھنے کا عام دستور یہ ہے پہلے سات '7'، پھر '8' اس کے بعد '6' لکھتے ہیں۔ لیکن آپ پہلے '6' پھر آٹھ '8' تب سات '7' تحریر فرماتے۔ یعنی اعداد کو بھی داہنی جانب سے لکھتے۔ (ص 113، سوانح اعلیٰ حضرت)

خودداری اور اغنیا و امرا سے بے نیازی

مولانا ظفر الدین قادری رضوی نے اغنیا و امرا سے اجتناب اور خودداری کے تعلق

سے کثیر واقعات ذکر کیے ہیں۔ یہاں صرف ایک واقعہ نقل کیا جا رہا ہے:

''ایک بار نواب رام پور نینی تال جا رہے تھے۔ اسپیشل جب بریلی پہنچا تو حضرت شاہ مہدی میاں صاحب اپنے نام سے ڈیڑھ ہزار نوٹ ریاست کے مدارالمہام کی معرفت بطور نذرانہ اسٹیشن سے حضور (اعلیٰ حضرت) کی خدمت میں بھیجتے ہیں اور والی ریاست کی جانب سے مستدعی ہوتے ہیں کہ ملاقات کا موقع دیا جائے۔

حضور (اعلیٰ حضرت) کو مدارالمہام صاحب کے آنے کی خبر ہوئی تو اندر سے دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے مدارالمہام صاحب سے فرمایا:

''میاں کو سلام عرض کیجیے اور کہیے گا کہ یہ الٹی نذر کیسی؟ مجھے میاں کی خدمت میں نذر پیش کرنی چاہیے نہ کہ میاں مجھے نذر دیں۔ یہ ڈیڑھ ہزار ہوں یا جتنے ہوں واپس لے جائیے۔ فقیر کا مکان نہ اس قابل کہ کسی والی ریاست کو بلا سکوں اور نہ میں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت جدید 209/1)

حق گوئی و بے باکی

آپ کی حق گوئی، غیرتِ مذہبی اور دینی حمیت کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں مارہروی کا بیان ہے کہ:

ایک بار میں نے عرس صاحب البرکات شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے قبل مولانا (احمد رضا) کو طلب کر لیا تھا۔ درگاہ شریف کے ایک حجرہ میں قیام فرماتے۔ مبارک جان نامی علی گڑھ کی ایک مشہور اور متمول رنڈی کسی کے یہاں مارہرہ آئی ہوئی تھی۔ درگاہِ معلیٰ میں حاضر ہوئی اور روضۂ شریف کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر گانا آغاز کرنا ہی چاہتی تھی۔ سازندوں نے ساز لگائے تھے۔ تو مولانا کی نظر پڑ گئی اور بے اختیار ہو کر حجرہ سے باہر تشریف لا کر ان سے فرمایا کہ: ''تم یہاں کیسے آئے؟ یہ درگاہِ معلیٰ ناچ گانے شیطانی کاموں کی جگہ نہیں۔ فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔'' یہ فرمایا اور درگاہ سے ان لوگوں کو باہر کر دیا۔

(حیاتِ اعلیٰ حضرت 199/1)

فرماں برداری

حضرت سیدنا شاہ اسمٰعیل حسن میاں صاحب قدس سرہ بیان کرتے ہیں:

والدین کی اتباع کا یہ حال تھا کہ جب مولانا (احمد رضا) کے والد ماجد جناب مولانا نقی علی خاں صاحب کا انتقال ہوا۔ اپنے حصۂ جائیداد کے خود مالک تھے۔ مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کے سپرد تھا۔ وہ پوری مالکہ و متصرفہ تھیں۔ جس طرح چاہتیں صرف کرتیں۔ جب مولانا کو کتابوں کی خریداری کے لیے کسی غیر معمولی رقم کی ضرورت پڑتی تو والدہ ماجدہ صاحبہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور اپنی ضرورت ظاہر کرتے جب وہ اجازت دیتیں اور درخواست منظور کرتیں تو کتابیں منگواتے۔ (حیات اعلیٰ حضرت 147/1)

بعض عادات کریمہ

مولانا ظفر الدین قادری آپ کے خادم خاص سید ایوب علی رضوی بریلوی کی روایت سے یوں نقل کرتے ہیں:

بشکل نام اقدس (محمد) ﷺ استراحت فرمانا، ٹھٹھانہ لگانا، جمائی آنے پر انگلی دانتوں میں دبا لینا اور کوئی آواز نہ ہونا، کلی کرتے وقت دست چپ (دایاں ہاتھ) ریش مبارکہ پر رکھ کر خمیدہ سر ہو کر پانی منہ سے گرانا، قبلہ کی طرف رخ کر کے کبھی نہ تھوکنا، نہ قبلہ کی طرف پائے مبارک دراز کرنا، نماز پنجگانہ مسجد میں باجماعت ادا کرنا، فرض نماز با عمامہ پڑھنا، بغیر صوف پڑی دوات سے نفرت کرنا، یوں ہی لوہے کے قلم سے اجتناب کرنا، خط بنواتے وقت اپنا کنگھا، شیشہ استعمال کرنا، مسواک کرنا، سر مبارک میں چنبیلی ڈلوانا۔

(حیات اعلیٰ حضرت 143/1)

فروتنی و خاکساری

مولانا ظفر الدین قادری رضوی جو اعلیٰ حضرت کے ارشد تلامذہ اور مخصوص خلفا میں ہیں اور آپ کے ساتھ سفر و حضر میں اکثر ساتھ ہوتے آپ کی تواضع و انکساری کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آپ کبھی قیمتی لباس، قیمتی عبا، قیمتی عمامہ وغیرہ استعمال نہیں فرماتے تھے، نہ خاص مشائخانہ انداز، خانقاہ، چلہ، حلقہ وغیرہ یا خدام کا مجمع ہوتا۔''

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ہر شخص حتی کہ چھوٹی عمر والے سے بھی نہایت خلق کے ساتھ ملتے۔ ''آپ'' اور ''جناب'' سے مخاطب فرماتے اور حسب حیثیت اس کی توقیر وتعظیم فرماتے۔

(حیات اعلیٰ حضرت 198/1)

آپ کے ایک عینی شاہد مولانا سید ابوسلمان محمد عبدالمنان قادری عظیم آبادی کا تحریری بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت:

اخلاق نبویہ ﷺ کی ایک زندہ مثال ہیں۔ آپ کی زیارت نے تمام وکمال فقیر پر یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ بھی آپ کی تعریف ہوتی ہے وہ کم ہے۔

(مکتوب بنام مولانا ظفر الدین قادری رضوی)

احترام علماء

محبت وعزت علما کے تعلق سے مولانا ظفر الدین قادری طویل زمانے تک کا براہ راست مشاہدہ یوں سپرد قلم کرتے ہیں کہ:

''میرے زمانۂ قیام بریلی شریف یعنی 1312ھ سے 1320ھ تک علمائے اہلسنت و جماعت برابر تشریف لایا کرتے۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ ایک دو مہمان تشریف نہ لاتے ہوں، ان سب کی خاطر و مدارات حسب مرتبہ کی جاتی اور علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت اعلیٰ حضرت کی مسرت کی جو حالت ہوتی احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔

(حیات اعلیٰ حضرت 218/1)

تعظیم سادات

تعظیم وتوقیر اور احترام سادات کے تعلق سے آپ کے طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سادات کرام جزو رسول ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ مستحق توقیر وتعظیم ہیں اور اس پر پورا عمل کرنے والا ہم نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کو پایا۔ اس لیے کہ وہ کسی سید صاحب کو اس کی ذاتی حیثیت ولیاقت سے نہیں دیکھتے بلکہ اس حیثیت سے ملاحظہ فرماتے کہ سرکار دوعالم ﷺ کا جزو ہیں۔'' (حیات اعلیٰ حضرت 165/1)

سبقت سلام

آپ کے خادم خاص سید ایوب علی رضوی آپ کے عام مسلمانوں سے سبقت سلام کے عمل کو بتاتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

اعلیٰ حضرت نماز جمعہ کے لیے جس وقت تشریف لاتے فرش پر قدم رکھتے ہی حاضرین سے تقدیم سلام فرماتے۔ اور اسی پر بس نہیں، بلکہ جس درجہ میں ورود مسعود ہوتا، تقدیم سلام ہوتی جاتی۔ (حیات اعلیٰ حضرت 195/1)

فیاضی وغربا پروری

مولانا بدرالدین احمد قادری رضوی آپ کی سخاوت وفیاضی اور غربا پروری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کاشانۂ اقدس سے کوئی سائل خالی واپس نہ ہوتا، بیوگان کی امداد اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لیے آپ کی جانب سے ماہوار رقمیں مقرر تھیں۔

(ص 111۔ سوانح اعلیٰ حضرت)

سردیوں میں یہ معمول تھا کہ رزائیاں تیار کروا کر تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ (حیات اعلیٰ حضرت 175/1)

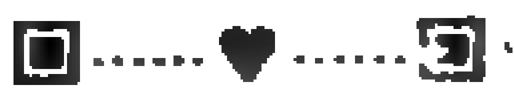
ایسے بلند اوصاف و عادات، پاکیزہ اخلاق اور عظمت کردار وعمل کی حامل شخصیت کی پوری زندگی کے ''پیغام عمل'' کی جس کی آپ عملی وقلمی تبلیغ وترسیل کرتے رہے کا خلاصہ آپ کے سوانح نگار مولانا بدرالدین احمد قادری یوں رقم فرماتے ہیں:

1- دنیا بھر کی ہر ایک لائق محبت و مستحق تعظیم چیز سے زیادہ اللہ ورسول کی محبت وتعظیم۔

2- اللہ ورسول ہی کی رضا کے لیے اللہ ورسول کے دوستوں سے دوستی ومحبت۔

3- اللہ ورسول ہی کی خوشی کے لیے اللہ ورسول کے دشمنوں سے نفرت وعداوت۔

(ص 113، سوانح اعلیٰ حضرت)



محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی)

امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

امام احمد رضا کی پوری زندگی شریعت مصطفیٰ و سنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی پابندی سے آراستہ ہے۔ ان کے تقویٰ کی شان بڑی بلند و بالا ہے۔

تقویٰ کا اجمالی منظر

اس طرح کے بہت سے واقعات امام احمد رضا کی تاریخ زندگی سے وابستہ ہیں جن میں ان کا عرفان، خوف خدا اور پرہیزگاری و تقویٰ کا حسن و جمال صاف جھلکتا ہے۔ میں اجمالاً چند واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ مختلف اصناف تقویٰ کے جلوے نظر آئیں گے تقسیم و تنویع سے صرف نظر کرتے ہوئے سبھی کو تقویٰ کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

1- حقوق العباد کی اہمیت کو امام احمد رضا کا قلب صافی خوب محسوس کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ اَعْجَبُ الْاِمْدَاد فِی مُکَفِّرَاتِ حقوق العباد...... رمضان میں بعد افطار صرف پان کھا لیتے اور سحری کے وقت ایک چھوٹے سے پیالہ میں فیرینی تناول فرماتے۔ زمانۂ اعتکاف میں ایک دن ملازم بچہ دو گھنٹے کی تاخیر سے پان لے کر آیا۔ حضرت نے اس کو ایک چپت مار کر فرمایا۔ اتنی دیر میں لایا۔ اس ایک چپت مارنے پر انھیں رات بھر فکر رہی۔ آخر سحر کے وقت اسے بلوایا اور فرمایا کہ رات جو تاخیر ہوئی اس میں تمہارا قصور نہ تھا۔ بھیجنے والے کی کوتاہی تھی۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ تمھیں چپت ماری۔ اب تم میرے سر پر چپت مارو۔ ٹوپی اتار کر اصرار فرماتے رہے۔ بچہ دم بخود کانپنے لگا۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کیا حضور میں نے معاف کیا۔ فرمایا تم نابالغ ہو تمھیں معاف کرنے کا حق نہیں چپت مارو۔ پھر اپنا بکس منگوا کر مٹھی بھر کر پیسے نکالے اور فرمایا یہ پیسے تم کو دوں گا تم چپت مارو۔ آخر خود اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت سی چپتیں اپنے سر پر لگائیں

اور پھر اسے پیسے دے کر رخصت کیا۔

وقت وصال سے کچھ ایام پہلے کا چشم دید واقعہ مولانا جعفر شاہ پھلواروی لکھتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد اپنے ضعف و مرض کی حالت میں درد واثر میں بھری ہوئی آواز میں چند وداعی کلمات کچھ اس طرح کہے:

''میری طرف سے تمام اہلسنّت مسلمانوں کو سلام پہنچا دو اور میں نے کسی کا قصور کیا ہے تو میں اس سے بڑی عاجزی سے اس کی معافی مانگتا ہوں۔ مجھے خدا کے لیے معاف کر دو یا مجھ سے کوئی بدلہ لے لو۔ (جہانِ رضا، ص 124، مضمون مولانا جعفر شاہ پھلواروی۔ مرتبہ: مرید احمد چشتی، مرکزی مجلس رضا لاہور)

وصایا میں بھی وصال سے چند ماہ قبل کے ایک اجلاس اور خطاب کا ذکر ہے جس کے آخر میں فرمایا گیا:

آپ حضرات نے کبھی مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دی۔ میرے کام آپ لوگوں نے خود کیے مجھے نہ کرنے دیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب صاحبوں کو جزائے خیر دے۔ مجھے آپ صاحبوں سے امید ہے کہ قبر میں بھی اپنی جانب سے کسی قسم کی تکلیف کے باعث نہ ہوں گے۔ میں نے تمام اہلسنّت سے اپنے حقوق لوجہ اللہ معاف کر دیے ہیں۔ آپ لوگوں سے دست بستہ عرض ہے کہ مجھ سے جو کچھ آپ کے حقوق میں فروگذاشت ہوئی ہے وہ سب معاف کر دیں اور حاضرین پر فرض ہے کہ جو حضرات موجود نہیں ان سے معافی کرالیں۔

(وصایا شریف، ص 22۔ اشاعت المجمع الاسلامی، مبارک پور 1404ھ)

-2 گھر میں فوٹو اور تصویریں ہرگز برداشت نہ کرتے۔ وقت وصال روپے پیسے تک بھی نکلوا دیے کہ ملائکہ رحمت کی تشریف آوری میں کسی طرح کا شبہہ بھی نہ رہ جائے۔

-3 تواضع وانکسار کی یہ حالت تھی کہ ایک بار پیلی بھیت آتے وقت ٹرین میں تاخیر تھی تو اسٹیشن پر آرام کرسی بیٹھنے کو دی گئی۔ فرمایا یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے۔ تشریف رکھی مگر پشت نہ لگائی اور وظائف میں مشغول رہے۔ کسی صاحب کو اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں ایک مسلمان حجام کے برابر بیٹھنا پڑا تو آئندہ انھوں نے آنا ہی ترک کر دیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا میں بھی ایسے متکبر کو پسند نہیں کرتا۔

-4 اطاعت والدین میں بھی ان کی مثال پیش کرنی مشکل ہے۔ والدِ گرامی کے وصال کے بعد اپنی پوری باگ ڈور والدہ ماجدہ قدس سرہا کے ہاتھ میں دے رکھی تھی۔ بے اِذن حج نفل بھی گوارا نہ کیا...... جو کچھ رقوم ہوتیں سب والدہ کی خدمت میں حاضر کر دیتے۔ ان کی اجازت کے بغیر کتابیں بھی نہ خریدتے۔

مولانا فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ کے عرس میں ایک بار شرکت فرمائی۔ مولوی سراج الدین آنولوی کوئی میلاد خواں واعظ تھے۔ انھوں نے دوران تقریر یہ کہا کہ ''پہلے حضور اقدس ﷺ کے جسم مبارک میں فرشتے روح ڈالیں گے۔'' چونکہ اس میں حیاتِ انبیاء علیہم السلام کے مسلمہ اصول سے انکار نکلتا تھا۔ یہ سن کر اعلیٰ حضرت کا چہرہ متغیر ہو گیا اور مولانا عبدالقادر علیہ الرحمۃ سے فرمایا: آپ اجازت دیں تو ان کو منبر سے اتار دوں۔ مولانا علیہ الرحمۃ نے ان کو بیان سے روک دیا اور مولانا عبدالمقتدر صاحب سے فرمایا کہ: ایسے بے علم لوگوں کو مولانا احمد رضا خاں کے سامنے میلاد شریف پڑھنے نہ بٹھایا کیجیے جن کے سامنے بیان کرنے والے کے لیے علم اور زبان کو بہت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

اسی سلسلے میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ انھیں وجوہ سے آج کل کے واعظین اور میلاد خوانوں کے بیانوں اور وعظوں میں جانا چھوڑ دیا اور حضرت شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمۃ کے متعلق فرمایا کہ حضرت ان میں سے ہیں جن کا بیان میں بخوشی سنتا ہوں۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت ص 184 و 185)

یہ حصہ بھی خاص طور سے قابلِ غور ہے کہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمۃ اگرچہ باضابطہ سندی عالم نہ تھے مگر علم باطن نے علم ظاہر میں بھی انھیں ایسا پختہ کار بنا دیا تھا کہ اعلیٰ حضرت بریلوی جیسا محقق عالم و عارف ان کا بیان بخوشی سنتا۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے کہ کوئی صوفی علم ظاہر سے خالی نہ ہوگا اور جو خالی ہو وہ صوفی نہیں مسخرۂ شیطان ہے۔ (مقال عرفا وغیرہ)

-5 خدمت دینی پر اپنوں کی مدح اور غیروں کی قدح انسان کو عجب و کبریا نفسانی غصہ و انتقام میں مبتلا کر دیا کرتے ہیں۔ مگر امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

بخدا میں نہ ان اکابر علما و اولیا کی مدح پر اتراتا ہوں نہ ان دشمنانِ خدا و رسول کی

گالیوں سے غصہ میں آتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس ناچیز کو اس قابل بنایا کہ اس کے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ناموس کی حفاظت میں گالیاں سنے۔ جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے ہیں اتنی دیر تو میرے آقا کی بدگوئی سے باز رہتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی کا نقشہ یہ ہے۔

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بہ مدحے نہ مرا ہوش ذمے

ان کے اخلاق و عادات اور اتباع شرع کا بیان کہاں تک ہو۔ ایک عینی مشاہدہ مولانا سید شاہ ابوسلمان محمد عبدالمنان قادری جو ابتداء اعلیٰ حضرت کے مخالف تھے انھوں نے یہ تحریری بیان دیا کہ:

اعلیٰ حضرت اخلاق نبویہ ﷺ کی ایک زندہ مثال ہیں۔ آپ کی زیارت نے تمام دکمال فقیر پر یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ بھی آپ کی تعریفیں ہوتی ہیں وہ کم ہیں۔

-6 احتیاط فی القول کا یہ حال تھا کہ کسی حل یا جواب میں ذرا بھی خامی یا غلطی ہوتی تو اُسے ''صحیح'' کہنے سے پرہیز کرتے۔

سید ایوب علی صاحب نے رمضان المبارک 1335ھ کے اوقات نماز پنجگانہ کا نقشہ بنا کر بھیجا، دس پندرہ منٹ کے بعد اصلاح کے ساتھ واپس آیا جہاں جہاں بھی خامی تھی اس پر غلط کا نشان اور جو صحیح تھا اس پر صحیح کا نشان بنا دیا گیا تھا ایک خانہ میں بجائے صحیح کے ''خیر'' لکھا تھا غور کیا تو سکنڈ کے ہزارویں حصے کی غلطی تھی، جس سے اوقات پر کوئی اثر نہیں آتا۔ مگر غلطی بہر حال غلطی ہے اس لیے صحیح کا نشان نہ دیا بلکہ خیر لکھا تھا۔

-7 پہلی بھیت کے مشہور بزرگ شاہ جی محمد شیر میاں علیہ الرحمۃ سے ملنے محدث سورتی کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ شاہ صاحب بے حجابانہ عورتوں سے بیعت لے رہے ہیں۔ احکام شرع پر کمال غیرت کے باعث اعلیٰ حضرت بغیر ملے ہوئے واپس تشریف لائے کوئی دوسرا ہوتا تو بگڑ جاتا۔ مگر شاہ صاحب کی بے نفسی وحق پسندی کا کمال اس طرح جلوہ گر ہوا کہ شام کو اسٹیشن تک پہنچانے تشریف لائے اور صبح کے واقعہ پر اظہار افسوس کے ساتھ کہا۔ مولانا! اب آئندہ میں عورتوں کو پس

پردہ بٹھا کر بیعت لیا کروں گا۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے ان سے مصافحہ اور معانقہ فرمایا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص 206)

-8 مسجد میں وضو کا مستعمل پانی گرانا جائز نہیں، خواہ وہی پانی ہو جو اعضا پر لگا رہ جاتا ہے۔ ایک بار سخت سردی میں شدید بارش ہو رہی تھی۔ اعلیٰ حضرت معتکف تھے۔ باہر وضو کی صورت نظر نہ آئی۔ لحاف کو چارتہ کر کے اس پر وضو کیا ایک قطرہ بھی فرش پر گرنے نہ دیا اور پوری رات سردی سے ٹھٹھر کر بسر کر دی۔

(حیات اعلیٰ حضرت ص 180)

-9 جب مسجد میں داخل ہوتے تو دایاں پاؤں آگے بڑھاتے۔ ہر صف کو دایاں قدم بڑھاتے ہوئے عبور کرتے۔ اسی طرح محراب تک مصلی پر پہنچ جاتے۔ فرض نماز صرف کرتے اور ٹوپی پر بغیر عمامہ کبھی نہ ادا کی۔

دکھتی آنکھوں سے جو پانی گرے ناقضِ وضو ہے۔ ایک بار آشوبِ چشم تھا تو ہر نماز کے بعد کسی سے آنکھ دکھا لیتے کہ پانی حلقۂ چشم سے باہر تو نہیں آیا ورنہ دوبارہ وضو کر کے نماز لوٹانی ہوگی۔

-10 حدیث کے مطابق تہمت کی جگہوں سے بھی پرہیز کرتے۔ مٹی کا تیل چونکہ بدبودار ہوتا۔ اس لیے مسجد میں جلانا ناجائز ہے۔ ایک بار حاجی کفایت اللہ صاحب نے لالٹین میں ارنڈی کا تیل بھر کر جلایا۔ فرمایا حاجی صاحب! اسے باہر کیجیے۔ ورنہ لوگوں کو بتاتے رہیے کہ اس میں مٹی کا تیل نہیں ارنڈی کا تیل ہے۔ راہ چلتے لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ دوسروں کو مسجد میں بدبودار تیل جلانے سے ممانعت کی جاتی ہے اور خود اپنی مسجد میں جلاتے ہیں۔ آخر حاجی صاحب نے باہر کر دیا۔

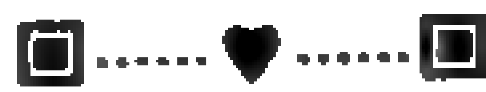
-11 حامد علی خاں نواب رام پور سے حضرت مہدی میاں کے مراسم تھے۔ ایک بار چاہا کہ اعلیٰ حضرت سے ملاقات کراؤں۔ نواب کے ساتھ اسپیشل ٹرین سے سفر میں تھے۔ بریلی اسٹیشن سے مدارالمہام کی معرفت ڈیڑھ ہزار کی نذر بھیجی اور پیغام کہلایا کہ میاں نے دیا ہے اور نواب کو ملاقات کا موقع دیا جائے۔ جواباً دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے کھڑے مدارالمہام سے فرمایا: بعد سلام اُن سے کہیے یہ اُلٹی نذر کیسی؟ مجھے چاہیے کہ میاں کی خدمت میں نذر پیش کروں، نہ کہ میاں مجھے نذر

دیں۔ اس نے کہا حضور ڈیڑھ ہزار ہیں (جو آج کے سکے میں قریباً 75 ہزار کے برابر ہوں گے) فرمایا جو بھی ہو واپس لے جایئے۔ فقیر کا مکان نہ اس قابل کہ کسی والی ریاست کو بلا سکوں اور نہ میں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت)

-12 ایک صاحب داخل سلسلہ ہو کر کسی وظیفہ کے خواہش مند ہوئے۔ ان کی ڈاڑھی حد شرع سے کم تھی۔ فرمایا صاحب! جب داڑھی شرع کے مطابق ہو جائے گی وظیفہ بتایا جائے گا۔ کچھ دنوں بعد پھر درخواست کی۔ فرمایا کسی التماس کی ضرورت نہیں جب داڑھی شرع کے مطابق ہو جائے گی خود وظیفہ بتا دیا جائے گا یعنی نفل پر واجب مقدم ہے۔ کسی کی زندگی معلوم کرنے کے لیے اس کے پڑوسیوں کا بیان خاص طور سے قابل غور ہوتا ہے۔ پڑوسیوں سے کچھ نہ کچھ نزاع ہو ہی جاتی ہے۔ اس لیے بعض ایسے بھی ملتے ہیں کہ اپنے دنیوی نقصان کے باعث اپنے نیک پڑوسیوں کی بھی بے جا شکایت کرتے ہیں۔ مگر امام احمد رضا کے پڑوسی بھی ان کے معترف نظر آتے ہیں۔

-13 محمد شاہ خاں عرف حاجی منتھن خان ایک معزز زمیندار اور اعلیٰ حضرت کے پڑوسی تھے۔ عمر اعلیٰ حضرت سے زیادہ تھی۔ سید ایوب علی صاحب و سید قناعت علی صاحب نے ایک دن دیکھا کہ یہ اپنی زمینداری و سن رسیدگی کے باوجود بڑے ادب سے آستانہ رضویہ کی جاروب کشی کر رہے ہیں۔ سید قناعت علی صاحب کو گوارا نہ ہوا۔ آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے جھاڑو لینا چاہی مگر حاجی صاحب نہ مانے اور فرمانے لگے صاحبزادے! یہ میرا فخر ہے کہ اپنے شیخ کے آستانہ عالیہ کی جاروب کشی کروں (ان لوگوں کو ابھی معلوم نہ تھا کہ یہ بھی داخل ارادت ہیں) فرمایا۔ میں عمر میں حضور سے بڑا ہوں۔ ان کا بچپن دیکھا، جوانی دیکھی اور اب بڑھاپا دیکھ رہا ہوں۔ ہر حالت میں یکتائے زمانہ...... ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ بڑھاپے میں تو ہر کوئی بزرگ ہو جاتا ہے۔ انھیں بچپن میں ضرب المثل اور یکتائے روزگار دیکھا۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ص 25)



محمد شاکر علی نوری رضوی (امیر سنی دعوت اسلامی ممبئی)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور نماز کی پابندی

نبی پاک ﷺ نے اپنی امت کو نماز کی حفاظت و پابندی کا حکم دیا اور خود اس پر عمل کر کے بھی دنیا کو دکھایا۔ حضور اقدس ﷺ ہر نماز صحابۂ کرام کے ساتھ اس کے وقت ہی میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ رسول مکرم ﷺ کے سچے عاشق تھے اسی لیے اپنے آقا و مولیٰ کو جو کہتے سنا وہی کہنے لگے، جو کرتے پڑھا اس پر عمل پیرا ہو گئے، قدم قدم پر آپ رسول ﷺ کے فرمان و سنت کی پیروی کرتے نظر آئے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں نماز کو وقت سے موخر نہیں فرماتے۔ جیسا کہ واقعات ذیل شاہد ہیں۔

1337ھ مطابق 1919ء میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے عبدالاسلام حضرت مولانا عبدالسلام صاحب علیہ الرحمۃ کی دعوت پر جبل پور کا سفر بیماری کی حالت میں کیا۔ آغاز سفر کا ذکر حضرت برہان ملت علیہ الرحمۃ یوں کرتے ہیں۔

صبح چار بجے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور خادم برہان گاڑی پر بریلی ریلوے اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئے۔ میں نے عرض کیا حضرت عین نماز کے وقت گاڑی روانہ ہوگی۔ نماز فجر کہاں ادا کی جائے گی؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا ''ان شاء اللہ پلیٹ فارم پر''

اسٹیشن پہنچنے پر معلوم ہوا گاڑی چالیس منٹ لیٹ ہے، پلیٹ فارم پر جانماز، رومال بچھا لیے گئے اور بعونہ تعالیٰ کثیر تعداد نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے پیچھے نماز فجر ادا کی۔ یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی کرامت تھی کہ اطمینان کے ساتھ نماز سے فارغ ہوئے۔

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب اپنے رفقاء کے ہمراہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے استقبال کے لیے کٹنی تک چلے آئے تھے آگے کا واقعہ برہان ملت علیہ الرحمۃ یوں لکھتے ہیں:

''ٹرین چار بجے کٹنی پہنچی...... اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لیے وضو کا انتظام کیا گیا۔ فرمایا نماز فجر کہاں ہوگی؟ عرض کیا سلیمان آباد میں، لیکن صرف تین منٹ گاڑی ٹھہرتی ہے۔ حضور

وضو فرمائیں۔ خادم حاضر ہے۔ میں انجن کی طرف بڑھا دیکھا ڈرائیور مسلمان ہے اور وہ بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قدم بوسی کر کے جا رہے ہیں مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں نے کہا سلیمان آباد میں نماز فجر ادا کرنا ہے۔ پوچھا کتنا وقت لگے گا؟ میں نے کہا 12 یا 15 منٹ، کہا میں لیٹ کر دوں گا۔ گارڈ بھی مل گیا اس نے بھی اطمینان دلایا۔ گاڑی ٹھیک وقت پر سلیمان آباد پہنچی۔ پلیٹ فارم پر تقریباً تین سو کی جماعت ہوئی۔ پوری ٹرین کے مسافر دیکھ رہے تھے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اطمینان کے ساتھ وظیفے سے فارغ ہو کر گاڑی میں تشریف لائے۔

جبل پور قیام کے دوران اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے معمولات میں سے حضرت برہان ملت علیہ الرحمۃ نے ایک بات یہ بھی ذکر کی کہ نماز کے لیے پانچوں وقت مسجد پیدل تشریف لاتے۔

ان دنوں عیدالاسلام اس مسجد میں نماز ادا فرمانے جاتے یہ قدیم کوتوالی کی جانب ہے۔ اس کا فاصلہ آپ کے دولت خانہ سے پانچ سو قدم سے زیادہ ہے۔ ایک نحیف و ناتواں کے لیے اتنا فاصلہ بھی بہت ہے بلکہ یہ فاصلہ استطاعت سے کہیں زیادہ ہے۔ جبل پور سے واپس ہو کر 22 رجب 1337ھ کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بریلی سے حضرت عیدالاسلام کو یہ اطلاع نامہ بھیجا۔

شب دوشنبہ 8 بجے مع الخیر اسٹیشن بریلی آیا، راہ میں بڑی نعمت بفضلہٖ عزوجل یہ پائی کہ نماز مغرب کا اندیشہ تھا۔ شاہجہانپور 6:33 پر آمد تھی کہ ہنوز وقت مغرب نہ ہوتا اور صرف 8 منٹ قیام۔ مگر گاڑی بفضلہٖ تعالیٰ 15 منٹ لیٹ ہو کر شاہجہانپور پہنچی اور دس منٹ ٹھہری کہ بہ اطمینان تمام نماز اچھے وقت ادا ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ؛ موٹر بلحاظ ہمراہیاں (جو استقبال کے لیے اسٹیشن پر کثیر تعداد میں آئے تھے) بہت آہستہ خرامی کے ساتھ بہ دیر مکان پر پہنچا۔ فقیر نے ابتداء مسجد سے کی، نماز عشاء ادا ہوئی۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 52 برس کی عمر میں دوسری بار سفر حج کیا۔ مناسک حج کی ادائیگی کے بعد آپ ایسے علیل ہوئے کہ دو ماہ سے زیادہ صاحب فراش رہے جب کچھ رُو بہ صحت ہوئے تو 24 صفر 1334ھ کو زیارت روضۂ انور کے لیے مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر جدہ سے بذریعہ کشتی رابغ پہنچے اور وہاں سے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اونٹ کی سواری کی۔ اب آگے کا واقعہ خود اعلیٰ حضرت کی زبانی سنیے۔

"راہ میں جب "پیر شیخ" پر پہنچے ہیں۔ منزل چند میل باقی تھی اور وقت فجر تھوڑا۔ جمالوں (اونٹ والوں) نے منزل پر ہی روکنا چاہا اور جب تک نماز کا وقت نہ رہتا۔ میں اور میرے رفقاء اتر پڑے۔ کرچ کا ڈول پاس تھا (لیکن) رسی نہیں اور کنواں بھی گہرا۔ عمامے باندھ کر پانی بھرا، وضو کیا، بحمدہ تعالیٰ نماز ہو گئی۔ اب یہ فکر لاحق ہو گئی کہ طول مرض سے ضعف شدید ہے اتنے میل پیادہ (پیدل) کیونکر چلنا ہو گا منہ پھیر کر دیکھا تو ایک جمال (اونٹ والا) محض اجنبی اپنا اونٹ لیے میرے انتظار میں کھڑا ہے۔ حمد الٰہی بجا لایا، اس پر سوار ہوا۔ لوگوں نے پوچھا کہ "تم یہ اونٹ کیسے لائے؟ ہمیں شیخ حسین نے تاکید کر دی تھی کہ شیخ کی خدمت میں کمی نہ کرنا۔" کچھ دور آگے چلے تھے کہ (دیکھا) میرا اپنا جمال اونٹ لیے کھڑا ہے اس سے پوچھا۔ کہا کہ جب قافلہ کے جمال نہ ٹھہرے میں نے (دل میں) کہا شیخ کو تکلیف ہو گی قافلے میں سے اونٹ کھول کر واپس لایا۔"

سبحان اللہ! یہ ہے ذوق نماز اور شوق عبادت کہ نماز کے فوت ہونے کے اندیشے سے دل بے چین و بے قرار ہو گیا۔ وقت سے نماز ادا ہو گئی تو دل کو قرار مل گیا اور جان میں جان آ گئی مہینوں کی طویل علالت اور ضعف شدید کے باوجود ہر طرح کی کلفت و مشقت سے بے پروا ہو کر قافلہ کا ساتھ چھوڑ دیا مگر "احب العبادات" نماز کو وقت سے موخر کرنا گوارا نہ فرمایا۔ ایک عاشق رسول اسے نعمت عظمیٰ سمجھتا ہے اور خدائے پاک کی اس نوازش پر وہ اس کا شکر بھی ادا کرتا ہے...... یقیناً جو چیز خدائے ذوالجلال کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو بہت ہی زیادہ پیاری ہو۔ وہ ایک "مومن کامل" کے لیے نعمت عظمیٰ ضرور ہو گی۔

اور قربان جائیے اتباع سنت کے اس جذبہ کامل پر کہ آپ سوا ماہ کے بعد باہر سے اپنے وطن عزیز میں پہنچے تھے لیکن بچوں سے ملنے سے پہلے کشاں کشاں خانۂ خدا میں حاضر ہو رہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچوں سے ملنے میں جماعت فوت ہو جائے۔ "یہ ہے نماز کی محافظت اور یہ ہے شوق سجدہ"

بیماری کی حالت میں نماز

نماز بڑی سے بڑی بیماری اور انتہائی کمزوری کی حالت میں بھی معاف نہیں۔ ہوش وحواس اگر باقی ہیں تو ہر حال میں اس کی ادائیگی بعض خاص صورتوں کے سوا فرض قرار دی گئی

ہے۔ البتہ اس کی ادائیگی کے طریقوں میں نرمی اور آسانی کا یہ لحاظ کیا گیا ہے کہ کھڑا ہونا مشکل ہو تو عصا کے سہارے نماز پڑھو۔ بیٹھنے کی سکت نہ ہو تو کسی چیز سے ٹیک لگا لو۔ اس کی بھی قدرت نہ ہو تو لیٹے لیٹے ہی اشارہ سے اس کا سجدۂ بندگی بجالاؤ۔

تاجدار کائنات ﷺ کا فرمان ہے: کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر اتنی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر اشارہ سے ادا کرو۔

خود سرور کائنات ﷺ کا عمل یہی رہا ہے کہ اپنی علالت وضعف و کمزوری کی حالت میں بیٹھ کر نماز ادا کی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی زندگی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد وعمل کی مکمل عملی تصویر تھی۔ قیام پر قدرت ہے تو کھڑے ہو کر ہمہ تن شوق مولیٰ سے راز و نیاز میں مشغول ہیں۔ بدن میں طاقت نہیں تو عصا کے سہارے قیام ہو رہا ہے اسی کے سہارے رکوع وسجود ادا ہو رہے ہیں لیکن کبھی راحت نفس کے لیے نماز نہیں چھوڑتے۔

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب علیہ الرحمۃ کے نام اپنے ایک مکتوب (مورخہ 4 ربیع الآخر 1334ھ) میں آپ تحریر فرماتے ہیں "ڈھائی سال سے اگرچہ درد کمر و مثانہ وسر وغیرہا کے مرض سے دوچار ہو گئے ہیں۔ قیام وقعود، رکوع وسجود بذریعہ عصا ہے۔ مگر الحمدللہ کہ دین حق پر استقامت عطا فرمائی ہے۔ کثرتِ اعداء روز افزوں ہے اور حفظ الٰہی تفضیل نامتناہی شامل حال ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔"

اعلیٰ حضرت کے قیام جبل پور کے دوران ایک روز حضرت عبدالسلام نے عرض کیا "جبل پور خوش نصیب ہے کہ یہاں حضور کی صحت بہت اچھی ہے۔ بریلی شریف میں...... کبھی کبھی نماز میں رکوع وسجود میں عصا کا سہارا لینا پڑتا تھا یہاں نہیں دیکھا۔"

اعلیٰ حضرت اپنے مرضِ وفات کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ "اس مرض کے ساتھ ہی شدت کھانسی وزکام اور بلغم میں لزوجت ایسی کہ دس دس جھٹکوں کے بعد بہ دشوار جدا ہوتا، کھانسی اس قدر شدت کی، اتنے جھٹکے ہوتے اور جگر و پہلو میں درد، ان کو جھٹکوں کی اصلاً خبر نہ ہوتی، یہ وہ مرض تھا کہ بائیس (22) دن میں بازو کا گوشت صحیح پیمائش سے سوا انچ کھل گیا۔ رانوں کا ابتدائی حصہ اتنا رہ گیا جتنے بائیس دن پہلے بازو تھے۔ شدت قبض و ہیجان وریاح کا سلسلہ اب تک (جاری) ہے...... اب مسجد تک جانے کی طاقت نہ رہی۔ پندرہ روز پہلے اسہال (دست) شروع ہوئے اس نے بالکل گرا دیا۔ نماز کی چوکی پلنگ کے برابر لگی ہے۔ الحمدللہ کہ

اب تک فرض و وتر اور صبح کی سنتیں بذریعہ عصا کھڑے ہو کر ہی پڑھتا ہوں۔ مگر جو دشواری ہوتی ہے دل جانتا ہے، نبض کی یہ حالت ہے کہ ایک ایک منٹ میں چار چار بار رُک جاتی ہے دو دو قرع کی قدر رکی رہتی ہے پھر باذنہٖ تعالیٰ چلنے لگتی ہے۔"

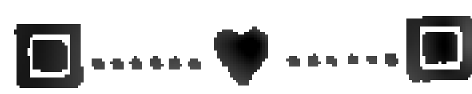
شریعت کا قانون ہے کہ جب تک مریض کسی چیز کے سہارے قیام وقعود، رکوع و سجود پر قادر ہو وہ فرض و واجب بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا اور نہ ہی اسے رکوع و سجود کے لیے اشارے کی اجازت ہے۔ اس لیے آپ نفس پر مشقت و تکلیف برداشت کر کے نماز کو تمام شرائط و آداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں مگر اپنے آقا و مولیٰ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں کوئی کمی گوارا نہیں کرتے یہ اتباع سنت کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے جس کی نظیر آج کے زمانہ میں نظر نہیں آتی۔

ایک بار امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اپنے علاقہ زمینداری میں سکونت پذیر تھے۔ درد قولنج کے سخت دورے ہوا کرتے تھے۔ ایک دن تنہا تھے۔ فرماتے ہیں ظہر کے وقت درد شروع ہوا اسی حالت میں جس طرح بنا، وضو کیا۔ اب نماز کو کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ رب عزوجل سے دعا کی۔ مولیٰ مضطر کی پکار سنتا ہے۔ میں نے سنتوں کی نیت باندھ دی درد بالکل نہ تھا۔ سلام پھیرا تو اسی شدت سے تھا۔ فوراً اٹھ کر فرضوں کی نیت باندھی درد جاتا رہا جب سلام پھیرا وہی حالت تھی بعد کی سنتیں پڑھیں درد موقوف اور سلام کے بعد پھر بدستور میں نے کہا اب عصر تک ہوتا رہ۔ پلنگ پر لیٹا کروٹیں لے رہا تھا کہ درد سے کسی پہلو قرار نہ تھا۔ خواہ یہ کہیے نماز میں درد یکسر اٹھا لیا جاتا تھا یا یہ کہیے کہ توجہ الی اللہ اور استغراق عبادت کے باعث درد کا احساس نہ ہوتا تھا۔ بہرصورت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی مقبولیت بارگاہ اور ذوقِ عرفانی کی دلیل کافی ہے۔

(امام احمد رضا اور تصوف)

سچ کہا ہے کہنے والے نے ؎

"عشق سچا ہے تو سب لطف و کرم تیرے ہیں"



ڈاکٹر شیخ احمد سامر القبانی (مفتی شعبہ افتاء وزارت اوقاف ملک شام)
(ترجمہ: صغیر احمد مصباحی، استاد جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ایک بے مثال ہستی

اے ہمارے پالنہار! تیرے لیے حمد وثنا ہے کہ تو نے ہم پر اپنی نعمتوں کا فیضان فرمایا اور ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد عطا فرمایا جو پرچم اسلام کو اپنی شان تجدید سے بلند کرتا رہا۔

انھیں مجددین کرام میں ایک نابغۂ دہر حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت بھی ہے جن کے ذریعہ اللہ رب العزت نے برصغیر ہند و پاک بلکہ دنیا بھر میں دین متین کی نصرت فرمائی۔ میرے مقالہ کو سطحی نظر سے دیکھ کر یوں کہا جا سکتا ہے کہ موقع ومحل کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بے اصل تعریف وستائش ہے مگر حقیقۃً ایسا نہیں ہے۔ کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ محبت وعقیدت کے جذبات میں سرشار ہو کر لکھا گیا ہے اور محبت میں جو بھی کہا جائے روا ہے۔ بقول شاعر ؎

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ
کما ان عین السخط تبدی المساویا

(ترجمہ: محبت کی نظر عیب نہیں دیکھ پاتی ہے جبکہ نفرت کی نظر ساری برائیاں ظاہر کر دیتی ہے) تو بسا اوقات محبت کرنے والا مبالغہ پر اُتر آتا ہے اور محبوب کے لیے بے بنیاد دعوے کرنے لگتا ہے۔ ممکن ہے کہ میرے تعلق سے بھی کسی کا یہ گمان ہو مگر ایسا ہے نہیں۔ میں علمی پلیٹ فارم سے بول رہا ہوں، میری گفتگو حقیقت پر مبنی ہے اور میرا دعویٰ قابل یقین اور لائق عمل ہے۔

زمانہ دراز سے یکتائے روزگار علمائے متاخرین کا معمول رہا ہے کہ راتوں کو جاگ کر عبادت وریاضت میں مشغول رہتے جبکہ دن میں تدریس وتالیف کا سلسلہ رہتا۔ اپنی

تصنیفات و تالیفات میں کتاب و سنت کے ساتھ ساتھ متقدمین علمائے کرام کی محقق و مسلم نصوص سے استناد و استدلال کرتے۔ ہم ان کی تحریرات و رشحات قلم پڑھتے سنتے رہے لیکن ان میں سے بیشتر اپنی تحریروں میں متقدمین کی تقلید اور نقل کرتے نظر آئے سوائے ان چند ماہرین کے جنھوں نے علم و ہنر کی راہ اس طرح طے کی کہ موجوں کے سینے چیر کر علوم و معارف کے سمندروں میں چھپے خزانوں کو نکال باہر کیا بلکہ حسب ضرورت انھوں نے علمی خزانوں میں بیش قیمت اضافے کیے۔ انھیں ماہرین میں سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ کی عظیم شخصیت بھی ہے۔

قارئین کرام! ہمیں اپنے ملک شام میں علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ اپنی عظیم الشان تحقیقات و تصنیفات خصوصا رد المحتار علی الدر المختار یعنی شامی شریف کے تناظر میں مسلک امام اعظم کے عظیم و منفرد محقق نظر آتے ہیں اور ہمیں ان پر بڑا ناز بھی ہے مگر اس کے باوجود برصغیر ہند و پاک مختلف علوم و فنون کے ہر میدان میں ماہرین علماء و فضلاء کا گہوارہ رہا ہے۔ ہم نے صدی کی آخری دہائیوں میں ہند و پاک کے کچھ علماء کے تعلق سے سنا، ان کی تحریریں پڑھیں اور ان کی تالیفات سے بھی بہرہ مند ہوئے مگر مجدد عصر حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی عظیم شخصیت اور ان کے نمایاں کارناموں کے بارے میں گزشتہ دو دہائیوں ہی سے معلوم ہوا جب سرزمین دمشق پر ''معہد الفتح الاسلامی'' کے کچھ اساتذہ کے ساتھ میری ملاقات اور چند ہونہار تلامذہ سے ہوئی۔ ہم نے دیکھا کہ انھوں نے نحو و صرف اور بلاغت میں ماہرانہ گفتگو کی، فقہ و اصول فقہ کے باب میں بھی سرگرم مکالمہ رہا اور ان میں تصوف اور بزرگوں کے کلام کے تعلق سے خوشگوار اسلوب بیان اور اعلیٰ درجہ کا ادب ملاحظہ کیا۔ ان تمام عوامل کی بنا پر طلبہ ہمیں بہت پسند آئے اور مسلسل کئی سال تک ان سے ہماری دید شنید اور ملاقات رہی۔ اسی دوران انھوں نے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی سیرت و شخصیت کے بارے میں بھی بہت کچھ بتایا، نیز یہ بھی وضاحت کی کہ ہم انھیں کے خوان علم و فضل کے خوشہ چیں اور انھیں کے فکر و نظر کے متوالے ہیں۔ ہماری طلب پر انھوں نے ایک بڑی تعداد میں تصانیف اعلیٰ حضرت دے کر ہماری عزت افزائی کی اور ساتھ ہی ساتھ ان کی سیرت و حالات زندگی اور ان کے علوم و معارف کی جامعیت سے متعلق حیرت انگیز معلومات فراہم کیں۔ ان کی پیش کردہ کتب میں حضرت امام احمد رضا کی ایک معرکۃ آراء تصنیف ''جد الممتار علی رد المحتار'' بھی تھی جو درحقیقت ''تقریرات شامی'' کا درجہ رکھتی ہے ہم ''دار الثقافۃ والتراث'' (اس شعبہ کے ذمہ ''رد المحتار''

کی حاشیہ نگاری کا کام تھا) میں پہنچے۔

"رد المحتار" کی حاشیہ نگاری کے دوران درپیش جن مشکل مقامات کے حل تک ہماری رسائی نہیں ہو پا رہی تھی ہمیں "جد الممتار" میں ان مقامات کا حل مل گیا، ہم نے فوراً نقل کر کے آخری جلدوں میں شامل کر لیا جو استاذ محترم حضرت علامہ ڈاکٹر حسام الدین فرفور مدظلہ العالی کی تحقیقات کے ساتھ خوبصورت انداز میں شائع ہو چکی ہیں۔

اسی طرح چند سال سے یہاں "ملک شام میں امام احمد رضا کے اثرات" کے عنوان سے اجلاس ہوتا ہے۔ جس کا انعقاد شام و پاک دونوں کے اشتراک عمل سے ہوتا ہے۔

یہ بتانا بھی مناسب ہوگا کہ "معھد الفتح الاسلامی دمشق" شام کا وہ عظیم دارالعلوم ہے جس کو ملک شام میں علمی بیداری پیدا کرنے والی جلیل القدر شخصیت حضرت علامہ شیخ محمد صالح فرفور علیہ الرحمۃ نے بیسویں صدی کے اوائل میں قائم فرمایا تھا، تقویٰ و طہارت، بصیرت و دور اندیشی، علم و تمدن اور اخلاص و للّٰہیت کے جن روشن خطوط پر اس کی بنیاد رکھی گئی آج بھی دارالعلوم ان پر کاربند ہے اور اب تک یہاں سے دنیا بھر کے ہزاروں طلبہ فارغ ہو چکے ہیں۔ تقریباً 40 سال پہلے جامعۃ الازہر قاہرہ مصر سے معادلہ و معاہدہ بھی ہو چکا ہے، آج ملک شام میں وزارت تعلیم کے ماتحت چلنے والے چند بڑے اداروں میں اس کا شمار ہے۔ دارالعلوم میں ہر قسم کی دینی و عصری تعلیم اور انٹرنیشنل زبانیں ہیں۔ اگرچہ اس میں پندرہ سے زائد شعبہ جات ہیں مگر فقہ و اصول فقہ اور اخلاص و تصوف اس کا طرۂ امتیاز ہے۔

حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے ہماری محبت اور وابستگی کا آغاز ان کے مکتبۂ فکر کے چند طلبہ ہی کے ذریعہ ہوا۔ ان طلبہ کو ہم نے فقہ و اصول فقہ اور تصوف میں اپنے دارالعلوم کے شایان شان پایا اس لیے خالصۃً لوجہ اللہ ہمیں ان سے محبت ہو گئی۔

میں نے کچھ سال پہلے جامعۃ الازہر مصر کا سفر کیا، ایم اے اور ڈاکٹریٹ کے مقالہ پر مباحثہ و مذاکرہ کے بعد اپنے نگران پروفیسر علامہ ڈاکٹر شیخ علی جمعہ محمد (مفتی دیار مصر) مدظلہ العالی سے امام احمد رضا کے تعلق سے ذکر کیا، مجھے بڑی حیرت ہوئی جب دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب پہلے ہی سے امام احمد رضا اور ان کی تصانیف سے متعارف ہیں، انھوں نے بریلوی طلبہ کی اہلیت و لیاقت کے بارے میں بتایا اور ساتھ ہی حضرت امام احمد رضا کی ہمہ دانی اور علمی جامعیت پر بھی بھرپور روشنی ڈالی۔ میں اس کے بعد "کلیۃ الدراسات الاسلامیۃ

والعربیة" پہنچا، یہاں کے ناظم حضرت ڈاکٹر عبدربہ کے ساتھ بیٹھا، حضرت امام احمد رضا کا ذکر ہوتے ہی انھوں نے اپنی اور جامعۃ الازہر کے دیگر پروفیسروں کی پسندیدگی کا اظہار کیا اور یہ بھی بتایا کہ یہاں (کلیۃ الدراسات الاسلامیۃ والعربیۃ) سے ایک طالب علم نے حضرت امام احمد رضا پر ایم اے کی ڈگری حاصل کی ہے۔

اسی طرح مشرق و مغرب ہر طرف امام احمد رضا کے پرچم بلند ہو چکے ہیں جو صرف آپ حضرات (رضویات پر کام کرنے والوں) کے اخلاص و وفا کی بدولت ہے، آپ لوگ واقعی اپنے امام کے نقش قدم پر چلے اور ان کے علم و فضل کو عام کیا۔ آپ حضرات علماء و فضلاء اور اولیاء اللہ سے محبت و عقیدت رکھنے اور حضرت امام احمد رضا کے علم و فضل کو ہر ملک میں عام کرنے کی وجہ سے تمام اسلامی ممالک کی طرف سے تہنیت و مبارکباد کے مستحق ہیں۔

حضرت امام احمد رضا کی تحریک اور فکر و نظر کے اثرات بہت پختہ اور بلند ہیں بلکہ "اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَفَرْعُھَا فِی السَّمَاءِ" کی قبیل سے ہیں۔ میرے خیال میں اس کے دو سبب ہیں۔ اوّل تو حضرت امام احمد رضا کا اخلاص اور ہمہ جہت علم و فضل ہے جس کی آج عصر حاضر کو سخت ضرورت ہے جبکہ دوم آپ لوگوں کی اپنے شیخ و امام سے حد درجہ تعلق و عقیدت ہے۔

یہ دین حنیف کا وطیرہ رہا ہے کہ لوگ اپنے اسلاف کی خدمات کو بطور یادگار باقی رکھتے ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ علم الاسناد اور اجازات شیوخ اس پر شاہد عدل ہیں جس کا اعتراف کسی یورپی مستشرق نے یوں کیا کہ: "ماخدم علم فی الوجود کما خدم علم محمد بن عبداللہ" (ترجمہ: دنیا کے کسی علم پر اتنا کام نہیں ہوا جتنا کام حضرت محمد ﷺ کے علم پر ہوا۔) مراد یہی علم الاسناد ہے۔ امام بیہقی نے "سنن" میں اور علامہ ابن عبدالبر نے "تمہید" میں بیان کیا ہے: "یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین و تاویل الجاھلین و انتحال المبطلین" (ترجمہ: ہر نئی نسل کے ثقہ و عادل لوگ اس علم کو سینوں سے لگائے رہیں گے اور اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، جاہلوں کی تاویل اور باطل پرستوں کے غلط انتساب کو دور رکھیں گے۔)

کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ امام احمد رضا اور ان کی تصانیف کو علمی طبقہ میں قبول عام حاصل ہونے کی وجہ کیا ہے؟

(اس سوال کے بعد تمہیداً پہلے فقہ اور فقیہ کی تعریف و تشریح کی، پھر اس کے بعد

بحث کا لب لباب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں) ان تصریحات کو ملاحظہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ فقیہ وہ نہیں جو صرف احکام اور ان کے دلائل یاد کر لے بلکہ فقیہ وہ ہے جو دلائل کی صحیح جانچ پڑتال اور احکام کے استنباط کرنے پر قادر ہو اور اجتہاد کا ملکہ رکھتا ہو، اگر مسائل کی یادداشت ہی کا نام فقہ ہے تو کمپیوٹر کو سب سے بڑا فقیہ ہونا چاہیے۔

اس کے مطابق ارباب علم و دانش کو امام احمد رضا کے علم وفکر اور تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد باور ہو گیا کہ مصنف ایسے فقیہ واصولی اور مفکر ہیں کہ مسائل میں متقدمین کی تحقیق وتدقیق کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار بھی فرماتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ وہ اس کے لیے کوئی من گھڑت طریقہ نہیں اپناتے۔ ہمارے دعوے کی سچائی کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ کا حاشیہ جدالممتار علی ردالمحتار (5 جلدیں) اور مولانا محمد اسلم رضا صاحب قادری کراچی کے ذریعہ تعریب کردہ ''الرسائل الرضویۃ'' کا مطالعہ کریں، حقیقت سامنے آ جائے گی۔

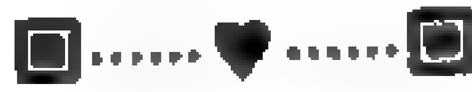
(اس کے بعد ''جدالممتار'' کی چند خوبیاں بطور تمثیل بیان فرمائیں۔ مثلاً محشی کی دقت نظر، وسعت مطالعہ، اخذ نتائج میں مہارت، عصری معاملات پر گہری نگاہ، دلائل و ماخذ کی کثرت، عمدہ نکات و افادات کا بیان اور علامہ شامی کے توقفات پر بطریق احسن اپنی رائے کا اظہار وغیرہ اور ہر ایک خوبی کو ایک دو مثالوں سے واضح بھی کیا ہے۔ مترجم)

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں: تتبع وتلاش کے بعد بھی ان تمام اسباب کا احاطہ مشکل ہے جن کی بنا پر ارباب علم وفضل امام احمد رضا سے محبت ونسبت رکھتے ہیں، بیشک وہ علم وفہم، تحقیق وتدقیق اور اخلاص وفکر میں اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں۔ اسی طرح ''الرسائل الرضویۃ'' (جو مختلف علوم پر مشتمل ہیں) کا مطالعہ کریں، آپ کو کچھ ایسی معلومات حاصل ہوں گی جن سے آنکھیں ٹھنڈی اور دل بہرہ مند ہو جائیں۔

حضرت امام احمد رضا کی تصانیف کی عوامی مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ وہ اولیاء اللہ کے دشمنوں کے خلاف شمشیر براں اور تیغ قضا تھے، یہ اولیاء اللہ کے دشمن بڑی بے باکی سے تصوف کو قدامت پسندی، اسلامی اصول سے بغاوت اور امت کے لیے پست ہمتی بتاتے رہے جبکہ حدیث قدسی میں ہے رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کا فرمان ہے: ''من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب'' جو میرے ولی سے دشمنی رکھے گا میری طرف سے اس کے لیے اعلان جنگ ہے۔

آپ علوم و معارف کے جس گوشہ کو بھی لیں گے حضرت امام احمد رضا اس میں ماہر نظر آئیں گے۔ ان کے شاگردوں نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ " 55 علوم وفنون میں ماہر تھے، جن میں علوم قرآن، علوم حدیث، فقہ و اصول فقہ، کلام و عقائد، نحو وصرف، منطق و فلسفہ، حساب و ریاضیات اور ہندسہ و تصوف وغیرہ شامل ہیں، انھیں اپنے معاصرین پر علمی فوقیت اور شان تجدید بطور خصوص حاصل رہی۔

حاصل کلام یہ کہ ہم نے نہیں پڑھا کہ ان کے بعد میدان علم وفکر اور تصنیف و تالیف میں ان کا ہم پلہ کوئی عالم ہوا ہو۔ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم لوگ ملک شام میں انتہائی شدت سے اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ کوئی احناف کے فقہ و اصول فقہ سے متعلق حضرت امام احمد رضا کی تصنیف مل جائے جو ہمارے لیے ضوفشاں چراغ بن کر بحث و تحقیق کے نشانات روشن کر دے اور اس سے برابر نفع اٹھایا جا سکے۔



ممتاز عالم مصباحی (دار تعلم قادری، اوکھلا، نئی دہلی)

امام احمد رضا ایک آفاقی شخصیت

بعض شخصیتیں اتنی ہمہ جہت اور آفاقی ہوتی ہیں کہ انھیں جس رخ سے دیکھیے مکمل نظر آئیں گی۔ ایسی ہستیاں ایک طویل عرصے کے بعد وجود میں آتی ہیں اور علم وعمل، زہد و تقویٰ کا روشن مینار بن کر ساکنان عالم کے دل و دماغ کو روشن کرتی ہوئیں قوم کے درمیان اپنا گہرا نقش چھوڑ کر ابدی نیند سو جاتی ہیں۔ پھر زمانہ ان کے نقوش ہستی کو چومتا ہے اور بکھرے ہوئے ذروں کو اکٹھا کر کے عقیدت کا کوئی حسین تاج محل سجاتا ہے انھیں شخصیتوں میں سے امام احمد رضا خاں قادری بریلوی کی ذات بھی ہے۔

فاضل بریلوی نے اپنی 65 سالہ زندگی میں 55 علوم وفنون مثلاً

علم القرآن، علم حدیث، اصول حدیث، فقہ حنفی، کتب فقہ جملہ مذاہب، علم معانی، علم تفسیر، جدول مذہبی، علم العقائد والکلام، علم صرف، علم نحو، اصول فقہ، علم بیان، علم منطق، علم مناظرہ، علم فلسفہ، تکسیر، علم حساب، علم ہندسہ، قرأت، تجوید، تصوف، سلوک، اخلاق، اسماء الرجال، سیر، تواریخ، لغت، ادب مع جملہ فنون، ارثماطیقی، جبر و مقابلہ، حسابینی، لوغارثمات، علم التوقیت، مناظر و مرایا، علم الاکو، زیجات، مثلث کروی، مثلث مسطح، ہیأۃ جدیدۃ، مربعات، جفر، زائرچہ، نظم عربی، نظم فارسی، نظم ہندی، نثر عربی، نثر فارسی، نثر ہندی، خط نسخ، خط نستعلیق، تلاوت مع تجوید، علم الفرائض میں نہ صرف یہ کہ مہارت حاصل کی بلکہ ان میں سے ہر ایک پر کوئی نہ کوئی وقیع کتاب تصنیف فرمائی جوان کے عشق رسول، علمی استحضار، وسعت مطالعہ، قوت تخیل و تخلیق حزم واحتیاط، وفور معلومات، جودت طبع، بلندی فکر، عمق نگاہی اور ژرف بینی کی اعلیٰ دلیل ہیں جنھیں دیکھ کر آج دنیائے علم و تحقیق حیرت زدہ اور انگشت بدنداں ہے۔ خصوصاً 20 جلدوں پر مشتمل ان کا عظیم مجموعہ فتاویٰ، فتاویٰ رضویہ، علوم اسلامی کا ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے۔ فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد صفحہ 321 تا 330 پر باب المیاہ میں درج فتویٰ مسمّیٰ الھنی المنیر فی الماء المستدیر 1334 ہجری مطابق 1916ء 87 سال کا طویل

عرصہ گزر جانے کے بعد آج بھی علم ریاضی کا نادر نمونہ اور اپنے فن کے لحاظ سے ناقابل چیلنج ہے یہی نہیں اس کے علاوہ کئی لاتعداد فتاویٰ ایسے ہیں جن کے جوابات امام احمد رضا نے لوگارثم و دیگر علم سائنس ہیأۃ، فلسفہ، طبیعیات، کیمیا، فلکیات، معاشیات و معدنیات کی روشنی میں نہایت مثبت و مسکت پیش کیے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی پہلی اور سب سے بڑی جدید اسلامی یونیورسٹی "الجامعۃ الازہر" قاہرہ مصر کے ممتاز عالم حدیث پروفیسر ڈاکٹر محی الدین الوائی اپنے مقالہ حضرت امام احمد رضا مطبوعہ "صوت الشرق" فروری 1970ء صفحہ 16,17 میں فرماتے ہیں۔

مولانا احمد رضا کی تصنیفات تقریباً 50 فنون میں ہیں۔ جن فنون میں آپ نے لاتعداد اور مدلل تصنیفات کی ہیں ان میں سب سے زیادہ نادر علم زیجات (وہ جدول جن سے ستاروں کی رفتار پہچانی جاتی ہے) جبر و مقابلہ و علم الارض ہے۔

امام احمد رضا کی سائنسی اور ریاضی تصنیفات کے مطالعہ کے بعد ممتاز ماہر رضویات پروفیسر ابرار حسین (علامہ اقبال یونیورسٹی، اسلام آباد) نے فرمایا۔ بے شک اعلیٰ حضرت بہت پایہ کے ریاضی داں تھے اور ان کی تصنیف "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ (1324 ہجری بمطابق 1906ء) کے نظریات وہ ہیں، جو آج کل (Topology) کے زمرے میں آتے ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر ممتاز ریاضی داں اور برصغیر کے عظیم مفکر و مدبر سر ضیاء الدین احمد، امام احمد رضا کی ذہانت و فطانت اور سائنسی خدمات کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ 'صحیح معنوں میں یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے۔'

ایک مرتبہ ڈاکٹر ضیاء الدین نے علم ریاضی کا لاینحل مسئلہ امام احمد رضا کے سامنے زبانی طور پر پیش کیا تو امام نے اس کا فی البدیہ جواب دیا اس پر حیرت میں آ کر ڈاکٹر موصوف نے فرمایا، میرے سوال کا جواب بہت مشکل اور ناقابل حل تھا اور اس سلسلے میں اپنی فراغت گاہ (جہاں سے پی ایچ ڈی کی سند لی) جرمنی جانے والا تھا لیکن آپ نے ایسا فی البدیہ جواب دیا گویا کہ اس مسئلے پر کافی عرصے سے ریسرچ کر رہے ہوں۔ اب ہندوستان میں اس کا جاننے والا کوئی نہیں۔ (سہ ماہی "العلم" کراچی شمارہ 10 اپریل تا ستمبر 1957ء)

فاضل بریلوی کی خصوصیات میں سے یہ تھی کہ وہ ہر فیصلہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں صادر فرماتے تھے یہاں تک کہ سائنسی اصولوں کو بھی قرآنی اصولوں پر پرکھتے تھے اور جو چیزیں قرآن و حدیث کے فکر سے ٹکراتیں انھیں رد فرماتے تھے اور جو چیزیں موافق ہوتی تھیں

انھیں قبول فرماتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب 14 جمادی الاول 1339 ہجری کو پروفیسر مولانا حاکم علی صاحب نے امام احمد رضا کو ایک مکتوب بھیجا تھا جس میں انھوں نے حرکت زمین کی تائید میں قرآنی آیات وتفاسیر کے ساتھ سائنسی حوالے بھی درج کیے تھے اور حضرت امام صاحب سے درخواست کی تھی کہ وہ حرکت زمین کے قائل ہو جائیں اس پر آپ نے نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، 1339ھ/ 1920ء نامی رسالہ تحریر فرمایا جس میں آپ نے قرآنی آیات وتفاسیر کے علاوہ 105 دلائل کے ذریعہ حاکم علی صاحب کے دلائل کا ذکر کرتے ہوئے سائنس دانوں کے نظریات کی تردید کی۔

مشہور میٹرولوجسٹ البرٹ ایف پورٹا نے اپنے فلکی علوم کے ظن باطن میں یہ پیش گوئی کی تھی کہ 17 دسمبر 1899ء کو ستاروں اور قوت جاذبہ کے جمع ہونے کی وجہ سے دنیا میں زلزلہ آئے گا جس کے نتیجہ میں دنیا ایک قیامت صغریٰ سے دوچار ہوگی اور اس کے بعض اطراف ہلاک ہو جائیں گے۔

پورٹا کی اس پیش گوئی سے پوری دنیا خاص طور پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ایک طوفان برپا ہو گیا تھا لیکن اس کی خبر جب امام احمد رضا تک پہنچی تو آپ نے پورٹا کی پیش گوئی کا انھیں فلکی علوم کی روشنی میں رد فرمایا جن کے ظن میں اس نے پیش گوئی کی تھی اور اس کے رد میں ایک رسالہ بنام معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین، (1338 ہجری مطابق 1919ء) تصنیف فرمایا حتیٰ کہ وہ دن آ ہی گیا جس کی جانب پورٹا نے اشارہ کیا تھا اور وہی ہوا جو امام احمد رضا نے فرمایا تھا۔ (مقدمہ فوز مبین در رد حرکت زمین)

امام احمد رضا نے نیوٹن کے نظریات کے رد میں ایک مدلل مکمل اور مسکت و مثبت کتاب، فوز مبین در رد حرکت زمین، تصنیف فرمائی۔ اس معرکہ آراء کتاب میں آپ نے نیوٹن کے مشہور و معروف نظریات "نظریۂ کشش ثقل" (Theory of Gravitational Attraction) اور نظریہ حرکت زمین (Theory of Motion) اور آئن اسٹائن کے نظریہ اضافت (Theory of Relativity) پر فاضلانہ بحث کی ہے خرق والتیام کے بارے میں قدیم فلاسفہ کے اقوال کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ "فلک پر خرق والتیام جائز ہے۔" (الکلمۃ الملہمہ مطبوعہ دہلی صفحہ 47)

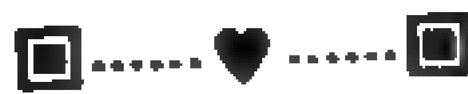
ڈاکٹر عبدالسلام نے امام احمد رضا کی کتاب "فوز مبین در رد حرکت زمین کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک مقام پر لکھا ہے کہ "مجھے خوشی ہوئی کہ مولانا نے اپنے دلائل میں (Logical Axcomatic) پہلو مدنظر رکھا ہے۔

اعلیٰ حضرت مغربی سائنسدانوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یورپ والوں کو طریقۂ استدلال نہیں آتا انھیں اثبات دعویٰ کی تمیز ہی نہیں ہے ان کے اوہام جن کو وہ بطور دلیل پیش کرتے ہیں، یہ علتیں رکھتے ہیں۔

فاضل بریلوی ایک منفرد الشال مدبر و مفکر تھے۔ ▪ پرکھنے والی آنکھیں اور دل دردمند رکھتے تھے۔ انھوں نے ہر نازک سے نازک مرحلے میں قوم مسلم کو درپیش پیچیدہ مسائل کا انتہائی بالغ نظری کے ساتھ حل فرمایا اور دین حنیف کی ترویج و اشاعت میں اپنے و بیگانے کسی کی رعایت نہ رکھی۔

امام احمد رضا کی حیات کا گوشہ گوشہ ایک جہان دیگر ہے جس کی خوبیوں کو اجاگر کرنے کے لیے الحمدللہ اس وقت دنیا کے چار براعظموں ایشیاء، امریکہ، یورپ اور افریقہ کے 9 ملکوں کی 28 یونیورسٹیوں میں آپ کی مذہبی، ادبی، فقہی اور طبی خدمات پر کام ہو رہا ہے۔ پاکستان کی نو، ہندوستان کی نو، برطانیہ کی تین، امریکہ کی دو، افریقہ، ہالینڈ، سعودی عرب اور افغانستان کی ایک ایک یونیورسٹی میں امام احمد رضا پر مختلف موضوعات کے تحت محققین تحقیق فرما رہے ہیں اور کتنے ہی افراد پی ایچ ڈی (ڈاکٹریٹ کی سند فراغت) حاصل کر چکے ہیں اور کتنے ہی لوگ ایم فل اور ایم اے کے مقالات تحریر کر چکے ہیں۔ (ماہنامہ فیضان معرفت آندھرا پردیش شمارہ 2 مئی 2000)

حیرت ناک بات یہ ہے کہ ان پر کام کرنے والے حضرات کسی مخصوص طبقۂ علم سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ایک طرف علماء اور راسخین فی العلم کی کثیر تعداد ہے تو دوسری طرف صوفیہ اور زاہدین کا ایک طبقہ ہے۔ جدید و قدیم فلسفہ کے ماہرین کی ایک ٹیم ہے تو ریاضی اور علم ہیأۃ کے محققین کی ایک جماعت ہے، ناقدین شعر و ادب کا ایک گروہ ہے تو آشنایان رموز معرفت کا ایک طبقہ ہے۔ دنیا کے تمام بڑے انسانوں کی طرح اگر ان کے مداحین کی عظیم جماعت ہے تو ناقدین کا بھی ایک طبقہ ہے لیکن امر واقعہ ہے کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی ہر قاری یہی محسوس کرتا ہے کہ ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔



ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی (پورنوی۔ بمبئی)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ بے نیازی

آب و گل کی آمیزش ہوئی تو انسان پیدا ہوا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس انسان کا آغاز ایک قطرۂ آب ہے اور انجام ایک مشت خاک۔ اس آغاز و انجام کی کہانی پل بھر بھی ہو سکتی ہے، پہروں بھی چل سکتی ہے اور پیڑھی در پیڑھی بھی ختم نہیں ہو سکتی۔ ہاں! انسان اتنا ناتواں ہے، اتنا بے کراں ہے۔ شاعر کے تخیل نے کیا خوب تصویر اتاری ہے:

سمٹے تو اک مشت خاک ہے۔ انساں
پھیلے تو کونین میں سما نہ سکے

وہ جس کی فکری توانائیوں سے ملت کی تعمیر ہوتی ہے، معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ تاریخ اسے ہر دور میں رجل عظیم، بطل جلیل، مصلح امت اور مفکر ملت بنا کر پیش کرتی رہتی ہے۔ وہ تو چلا گیا کہ اسے جانا ہی تھا۔ مگر اس کی فکر زندہ ہے۔ اصلاحی کوششیں تابندہ ہیں، دینی و علمی نگارشات درخشندہ ہیں۔

تاریخ گواہ ہے، نہ فرعون و نمرود رہا، نہ ہامان و شداد رہا، ہاں! اس کی حکایت تو ضرور موجود ہے۔ مگر کتنی عبرت ناک ہے، افسوس ناک ہے۔ کتنا بھولا ہے وہ، جس نے زندگی نذرِ آوارگی کر دی، یہ دانائی نہیں، نادانی ہے، حماقت ہے۔ یقیناً دانا ہے وہ، جس نے زندگی وقف بندگی کر دی، اس نے زندگی گنوائی نہیں، کمائی ہے۔ بگاڑی نہیں، بنائی ہے اور بے شک اسی زندگی کو تابندگی ملی ہے، درخشندگی ملی ہے۔ دور کی بات تو دور ہے، قریب آئیں، جھانک کر دیکھیں۔ امام اعظم پر لکھی گئی کتابوں کی تعداد 1140 ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی پر 360 کتابیں وجود میں آئیں۔ یہ تعداد 1094ھ تک کی ہے اب تو اور زیادہ ہوگی۔ امام احمد رضا پر 726 کتب و مقالات تحریر کیے گئے۔ یہ تو صرف اب تک کی بات ہے جبکہ یہ سلسلہ زلف یار طرحدار کی طرح دراز ہوتا چلا جا رہا ہے۔ بتایا جائے! یہ زندگی، تابندگی، درخشندگی نہیں، تو کیا ہے؟

یہ سوچنا محض بھول ہے کہ زندگی آنے جانے کا نام ہے۔ عیش و طرب کا نام ہے۔ حیات اور موت یہ دو کنارے ہیں۔ نہ زندگی سے فرار ممکن ہے، نہ موت سے مفر۔ یہ محسوس زندگی کی بات ہے، ورنہ زندگی سے پہلے کی زندگی اور موت کے بعد کی زندگی کی نوعیت جدا جدا ہے۔ زندگی میں زندگی سمائی ہوئی ہے۔ زندگی کبھی فنا نہیں ہوتی۔ انسان پر یہ بھید بتدریج آشکار ہوتا ہے۔

امام احمد رضا نے ریاست و امارت میں آنکھ کھولی۔ مگر عسرت و غربت میں زندگی گزاری۔ وہ عسرت و غربت نہیں، جو دست سوال دراز کرنے پر اکسائے۔ یہ تو صبر و استغنا اور زہد و قناعت سے عبارت ہے۔ ان کے مکتوب میں ایک جملہ ہے۔ دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے۔ کیسی بے لاگ تلقینِ صبر و شکر ہے۔ جس کا نمونہ صرف سلف صالحین ہی کی سیرت میں مل سکتا ہے۔ ایک صاحب کو حضوری و باریابی حاصل تھی۔ نواب نانپارہ کی شان میں قصیدہ لکھنے کی گزارش کی۔ ذات کے خان پٹھان تو تھے ہی۔ غیرت خاندانی اور جلالِ ایمانی طیش میں آیا، قلم اٹھایا، لکھا تو یہ لکھا:

کروں مدح اہلِ دوَل رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

نواب رام پور نینی تال جا رہے تھے۔ بریلی اسٹیشن آیا تو نواب کی اسپیشل ٹرین رک گئی۔ نواب کے مدارالمہام (وزیراعظم) اور سید مہدی حسن میاں اپنے نام سے ڈیڑھ ہزار روپے کی نذر لے کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ غالباً بعد ظہر کا وقت تھا، آپ قیلولہ فرما رہے تھے۔ خبر ہوئی۔ چوکھٹ تک آئے۔ پوچھا، کیا ہے؟ عرض کیا گیا: یہ ڈیڑھ ہزار نذر ہے اور واپسی کے وقت نواب ملاقات کے خواستگار ہیں۔ کھڑے کھڑے جواب دیا: یہ ڈیڑھ ہزار (اس وقت کا ڈیڑھ ہزار، آج کا ڈیڑھ لاکھ) کیا، کتنا بھی ہو۔ واپس لے جایئے اور نواب سے کہہ دیجیے کہ فقیر کا مکان اس قابل کہاں کہ ان کو بلا سکوں اور نہ میں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔

کھڑے کھڑے ایسا کھرا جواب بظاہر بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ مگر یہی شانِ فقیری ہے۔ یہی شان درویشی ہے جو حکمرانِ وقت کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ جس کی مثال بزرگانِ کاملین کی حیات و کردار میں ملتی ہے۔

نواب حیدر آباد کا واقعہ مولانا سیف الاسلام دہلوی کی زبانی سنئے:

''میں نے سوداگراں محلہ کے کئی بزرگوں سے سنا کہ نظام حیدر آباد نے کئی بار لکھا کہ حضور کبھی میرے یہاں تشریف لا کر ممنون فرمائیں یا مجھے ہی نیاز کا موقع عنایت فرمائیں تو آپ نے جواب دیا۔ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا عنایت فرمایا ہوا وقت صرف اسی کی اطاعت کے لیے ہے۔ میں آپ کی آؤ بھگت کا وقت کہاں سے لاؤں۔

یہ تو نوابوں، راجاؤں کی بات تھی۔ اخص الخواص دیندار دوستوں کی نذر بھی امام احمد رضا نے قبول نہیں کی یا کبھی قبول کی تو حیلے بہانے سے اس سے زائد لوٹا دی۔ سفر عظیم آباد، پٹنہ کے دوران قاضی عبدالوحید فردوسی کے خسر صاحب نے آراستہ طشت میں کچھ تحفے اور نذر پیش کیے، تو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ میزبان نے کہا: حضور ساٹھ (60) روپے ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا: ساٹھ ہزار بھی ہوں، تو فقیر اللہ کے کرم سے بے نیاز ہے۔

1337ھ میں امام احمد رضا جبل پور تشریف لے گئے۔ قریب ایک ماہ چار دن قیام فرمایا۔ میزبان مولانا شاہ عبدالسلام رضوی نے ایک ہزار روپے ہدیہ کیے، قبول تو کر لیے مگر اس سے کئی گنا زائد نقد اور طلائی زیورات میزبان اور ان کے بچوں، بچیوں کو پیش کر دیے۔ سفر بیسل پور کے دوران جو ان کو نذرانے ملے، وہ انھوں نے نعت خوانوں اور ثنا خوانوں میں تقسیم کر دیے۔

پھل اپنے درخت سے پہچانا جاتا ہے۔ امام احمد رضا کے بڑے صاحب زادے مولانا حامد رضا خان تھے۔ نظام حیدر آباد، دکن نے ان کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی۔ منصب قاضی القضاۃ، چیف جسٹس کا عہدہ پیش کیا۔ ہر طرح اصرار کیا۔ ہر طرح لالچ دیا، تو مولانا موصوف نے یہ جواب دے کر نظام حیدر آباد کو مایوس کر دیا۔ فرمایا: میں جس دروازۂ خدائے کریم کا فقیر ہوں، میرے لیے وہی کافی ہے۔

مولانا محمد ابراہیم رضا خان، مولانا حامد رضا کے بیٹے تھے اور امام احمد رضا کے پوتے۔ قرب و جوار کے دیہات میں اور دور دراز کے شہروں میں ابراہیم رضا خان دینی اجتماعات اپنے خرچ سے منعقد کرایا کرتے تھے۔ وہ مدرسہ منظر اسلام کے مہتمم بھی تھے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ انھوں نے گھر کا اثاثہ اور زیورات بیچ کر مدرسہ کے مصارف میں لگا دیے۔

یہ تو سیرت نگاروں کی زبان ہے۔ اب خود صاحب سیرت کی زبانی سنیے: مولانا شاہ

سید حمید الرحمٰن رضوی نوا کھالی، بنگلہ دیش کے مشہور عالم دین تھے اور امام احمد رضا کے تلمیذ و عقیدت کیش۔ انھوں نے یکم ذی الحجہ 1339ھ کو جواب مسائل کے لیے ایک مکتوب لکھا۔ تو یہ بھی لکھا: ایک روپیہ بطور استاذی خدمت کے روانہ کیا جاتا ہے۔

جواب میں لکھتے ہیں: جواب مسئلہ حاضر ہے۔ الحمد للہ کہ آپ کا روپیہ نہ آیا اگر آتا، اور لاکھ روپے بھی ہوتے، تو بعونہ تعالیٰ واپس کیے جاتے۔ یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ رشوت لی جاتی ہے، نہ فتویٰ پر اجرت۔

کلکتہ سے حاجی نادر علی صاحب نے استفسار کیا، اس میں ایک جملہ یہ تھا: خرچ وغیرہ کے لیے تو غلام خدمت کے لیے حاضر ہے۔

جواب ارقام فرماتے ہیں: یہاں فتوی پر کوئی خرچ نہیں لیا جاتا، نہ اس کو اپنے حق میں روا رکھا جاتا ہے۔

ریاست بہاول پور سے مولانا عبدالرحیم خانقاہی کے اس جملہ: اجرت جواب آنے پر دی جائے گی۔ کا جواب قلمبند کرتے ہیں: یہاں فتویٰ پر کوئی اجرت نہیں لی جاتی، نہ پہلے، نہ بعد، نہ اپنے لیے اسے روا رکھا جاتا ہے۔

گوجر خان، راولپنڈی سے محمد جی صاحب نے کئی بار خطوط لکھ کر جواب مسائل حاصل کیے ہیں۔ ہر بار انھوں نے اجرت و قیمت کی بات کی ہے۔ قلم کا تیور دیکھیے۔ لکھتے ہیں: قیمت کاغذ کی نسبت پہلے آپ کو لکھ دیا گیا کہ یہاں فتویٰ اللہ کے لیے دیا جاتا ہے، بیچا نہیں جاتا۔ آئندہ کبھی یہ لفظ نہ لکھیے۔ بریلی کے قریب تلہر، شاہ جہاں پور سے مولانا عبدالغفار خان نے ایک مسئلہ دریافت کیا، تو فرماتے ہیں: یہ فقیر بفضلہٖ تعالیٰ غنی ہے۔ اموال خیرات نہیں دے سکتا۔ مولانا محرم علی چشتی صدر انجمن نعمانیہ لاہور سے مخاطب ہو کر تحریر فرماتے ہیں: اپنے سے زیادہ جسے پایا، اگر دنیا کے مال و منال میں زیادہ ہے۔ (تو) قلب نے اندر سے اسے حقیر جانا۔ ریاست پٹیالہ کے شیخ شیر محمد صاحب کے جواب میں یوں رقمطراز ہیں:

یہاں بحمدہ تعالیٰ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ بفضلہٖ تعالیٰ تمام ہندوستان و دیگر ممالک مثل چین و افریقہ و امریکہ و خود عرب شریف و عراق سے استفتا آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہو جاتے ہیں۔ بحمدہ تعالیٰ حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے 1337ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے 91 برس اور خود اس فقیر غفرلہ

کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے 51 برس ہونے آئے۔ یعنی اس صفر کی 14 تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے گزرے۔ اس نو کم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے۔ بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاوے کے ہیں۔ بحمد اللہ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا، نہ لیا جائے گا۔ بعونہ تعالیٰ ولہ الحمد۔ معلوم نہیں، کون لوگ ایسے پست فطرت و دنی ہمت ہیں جنھوں نے یہ صیغہ کسب (آمدنی کا طریقہ) کا اختیار کر رکھا ہے۔ جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمانان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ بھائیو! مااسئلکم علیہ من اجران اجری الاعلی رب العلمین. میں اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے، اگر وہ چاہے۔

علمی نگارشات میں، دینی خدمات میں امام احمد رضا کا ہر پل مصروف تھا۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے:

جو صاحب چاہیں اور جتنے دن چاہیں، فقیر کے یہاں اقامت فرمائیں۔ مہینہ دو مہینہ، سال دو سال اور فقیر کا جو منٹ خالی دیکھیں یا جس وقت فقیر کو کوئی ذاتی کام کرتے دیکھیں، اسی وقت مواخذہ فرمائیں کہ تو اتنی دیر میں دوسرا کام کر سکتا تھا۔

خود تو حب دنیا سے آزاد تھے ہی، اپنی اولاد، اپنے تلامذہ، مریدین، خلفاء، احباب اور احناف علماء کو اسی کی سخت تاکید و تلقین کرتے تھے۔ ایک ضروری ہدایت نامہ کا یہ حصہ دیکھیں:

یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ کبھی خدمت دینی کو کسب معیشت کا ذریعہ بنایا گیا، نہ احناف علماء شریعت یا برادران طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی، بلکہ تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار، اشاعت وحمایت سنت میں جلب منفعت مالی کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصاً لوجہ اللہ ہو۔

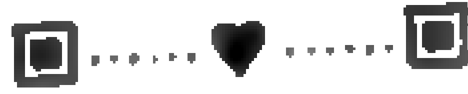
یہ تو نثر ہوئی، شاعری میں بھی سن لیجیے:

کانٹا میرے جگر سے غم روزگار کا
یوں کھینچ لیجیے کہ جگر کو خبر نہ ہو

ان جزئیات سے امام احمد رضا کا جو چہرہ سامنے آتا ہے، وہ یہ کہ ان کے نزدیک دنیا غلیظ ہے، فاحشہ ہے۔ دنیا سے محبت کا مطلب غلاظت و فواحشات سے لو لگانا ہے۔ جو دین و دانش کے قطعاً خلاف ہے۔ تم خدا کے آگے جھکو، دنیا تمھارے آگے خود بہ خود جھک جائے گی۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجًا و یرزقہ من حیث لایحتسب.

اس لیے امام احمد رضا نے فقیری میں امیری کی، امیری میں فقیری نہیں، درویشی میں رئیسی کی، رئیسی میں درویشی نہیں۔ فقیری و درویشی وہ نہیں، جو شاہوں، نوابوں اور دین بیزار، دنیا پرست مالداروں، ساہوکاروں کی دریوزہ گری کرے بلکہ عزت فقیری اور غیرت درویشی یہ ہے، جس کی دہلیز پر وہ خود بخت خفتہ لے کر سر کے بل آئے اور بیدار بخت ہو کر جائے۔ یہ ہے امام احمد رضا کی شانِ بے نیازی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی آخرت سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آن مسلمانان کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند



پروفیسر اختر الواسع (ڈائریکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت کے چند نمایاں پہلو

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی ایک نادرۂ روزگار شخصیت کے مالک تھے۔ انیسویں صدی عیسوی کے ہندوستان کا مسلم معاشرہ صرف سیاسی وسماجی زوال کا ہی شکار نہیں تھا بلکہ مذہبی سطح پر بھی مسلم معاشرے کے اندر طرح طرح کی خرابیاں اور برائیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ان حالات میں جن مذہبی مصلحین علماء اور مشائخ نے ہندوستانی مسلم معاشرے کی اصلاح وتربیت کا بیڑہ اٹھایا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا شمار انھیں علماء ومشائخ میں ہوتا ہے۔ فاضل بریلوی نے ہندوستانی مسلم سماج کے اندر ایک نئی مذہبی بیداری اور عشق رسول عربی ﷺ کی ایک نئی جوت جگانے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں کسی قسم کی بھی مداہنت برداشت کرنے کے لیے ذرا بھی تیار نہیں ہوئے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت ایک ایسا منارۂ نور وعلم ہے جس کی ضیا پاشیوں سے عوام وخواص کا ایک بہت بڑا طبقہ روشن ومنور ہوا۔ علم وفضل اور تفقہ وتدبر میں اپنے امتیازی اوصاف کے سبب وہ ایک ایسی تحریک کی بنا ڈالنے میں کامیاب ہوئے جو ان کے نام اور وطن کی نسبت سے رضوی اور بریلوی تحریک کہلاتی ہے۔ وہ اپنے زمانے کے یگانہ روزگار عالم تھے۔ مختلف علوم وفنون میں انھیں کامل مہارت حاصل تھی اور کثیر تعداد میں تصانیف کے علاوہ اپنے خلفاء اور مریدوں کی ایک بڑی تعداد یادگار چھوڑی جو ان کے بعد ان کی روایات کی امین ہوئی۔

حضرت فاضل بریلوی نے جس خانوادے میں آنکھ کھولی وہ پہلے سے ہی علم وفضل کا گہوارہ تھا۔ مروجہ دینی علوم اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی سے حاصل کرنے کے بعد روحانی فیض حاصل کرنے کے لیے سادات کے جس گھرانے کا قصد کیا وہ علوم ظاہر وباطن کا ایسا گہوارہ تھا جس کے چشمۂ صافی سے ہر عام وخاص سیراب ہوسکتا تھا۔ حضرت سلطان جی خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے مرشد کے لیے تین اوصاف کو ضروری قرار دیا ہے۔

(1) علم (2) عقل (3) عشق۔ مارہرہ شریف پہنچ کر انھوں نے خاندان ولی اللہ کے فیض یافتہ سید شاہ آل رسول سے بیعت کی جن میں یہ تینوں صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں اور ان کے فیض سے یہ تینوں چیزیں فاضل بریلوی کے اندر بھی منتقل ہوئیں۔

یہاں تک کہ ان کے پیر خانے سے انھیں "چشم و چراغ خاندان برکات" کا لقب ملا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی مختلف حیثیتیں ہیں۔ وہ ایک راسخ العقیدہ عالم، عشق رسول اکرم ﷺ کا پیکر مجسم اور اپنے زمانے کے ممتاز فقیہ تھے۔ فاضل بریلوی نے عشق مصطفیٰ کے پیغام کو عام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، عظمت مصطفیٰ کو دنیا سے تسلیم کروانے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور ناموس رسول کی حفاظت کے لیے اپنے قلم کو وقف کر دیا۔ عشق رسول سے متعلق ان کی تحریریں خاص طور پر ان کی نعتیہ شاعری اور سلام ان کی محبت رسول کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان کا مشہور سلام:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم رسالت پہ لاکھوں سلام

آج بھی مذہبی محفلوں کی رونق اور مذہبی گھرانوں میں مقبول ہے۔ ایک اور خصوصیت جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو ممتاز اور نمایاں کرتی ہے، وہ فقہ و فتاویٰ میں ان کی مہارت کاملہ ہے۔ فقہ و فتاویٰ کے میدان میں فاضل بریلوی کی مہارت اور کمال کا اعتراف سبھی کو ہے یہاں تک کہ ان کے مخالفین نے بھی اس میدان میں ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ فقہ و فتاویٰ میں ان کی تصانیف اور تحریروں کا مطالعہ اپنے قاری پر غور و فکر کے نئے دریچے اور دروازے ہی نہیں کھولتا بلکہ علوم و معارف کی ایک نئی دنیا سے بھی آشنا کراتا ہے۔ فقہ و فتاویٰ کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والے آج بھی فاضل بریلوی کے فتاویٰ سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں اور نئے حالات اور تقاضوں کا مقابلہ کیسے کیا جائے اس بارے میں بھی بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ 12 جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ایسا شاہکار ہے جو بعد والوں کے لیے ہمیشہ رہنما کا کام کرتا رہے گا۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے بارے میں ایک عام غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ ان کی وجہ سے برصغیر ہندو پاک میں بدعات کو فروغ حاصل ہوا اور دین میں ایسی نئی نئی باتیں پیدا ہوئیں جن سے شارع علیہ السلام کو دور کا بھی واسطہ نہیں رہا لیکن جب ہم

فاضل بریلوی کی تحریروں اور خاص طور پر ان کے فتاویٰ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ بدعات کو فروغ دینے کا الزام نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ سراسر ان سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ کھلے ذہن و دماغ کے ساتھ فاضل بریلوی کی تحریروں اور فتاویٰ کے مطالعہ سے فاضل بریلوی کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے وہ ایک ایسے داعی اور دینی رہنما کی ہے جس نے اپنے زمانے میں شدت کے ساتھ اور باضابطہ طور پر بدعات و منکرات کے خلاف تحریک چلا رکھی تھی اور اپنے مخصوص مزاج کے مطابق ان کے خلاف بڑے ہی سخت الفاظ استعمال کیے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

شریعت وطریقت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''عمرو کا قول کہ طریقت نام ہے وصول الی اللہ کا، محض جنون و جہالت ہے۔ دو حرف پڑھا ہوا جانتا ہے کہ طریق، طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو، تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے۔ اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادت قرآن عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک۔ جنت میں نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں، کہ شریعت کے علاوہ سب راہوں کو قرآن عظیم باطل و مردود فرما چکا ہے۔''

مزارات پر عورتوں کی حاضری کے بارے میں فرماتے ہیں:

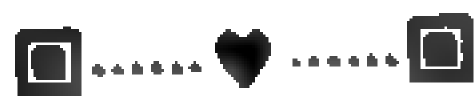
یہ مت پوچھو کہ مزارات پر عورتوں کا جانا جائز ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے، جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔

سجدۂ تعظیمی کی حرمت کے بارے میں لکھتے ہیں: مسلمان! اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت عز جلالہ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اس کے غیر کو سجدہ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مبین و کفر مبین۔ اور سجدہ تحیۃ (تعظیمی) حرام و گناہ کبیرہ بالیقین۔ اس (سجدہ تحیۃ) کے کفر ہونے میں اختلاف علماء دین۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ایک حیثیت سماجی مصلح کی بھی ہے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ مسلم معاشرہ شدید قسم کے مذہبی بگاڑ اور خلفشار سے دوچار تھا۔ نت نئے مذہبی چیلنجوں کا اسے سامنا تھا اور چہار جانب سے اس پر حملے ہو رہے تھے۔ فاضل بریلوی نے نہ صرف یہ

کہ سماج کی خرابیوں کو محسوس کیا اور اس کو لاحق خطرات کا ادراک حاصل کیا بلکہ ایک سماجی مصلح کے طور پر ان خرابیوں کو سماج سے دور کرنے کی کوشش کی اور خطرات و چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک واضح لائحہ عمل بھی مرتب کیا۔ ان کے زمانے میں شدھی اور مشنری تحریکات جس طرح مسلم معاشرے کے اندر روز افزوں نفوذ حاصل کرتی جا رہی تھیں ان سے لاحق خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کی رہنمائی و سرپرستی میں ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کا قیام ان کی اسی سماجی مصلح کی حیثیت کا غماز ہے۔

آج ہم جس دور میں جی رہے ہیں اس میں مسلم معاشرے کو نئے مسائل اور چیلنجوں کا سامنا ہے۔ موجودہ دور میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی نے نہ صرف یہ کہ مختلف معاشروں کو قریب کر دیا ہے بلکہ ایک دوسرے کو سمجھنا بھی بہت آسان بنا دیا ہے۔ ایسے حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ چھوٹے موٹے فروعی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے سے گریز کرنے کے بجائے ان اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر زیادہ وسیع تناظر میں مفاہمت اور یگانگت کے امکانات کو تلاش کیا جائے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو گزرے ایک طویل عرصہ ہو چکا۔ اب شاید وقت آ چکا ہے کہ ان کی شخصیت اور خدمات کا زیادہ کھلے ذہن و دماغ کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور انھیں جدید دنیا کے تناظر میں سمجھنے اور برتنے کی کوشش کی جائے۔ علم و دانش کا یہی رویہ ان کے عقیدت مندوں کے حق میں بھی بہتر ہے اور ان سے اختلاف رکھنے والوں کے حق میں بھی۔



محمد معراج القادری (خادم افتاء جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

فقہ فتاویٰ کے رمز شناس...... اعلیٰ حضرت

پروردگار عالم جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے۔ اسے دین کا فقہ بنا دیتا ہے۔
یعنی دین کا فقہ ہونا یہ مولیٰ عزوجل کے فضل وکرم سے ہے اور جو فقہ ہوگیا گویا رب تبارک و تعالیٰ نے اس کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ فرمالیا۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور فقہ ہونا اس کی آخری منزل ہے اور فرمایا گیا کہ درس نظامی کے پڑھنے پڑھانے والے فقہ کے دروازے میں داخل بھی نہیں ہوتے۔ چہ جائے کہ خطباء و واعظین کہ انھیں تو صرف طلاقت لسانی درکار۔ علم فقہ اپنے اندر بے پناہ گہرائی وہ گیرائی اور وسعت و جامعیت رکھتا ہے فقہ ہونے کے لیے ان تیس بنیادی امور کا جاننا ضروری ہے جسے اعلیٰ حضرت نے اپنے رسالہ ''اباتہ التواری فی مصالحتہ عبدالباری'' میں تحریر فرمایا ہے۔ علوم اسلامیہ میں سب سے مشکل فن علم فقہ ہے کہ فقہ دراصل قرآن و حدیث کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔

مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ تیرہ سال کچھ ماہ کی عمر ہی میں فتویٰ نویسی کے منصب جلیل پر فائز ہوکر اس کی مکمل ذمہ داری سنبھال لیتے ہیں اور پھر زندگی کے آخری لمحات تک یہ عظیم خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ کے فتویٰ کا عظیم ذخیرہ بارہ عظیم جلدوں میں العطایا النبویہ فی الفتویٰ الرضویہ فقہ و افتاء کی خدمات کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔

فتاویٰ رضویہ کی بارہ ضخیم جلدوں کے تعلق سے ممبئی ہائی کورٹ کے مشہور و معروف وکیل جسٹس پروفیسر ڈی ایف ملا نے کہا تھا کہ ''برصغیر کی فقہ کی دو نادر روزگار کتابیں لکھی گئیں ایک فتاویٰ عالمگیری اور دوسری فتاویٰ رضویہ۔'' پچپن علوم وفنون پر آپ کو درک کامل تھا اور ایک ہزار سے زائد تصنیفات جو آپ کے تبحر علمی پر شاہد عدل ہیں۔ کتنے علوم کے اصول و ضوابط وضع فرمائے۔ ہزاروں ہزار مسائل کے تعلق سے اپنی تحقیقات انیقہ رجیحہ پیش فرمائیں۔ کتنے مسائل میں فقہاء کرام کے تسامحات پر آپ کے تحفظات ہیں۔ میرے اس دعوے کی تائید و تصدیق کے لیے فتاویٰ رضویہ کی صرف پہلی جلد ہی کافی ووافی ہے۔ تیمم کن چیزوں سے جائز

اور کس سے ناجائز ہے۔ اس پر مفصل تحقیقی بحث فرمانے کے بعد فرماتے ہیں۔ ''یہ تین سو گیارہ چیزوں کا بیان ہے ایک سو اکیاسی (181) سے تیمم جائز جن میں چوہتر (74) منصوص اور ایک سو سات (107) زیادات فقیر اور ایک سو تیس (130) سے ناجائز جن میں پچاسی (85) منصوص اور بہتر (72) زیادات فقیر۔ پھر تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں'' ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا بلکہ زیادات درکنار اتنے منصوصات کا استخراج بھی سہل نہ ہو سکے گا۔ وللہ الحمد اولاً و آخراً و بہ التوفیق باطناً و ظاہراً۔''

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا کمال علم اور مختلف زبان و ادب پر قدرت کا عالم یہ ہے کہ اردو، فارسی، عربی منظوم و منثور جس زبان اور جس پیرایہ میں استفتاء ہوا اسی زبان اور اسی انداز میں جواب عطا فرمایا لوگ دنگ رہ گئے، ایک صاحب نے منظوم استفتاء کیا تو منظوم ہی میں جواب عطا فرمایا۔ استفتاء ہوا......

گر کسی نے ترجمہ سجدہ کی آیت کا پڑھا
تب بھی کرنا کیا؟ اس شخص پر واجب ہوا

جواب عطا فرمایا......

ترجمہ بھی اصل سا ہے وجہ سجدہ بالیقین
فرق یہ ہے فہم معنی اس میں شرط اس میں نہیں
آیت سجدہ سنی جانا کہ ہے سجدہ کی جا
اب زبان سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہو گیا
ترجمہ نہ اس زبان کا جاننا بھی چاہیے
نظم و معنی دو ہیں ان میں ایک تو باقی رہے
تاکہ من وجہ تو صادق ہو سنا قرآن کو
ورنہ ایک موج ہوا تھی چھو گئی جو کان کو
ہے یہی مذہب بہ مفتیٰ علیہ الاعتماد
شامی از فیض و نہر واللہ اعلم بالرشاد

فقاہت بھی ہے اور شعر گوئی میں درک کامل بھی ہے۔

حفظ استحضار، اصول و جزئیات اور نظائر و شواہد پر ایسی قدرت اور درک کامل تھا کہ

جب قلم اٹھتا تو بحث اپنے اختتام کو پہنچ جاتی۔ سجدہ تحیۃ کے تعلق سے فتویٰ لکھتے ہیں تو اس کی حرمت پر متعدد آیتیں پیش فرماتے ہیں۔ چالیس احادیث کریمہ تحریر فرماتے ہیں اور فقہ کے تقریباً ڈیڑھ سو جزئیات پیش فرماتے ہیں جس انداز میں سوال ہوتا اسی انداز میں جواب عطا فرماتے۔ کسی نے استفتاء کیا کہ محرم میں کھچڑا کہاں سے ثابت ہے۔ فرماتے ہیں شادیوں میں جہاں سے زردہ اور پلاؤ ثابت ہے۔

غیروں کا آپ پر یہ الزام کہ آپ بہت متشدد تھے ہر وقت کفر کی تلوار لیے کھڑے رہتے۔ یہ الزام سراسر غلط اور جھوٹ ہے۔ آپ نے جو فرمایا اور لکھا وہ دلائل وشواہد کی روشنی میں لکھا عشق مصطفیٰ ﷺ میں سرشار تھے۔ شان رسالت میں ادنیٰ سی گستاخی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا اعتراف خود مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی کیا۔ کہتے ہیں کہ "میرے دل میں احمد رضا کے لیے بے حد احترام ہے۔ وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشق رسول کی بنیاد پر کہتا ہے کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا۔"

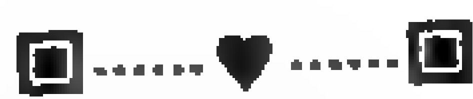
مجدد اعظم اعلیٰ حضرت کے جتنے علمی کارنامے اور ان میں جس قدر وسعتیں ہیں اس کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ایک ایسی اکیڈمی جس کے علمی اور فنی کارنامے سو سال پر محیط ہوں اعلیٰ حضرت کا تنہا علمی کارنامہ اس پوری اکیڈمی پر بھاری نظر آئے گا امام احمد رضا کا ایک قلم تھا جو پوری دنیا کو فتویٰ اور فقہ کا فیصلہ سناتا تھا۔ امام احمد رضا وقت کے امام الفقہاء تھے، زمانے کے سب سے بڑے فقیہ تھے، مکہ معظمہ کے عالم جلیل سید اسمٰعیل بن سید خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت کا جب ایک فتویٰ دیکھا تو پکار اٹھے **واللہ اقول والحق اقول انه لوراء ها ابو حنيفة النعمان لاقرت عينه وجعل مؤلفها من جملة الأصحاب**. خدا کی قسم میں کہتا ہوں کہ اگر اس فتویٰ کو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ دیکھتے تو یقیناً ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور فتویٰ لکھنے والے کو اپنے اصحاب (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے زمرے میں شامل فرماتے۔

آپ کا مذہب وعقیدہ وہی ہے جو صحابۂ کرام تابعین، تبع تابعین ائمہ مجتہدین، اسلاف کرام، بزرگان دین کا ہے۔ آپ نے کسی نئے مذہب کی داغ بیل نہیں ڈالی اور نہ ہی بریلوی کوئی مذہب یا کوئی عقیدہ ہے، مسلک اعلیٰ حضرت بھی وہی ہے جو اہلسنت وجماعت کا مذہب و مسلک ہے۔ پوری زندگی اسی مذہب کی تائید وحمایت اور نشر واشاعت میں صرف فرما دی۔ حنفی مذہب کے مقلد ہی تھے مگر چونکہ ہر دور میں حق و باطل کے درمیان ایسی علامتیں رہی ہیں جن

سے تمیز و امتیاز ہوتا رہا اور اہلسنت کی پہچان بنتا رہا اس دور میں آج مسلک اعلیٰ حضرت اور امام احمد رضا قدس سرہ اہلسنت و جماعت کی شناخت اور پہچان ہیں۔ لہٰذا مسلک اعلیٰ حضرت کہنا بلاشبہ جائز ہے۔ حرمین طیبین کے علماء کرام فرمایا کرتے تھے۔ اذ جاء رجل من الهند سئلناه عن الشيخ فان مدحه علمنا انه من اهل سنة فان ذمه علمنا انه من اهل البدع وهذا هو المعيار عندنا. جب ہندوستان سے کوئی آدمی آتا ہے تو ہم اس سے شیخ احمد رضا کے تعلق سے پوچھتے ہیں اگر اس نے تعریف و توصیف بیان کی تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہ اہلسنت سے ہے اور اگر اس نے ان کی مذمت بیان کی، پیشانیوں پر سلوٹیں پڑ گئیں تو ہم سمجھ جاتے ہیں کہ وہ بدعتی ہے اور ہمارے نزدیک اہلسنت اور اہل بدعت کا یہی معیار ہے۔

آپ کے فتویٰ اتنے معیاری اور مدلل ہوتے تھے کہ اس حکم کے تعلق سے آیات قرآنیہ بھی ہوتیں، احادیث کریمہ بھی ہوتیں، روایات بھی ہوتیں، جزئیات بھی ہوتیں اور اصول و فروع کی شہادتیں بھی ہوتیں اور کتنے علوم و فنون ہیں جس کے اصول و ضوابط میں آپ منفرد ہی نہیں بلکہ موجد نظر آتے ہیں۔

کتب فقہ میں تیمم صحیح ہونے کے لیے پانی نہ ملنے کی زیادہ سے زیادہ دس بیس صورتیں نظر آتی ہیں اور بعض فقہاء کی کتابوں میں بہت مشکل سے چالیس سے پچاس تک کی ہی صورتیں ملتی ہیں لیکن مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی علمی جولانیت، فقہی بصیرت اور جودت طبع دیکھیے کہ آپ جب پانی سے عجز کی صورتیں گنانے پر آتے ہیں تو ترتیب وار پونے دوسو صورتیں بیان فرماتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم کے تعلق سے فرمایا تھا۔ الناس كلهم عيال ابى حنيفة فى فقه کہ سارے لوگ فقہ میں امام اعظم کی اولاد ہیں اور اگر یہی جملہ قدرے ترمیم کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی شان میں کہا جائے العلماء کلھم عیال احمد رضا فی الفقہ کہ معاصر زمانہ کے سارے علماء فقہ میں مجدد اعظم کی عیال ہیں تو بلاشبہ حق بجانب اور صحیح ہوگا۔



اختر حسین فیضی مصباحی (جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ)

امام احمد رضا...... کردار وعمل کے آئینے میں

امام احمد رضا قادری بریلوی حنفی علیہ الرحمۃ ایک ممتاز عالم دین، مستند صاحب تصنیف، صاحب نسبت بزرگ قابل قدر طریقت اور بے لوث داعی حق کی حیثیت سے چودھویں صدی ہجری میں اسلامیان ہند پر چھائے رہے اور اپنی دینی اور ملی خدمات کی وجہ سے آج بھی لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اندر اتنی صلاحیتیں جمع کر دی تھیں کہ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں مختلف النوع صلاحیتوں کے مالک تسلیم کیے گئے۔ علم وحلم، زہد وتقویٰ، عزم وعزیمت اور فکر وبصیرت آپ کی نمایاں صفات ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ایک بڑی خوبی جو آپ کی ذات گرمی میں نمایاں تھی وہ آپ کا بلند کردار وحسن اخلاق تھا۔ حسن اخلاق کے تعلق سے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

''کامل ترین مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں، جو اپنے اہل وعیال پر مہربان ہو۔'' (ترمذی)

''بردباری، وقار، سنجیدگی اللہ کو پسند ہیں۔'' (مسلم)

''قیامت کے دن مومن کے ترازو میں سب سے زیادہ وزن دار چیز اچھا خلق ہوگا۔'' (ترمذی) ''قیامت کے دن وہ شخص مجھے پیارا اور میرے دربار میں مجھ سے قریب تر ہوگا جس کا اخلاق اچھا ہوگا۔'' (ترمذی) (دین مصطفےٰ از علامہ محمود احمد رضوی ص: 407)

یہ احادیث کریمہ اس بات کی دعوت دیتی ہیں کہ حسن اخلاق اور عظمت کردار انسان کو بلندیوں کی راہ دکھاتا ہے اور رسول کریم ﷺ کا قرب عطا کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ انسان محبوبیت کی منزل پالیتا ہے۔

جب ہم امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ کے اخلاق وکردار کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں رسول کریم ﷺ کے اخلاق حمیدہ اور فرمودات عالیہ کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ آپ کی زندگی کے چند گوشے پیش کر رہا ہوں جن سے آپ کے بلند کردار پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

قناعت

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص خوش نصیب ہے جو اسلام لاتا ہے اور ضرورت بھر سامان رکھتا ہے اور جو کچھ اللہ نے دیا اس پر قناعت کرتا ہے۔ (مسلم)

اب اس حدیث کی روشنی میں امام احمد رضا قدس سرہ کا یہ واقعہ پڑھیں اور غور کریں کہ آپ کے اس عمل میں حدیث رسول ﷺ کا کتنا نفیس عکس نظر آرہا ہے۔

حضرت مہدی حسن میاں سجادہ نشین سرکار کلاں مارہرہ شریف نے فرمایا کہ میں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے پاس ایک خط بھیجا جس کا جواب تاخیر سے آیا، اس میں آپ نے تاخیر کا سبب یہ بیان کیا کہ فقیر کی عادت ہے کہ اپنی ضروریات کے مطابق تھوڑے روپے رکھ لیے، باقی زنان خانے میں بھیج دیے۔ آپ کے گرامی نامہ کی وصولی سے پہلے وہ روپے خرچ ہو چکے تھے اور گاؤں سے رقم آئی نہیں تھی اور میں اپنی ضروریات کے لیے کسی سے طلب نہیں کرتا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج 1، ص: 185، رضا اکیڈمی، ممبئی)

سخاوت

کرم اور سخاوت کے تعلق سے سرکار ابد قرار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا ہو تو آپ نے جواب میں "نہیں" فرمایا۔

(ریاض الصالحین)

اس حدیث کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ کبھی بھی سائل کے سوال پر آپ کی زبان مبارک سے لفظ "نہیں" نہیں نکلا، اگر آپ کے پاس وہ چیز ہے تو عطا فرمائی ورنہ قرض لے کر سائل کی حاجت پوری فرمائی۔

آقائے کائنات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابن آدم تو خرچ کر، تجھ پر بھی خرچ کیا جائے گا۔ (ریاض الصالحین) پہلی حدیث میں بیان کیا گیا کہ رسول کریم ﷺ کی بارگاہ سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں جاتا اور دوسری حدیث میں انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم دی گئی ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی زندگی کا معیار حدیث رسول کو بنایا: سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ کاشانۂ اقدس (کاشانہ اعلیٰ حضرت) سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا، اس کے علاوہ بیوگان کی امداد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداروں کے توکل علی اللہ

مہینے مقرر تھے اور یہ اعانت فقط مقامی ہی نہ تھی بلکہ بیرونی حاجت میں بذریعہ منی آرڈر رقوم امداد روانہ فرمایا کرتے تھے۔ انھیں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضرورت مند صاحب حاضر خدمت ہوئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا: اس وقت میرے پاس صرف ساڑھے تین آنے ہیں اور وہ بھی بعض خطوط کے جوابات کے لیے رکھے تھے۔ اگر آپ فرمائیں تو حاضر کر دیے جائیں۔ حالانکہ آج ڈاک سے ایک منی آرڈر ڈھائی سو روپے کا آیا تھا اور وہ تقسیم کر دیے گئے، پہلے آپ آ جاتے تو آپ کو بھی مل جاتا، ان بے چارے نے آب دیدہ ہو کر نظر نیچی کر لی اور حضور نے وہ ساڑھے تین آنے ان کے حوالے کر دیے۔ یہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضور نے ڈھائی سو روپے کے آنے اور تقسیم ہو جانے کا ذکر کیوں فرمایا: نہ اس خیال سے کہ عوام غیر جانیں، نام و نمود کا تو اس دربار عالی میں کوئی ذکر ہی نہ تھا، حقیقۃً یہ بات تھی کہ ڈھائی سو روپے ہم خدام کے سامنے آئے تھے، اس لیے بعض لوگوں کے وسوسے رفع کرنے کو خلاف معمول یہ بیان فرمایا اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ بارہا دیکھا گیا کہ جس وقت کوئی رقم آئی بکوشش اسے اپنے پاس سے خرچ کر دیا کرتے۔ (حیات اعلیٰ حضرت۔ ج۔ 1، ص: 182-181، رضا اکیڈمی، ممبئی)

تواضع

تواضع اور انکسار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اندر حد سے زیادہ تھا، حضرت سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں مارہروی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ برکت اللہ قدس سرہ کے عرس میں میرے اصرار پر بیان فرمایا مگر اس طرح کہ حاضرین مجلس سے فرماتے ہیں، میں ابھی اپنے نفس کو وعظ نہیں کہہ پایا، دوسروں کو وعظ کے کیا لائق ہوں۔ آپ حضرات مجھ سے مسائل شرعیہ دریافت فرمائیں۔ ان کے بارے میں جو حکم شرعی میرے علم میں ہوگا ظاہر کر دوں گا، چونکہ بعد سوال اسے ظاہر کر دینا حکم شریعت ہے۔

حضرت سید صاحب موصوف نے فرمایا کہ ایک بار میرے اصرار پر مولانا امام احمد رضا قدس سرہ نے مزار صاحب البرکات پر اپنے والد ماجد قبلہ کا مؤلفہ مولود شریف و سرور القلوب فی ذکر المحبوب بھی پڑھا ہے۔ ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری کہتے ہیں کہ تواضع و انکسار کی حد ہے، اس لیے کہ کتاب دیکھ کر مجلس میں ایک معمولی مولوی بھی پڑھنا پسند نہیں کرتا بلکہ اس کو لوگ شان علم کے خلاف سمجھتے ہیں۔ آپ ایک مرتبہ اعتکاف میں تھے، ملازم بعد

مغرب پان دیر سے لایا جو بچہ تھا، حضرت نے اسے چپت مار کر فرمایا اتنی دیر میں لایا۔ پھر سحری کے وقت سحری کھا کر مسجد کے دروازے پر تشریف لائے اور اس بچے کو بلوایا جو شام کو پان دیر میں لایا تھا اور فرمایا کہ شام کو غلطی ہو گئی تھی جو میں نے تمھیں چپت مار دی، دیر سے بھیجنے والے کا قصور تھا، لہٰذا تم میرے سر پر چپت مارو اور ٹوپی اتار کر اصرار فرما رہے ہیں، وہ بچہ پریشان ہاتھ جوڑ کر عرض گزار ہوا حضور! میں نے معاف کیا۔ فرمایا تم نابالغ ہو، تمھیں معاف کرنے کا حق نہیں، تم چپت مارو، مگر وہ نہ مار سکا، بعدہ اپنا بکس منگوا کر مٹھی بھر پیسے نکالے وہ پیسے دکھا کر فرمایا، میں تم کو یہ دوں گا، تم چپت مارو، مگر وہ بے چارہ یہی کہتا رہا، حضور میں نے معاف کیا۔ آخر اعلیٰ حضرت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت سی چپتیں اپنے سر مبارک پر اس کے ہاتھ سے لگائیں اور پھر اس کو پیسے دے کر رخصت کیا۔ (حیات اعلیٰ حضرت 1) تواضع کے تعلق سے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتا ہے۔ (مسلم) رسول اکرم ﷺ ایک جگہ اور ارشاد فرماتے ہیں کہ میری طرف وحی بھیجی گئی کہ آپس میں تواضع اختیار کرو، کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کسی پر زیادتی کرے۔

(مسلم، ریاض الصالحین)

امام احمد رضا قدس سرہ کے تواضع اور عاجزی کو جب ہم حدیث رسول کریم ﷺ کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو یہ فیصلہ کرنا بالکل آسان ہو جاتا ہے کہ عاجزی اور تواضع نے آپ کو عظمت اور بلندی عطا فرمائی ہے۔

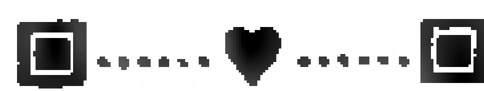
خردنوازی

آپ چھوٹوں سے بے پناہ شفقت فرماتے اور ان کے بہترین کارناموں پر انھیں خوب خوب سراہتے تھے۔ جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مسلمان ساکن محلہ قرولان حلوہ سوہن فروخت کیا کرتے تھے، ان سے حضور نے کچھ حلوہ سوہن خرید فرمایا اور یہ واقعہ پیلی کوٹھی میں قیام کے زمانہ کا ہے، میں اور برادرم قناعت علی شب کے وقت کام کر کے واپس آنے لگے تو قناعت علی سے ارشاد فرمایا: سامنے تپائی پر کپڑے میں جو بندھا ہوا رکھا ہے اٹھا لائیے، یہ دو پوٹلیاں اٹھا لائے، حضور ان کو دونوں ہاتھوں میں لے کر میری طرف بڑھے، میں پیچھے ہٹا، حضور آگے بڑھے، میں اور پیچھے ہٹا آپ اور آگے بڑھے، یہاں تک کہ میں دالان کے گوشہ میں پہنچ گیا۔ حضور نے ایک پوٹلی عطا فرمائی۔ میں نے کہا کہ حضور یہ کیا؟

ارشاد فرمایا حلوہ سوہن ہے۔ میں نے دبی زبان سے نیچی نظر کیے ہوئے عرض کیا۔ حضور! بڑی شرم معلوم ہوتی ہے، فرمایا: شرم کی کیا بات ہے، جیسے مصطفیٰ (یعنی حضور مفتی اعظم) ویسے تم، سب بچوں کو حصہ دیا گیا۔ آپ دونوں کے لیے بھی میں نے دو حصے رکھ لیے۔ یہ سنتے ہی برادرم قناعت علی نے بڑھ کر حضور کے ہاتھ سے اپنا حصہ خود لے لیا اور دست بستہ عرض کیا، حضور! میں نے جسارت اس لیے کی کہ اپنے بزرگوں کے ہاتھوں میں چیز دیکھ کر بچے اسی طرح لے لیا کرتے ہیں۔ حضور نے تبسم فرمایا، بعدہٗ ہم لوگ دست بوسی کر کے مکان چلے آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور نے ہم لوگوں کو بہت نوازا اور ہم کچھ خدمت نہ کر سکے (حیات 1-103)

ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ 1322ھ میں سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کیا۔ حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس فتویٰ کو لیے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا، تو میرے والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لیے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا۔ آج آپ نے جو فتویٰ لکھا، یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے۔ اس لیے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لیے دیتا ہوں۔ غایت مسرت کی وجہ سے میری زبان بند ہو گئی اور میں کچھ بول نہ سکا، اس لیے کہ فتویٰ پیش کرتے وقت میں خیال کر رہا تھا کہ خدا جانے جواب صحیح لکھا ہے یا غلط، مگر خدا کے فضل سے وہ صحیح اور بالکل صحیح نکلا اور پھر اس پر انعام اور وہ بھی ان الفاظ کریمہ سے کہ میرے والد ماجد نے مجھے اول فتویٰ صحیح پر انعام دیا تھا۔ اس لیے میں بھی اول فتویٰ صحیح پر انعام دیتا ہوں۔ حق یہ ہے کہ ایک خادم کی وہ عزت افزائی ہے جس کی حد نہیں اور اس کے بعد اس کو ہمیشہ برقرار رکھا۔

آپ اسلام کے سچے علم بردار اور کتاب و سنت کے ناشر و داعی تھے، اہل اسلام سے محبت اور دشمنان دین سے نفرت آپ کی سرشت میں داخل تھی۔ یہ صفت آپ کی ذات گرامی میں اس لیے نمایاں تھی کہ آپ سید کونین ﷺ کے سچے نائب اور صحیح وارث تھے۔ آپ کی زندگی کا یہ پہلو بھی مسلمانان عالم کے لیے درس عبرت ہے۔ اخیر میں دعا کرتے ہیں کہ پروردگار عالم ہمیں بھی اپنے اسلاف کے کردار و عمل پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔



عبدالسلام سیونی (ایم پی) (دارالعلوم مخدومیہ ردولی، ضلع فیض آباد)

دیار حبیب میں پذیرائی

شیخ الدلائل مولانا شاہ عبدالحق مہاجر مکی کے مخلص شاگرد حضرت مولانا کریم اللہ مہاجر مکی کا بیان ہے کہ ہم سالہا سال سے مدینہ طیبہ میں مقیم ہیں اطراف و آفاق سے علماء آتے ہیں اور جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں، کوئی بات نہیں پوچھتا۔ لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے پہنچنے سے پہلے ہی علماء تو علماء اہل بازار تک آپ کی زیارت و ملاقات کے مشتاق تھے، چنانچہ جب مدینہ منورہ میں آپ کی حاضری ہوئی اور آمد کی خبر ہر طرف پھیلی تو صبح سے عشاء تک علماء مدینہ کا ہجوم رہتا تھا۔ ملاقات و زیارت کرنے والوں کی بھیڑ بارہ بجے رات سے پہلے ہٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔

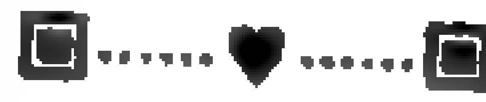
اعلیٰ حضرت دربار رسالت میں

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ادھر 25 صفر 1340ھ جمعہ مبارکہ کے دن دو بج کر 38 منٹ پر بریلی شریف میں قبلہ دنیائے دنی سے روانہ ہو رہے ہیں۔ ادھر بیت المقدس کے ایک شامی بزرگ ٹھیک 25 صفر 1340ھ کو خواب میں کیا دیکھ رہے ہیں کہ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی آنے والے کا انتظار ہے۔ شامی بزرگ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کرتے ہیں کہ فداک ابی و امی، میرے ماں باپ حضور پر قربان کس کا انتظار ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا احمد رضا کا انتظار ہے انھوں نے عرض کی احمد رضا کون ہیں حضور نے فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد انھوں نے پتا لگایا تو معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ہندوستان کے بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور اب تک بقید حیات ہیں۔ پھر تو شوق ملاقات میں ہندوستان کی طرف چل پڑے۔ جب بریلی پہنچے تو انھیں بتایا گیا کہ آپ

جس عاشق رسول کی ملاقات کوتشریف لائے ہیں۔ وہ 25 صفر 1340ھ کو اس دنیا سے روانہ ہو چکا ہے۔ اس سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی مقبولیت بارگاہِ رسالت میں معلوم ہوتی ہے، کیوں نہ ہو عاشقان رسول یوں ہی نوازے جاتے ہیں۔

مزار پُر انوار

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا مزار پرانوار شہر بریلی محلہ سوداگران میں دارالعلوم منظر الاسلام کے شمالی جانب ایک پیکر جلال و ہیئت بلند عمارت کے اندر ہے آپ کا عرس جو شریعت کا آئینہ دار ہے۔ ہر سال 25/24 صفر کو منعقد ہوتا ہے جس میں اکناف ہند و بیرونی ہند کے مشاہیر علماء خطباء و مشائخ شریک ہو کر اپنے دامنوں کو گوہر مراد سے بھرتے ہیں۔





قاضی سید علی الدین (سابق صدر مدرس ناسک)

حالات وکوائف اعلیٰ حضرت

سرزمین ہندو پاک پر تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ اسی عرصہ میں غیر مسلموں کو مکمل شہری حقوق حاصل رہے، ہر شخص کو اپنے دین پر عمل کرنے کی آزادی تھی بلکہ بعض مواقع تو ایسے بھی آئے کہ غیر مسلموں کو ترجیحی مراعات حاصل رہیں۔ انگریز تاجر بن کے آئے اور سازشوں کے بل بوتے پر حکمران بن بیٹھے۔ ان کی حکومت کو سب سے زیادہ خطرہ مسلمانوں سے تھا، ایک تو اس لیے کہ مسلمان عرصۂ دراز تک یہاں حکومت کر چکے تھے، دوسرا اس لیے کہ ان کی ایمانی حرارت انھیں کسی وقت بھی آمادۂ جہاد کر سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے مسلمانوں کی قوت کو پامال کرنے اور ان کی وحدت ملی کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے کہ مسلمانوں کی بقا اور ترقی کا راز ایمان اور اتحاد میں مضمر ہے، اسی لیے انھوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اسی بنیاد کو کمزور کرنے پر صرف کر دیں۔ دینی مدارس اور خانقاہوں کو بے اثر بنانے کے لیے اسکول اور کالج کھولے اور وہاں تعلیم پانے والے بچوں کے ذہنوں کو الحاد اور بے دینی کے زہر سے مسموم کیا۔ اتحادِ ملت کو ختم کرنے کے لیے نئے نئے پیدا ہونے والے فرقوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اس دورِ بلاخیز میں اس قسم کے مباحث پھیلے کہ ''اللہ جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟'' (معاذ اللہ) ''نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آ جائے تو آپ کے خاتم النبیین ہونے میں فرق آئے گا یا نہیں؟ بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو نبی ہونے کا دعویٰ ہی کر دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ اور دیگر محبوبانِ خدا کی شان میں توہین وتنقیص کی زبان دراز کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امت مسلمہ کئی فرقوں میں بٹ گئی اور متحدہ پاک وہند میں اتنے فرقے بن گئے کہ کسی دوسرے اسلامی ملک میں اتنے فرقے نہیں ملیں گے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان فرقہ بندیوں کی بھرپور حوصلہ شکنی کی اور وحدت ملی پر زور دیا۔ ان کی علمی اور تحقیقی مساعی کا محور ہی ''ملی اتحاد'' تھا۔

بسم اللہ خوانی کے وقت عجیب وغریب واقعہ

اعلیٰ حضرت کی پیدائش 14 جون 1856ء کو بریلی شریف (یوپی) میں ہوئی۔ آپ کی بسم اللہ خوانی کی رسم کے موقع پر ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ آپ کے استاذ محترم نے حسب دستور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد الف، ب، ت، ث وغیرہ حروف تہجی آپ کو پڑھانا شروع کیا۔ جب ''لا'' (لام الف) کی نوبت آئی تو اعلیٰ حضرت نے خاموشی اختیار کی۔ استاذ نے دوبارہ پڑھنے کے لیے کہا تو حضور نے فرمایا، یہ دونوں حروف تو میں پہلے پڑھ چکا ہوں اب دوبارہ کیوں پڑھایا جارہا ہے؟ جدامجد نے اپنی فراست ایمانی سے بھانپ لیا کہ گویا یہ ننھا بچہ کہہ رہا ہے کہ آج کے سبق میں تو ''حروف مفردہ'' کا بیان ہے پھر ان کے درمیان ایک ''مرکب لفظ'' کیسے آ گیا۔ حضرت جدامجد نے نور باطنی سے ملاحظہ کیا کہ یہ لڑکا فضل ربانی سے اقلیم علم وفن کا تاجدار ہونے والا ہے کہ اس عمر میں ادراک اور شعور کا یہ عالم ہے۔

آپ نے اپنی چار برس کی ننھی سی عمر میں جبکہ عموماً دوسرے بچے اس عمر میں اپنے وجود سے بھی بے خبر رہتے ہیں، قرآن مجید ناظرہ ختم کیا۔ چھ سال کی عمر میں ماہ مبارک ربیع الاوّل شریف کی تقریب میں منبر پر رونق افروز ہوکر ایک بڑے مجمع کی موجودگی میں ذکر میلاد شریف پڑھا۔ اردو فارسی کی کتابیں پڑھنے کے بعد حضرت مرزا غلام قادر بیگ رحمۃ اللہ علیہ سے ''میزان منشعب'' وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ تیرہ برس دس مہینے پانچ دن کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہوئے اور دستارِ فضیلت سے نوازے گئے۔ اسی دن مسئلہ رضاعت سے متعلق ایک فتویٰ لکھ کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو کہ بالکل صحیح تھا۔ والد ماجد نے ذہن نقاد و طبع وقاد دیکھ کر اسی وقت سے فتویٰ نویسی کی جلیل الشان خدمت آپ کے سپرد کردی۔

بچپن کا ایک حیرت انگیز واقعہ

بچپن میں کم وبیش چار سال کی عمر میں ایک مرتبہ آپ اپنے گھر کے برآمدہ میں لمبا جبہ پہنے تھے کہ اچانک گلی میں چند طوائفوں کا گزر ہوا۔ ننھے احمد رضا نے اپنا پیرہن اٹھایا اور اپنی آنکھوں کو ڈھانپ لیا، گویا طوائفوں سے اپنی بیزاری کا اظہار کرلیا۔ طوائفیں آپ کو دیکھ کر ہنسنے لگیں، بلکہ ایک طوائف نے ہنستے ہوئے کہا، شہزادے! آپ نے تو آنکھوں کو ڈھانپ لیا لیکن آپ کا ستر تو کھل گیا۔ اس مذاق پر ننھے احمد رضا نے جو کاری ضرب لگائی وہ اپنی مثال

آپ ہے۔ آپ نے فرمایا، بی بی! پہلے آنکھ بہکتی ہے، پھر دل بہکتا ہے، پھر ستر بہکتا ہے۔ یہ سن کر طوائفیں سکتہ کے عالم میں آ گئیں۔ ظاہر ہے اتنی کم عمری میں جبکہ آپ شریعت کے مکلف بھی نہیں تھے، آپ کی زبان سے ایک ایسا قول نکلا جو ایک تیر کی طرح طوائفوں کے دل میں پیوست ہو گیا۔

خانۂ کعبہ میں ایک عجیب وغریب واقعہ

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے 1878ء میں اپنے والدین کریمین کے ہمراہ فریضۂ حج ادا کیا۔ اس مبارک موقع پر آپ نے مکہ مکرمہ میں شیخ احمد دحلان، مفتی شافعیہ اور شیخ عبدالرحمٰن سراج، مفتی حنفیہ رحمتہ اللہ علیہما سے تفسیر، حدیث، اصول حدیث اور اصول فقہ کی سندیں حاصل کیں۔

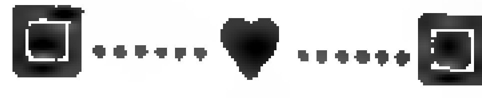
ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا کی۔ نماز کے بعد امام شافعیہ حسین بن صالح جمل اللیل بغیر کسی سابقہ تعارف کے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنے گھر لے گئے۔ دیر تک ان کی پیشانی کو تھامے رہے اور فرمایا "بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں۔" اس کے بعد صحاح ستہ کی سند اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت اپنے دست خاص سے مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے۔ سند مذکورہ میں امام بخاری علیہ الرحمۃ تک گیارہ واسطے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کا عالمی یونیورسٹیوں میں مقام

دنیا میں ہر زمانہ میں علم کو پرکھنے کی کسوٹیاں ضرور ہوا کرتی تھیں۔ پیغمبران عظام تشریف لائے اور خیر وشر کے فرق کو بتایا، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین، ائمہ دین، مفتیان عظام، علماء ومشائخ اور اولیاء اللہ تشریف لائے اور علم کو پرکھا اور صحیح غلط کو پیش کیا۔

اسی طرح آج علم کے گہوارے دارالعلوم، جامعات اور یونیورسٹیاں ہیں۔ عالمی سطح پر اگر کسی بھی سائنسی یا غیر سائنسی شخصیت کو پرکھنا ہے اور اس کے علم وفنون کو اجاگر کرنا ہے تو یونیورسٹی بہترین کسوٹی ہے جہاں پر بہترین شخصیت، جو علم کا خزانہ رکھتی ہے، اسے پرکھنے کا موقع ملتا ہے، انھیں پی ایچ ڈی عطا کیے جاتے ہیں اور اسکالروں، پروفیسروں کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ

اپنی پسندیدہ شخصیت پر ریسرچ و تحقیق کریں اور پی ایچ ڈی اور ایم فل کی ڈگری کا اعزاز حاصل کریں۔ سوال اٹھتا ہے کہ آج کی عالمی یونیورسٹیوں میں کون سی اسلامی شخصیات ہیں جن پر ریسرچ اور تحقیق کرتے ہوئے اسکالرز ڈگریاں حاصل کر رہے ہیں بلکہ فخر بھی محسوس کر رہے ہیں۔ یقیناً آپ کو اعلیٰ حضرت جیسی علمی و دینی شخصیت ہی نظر آئے گی۔ ادارۂ تحقیقات احمد رضا کے ریسرچ کے تحت اب تک کم و بیش 35 سے زیادہ اسکالرز نے پی ایچ ڈی اور ایم فل کی ڈگریاں حاصل کیں۔ عالم عرب میں دمشق یونیورسٹی، بغداد یونیورسٹی، جامعہ ازہر اور دیگر عالمی یونیورسٹیوں میں آج بھی ڈیڑھ سو سے زائد اسکالرز ایم فل اور پی ایچ ڈی کی رجسٹریشن کے لیے لائن میں کھڑے ہیں۔



امام احمد رضا پر داخل شدہ پی ایچ ڈی مقالات

نمبر شمار	نام اسکالر	عنوان	یونیورسٹی	تاریخ منظوری
1	ڈاکٹر حسن رضا خان	فقیہ اسلام	پٹنہ یونیورسٹی، انڈیا	1979
2	ڈاکٹر مسز اوشیا سانیال	Dawatul Islam and Politics in British India	کولمبیا یونیورسٹی، نیو یارک	1990
3	ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیل راٹھوری	اعلیٰ حضرت محمد امام احمد رضا خاں اور ان کی نعت گوئی	ڈاکٹر ہری سنگھ گور ویشا ودھیالیہ یونیورسٹی ساگر، ایم پی	27/3/1992
4	ڈاکٹر محمد امام الدین (جوہر شفیع آبادی)	حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعر نعت	بہار یونیورسٹی، مظفر پور، انڈیا	31/12/1992
5	ڈاکٹر محمد امام الدین (جوہر شفیع آبادی)	امام احمد رضا......حیات و کارنامے	ہندو یونیورسٹی، بنارس، انڈیا	1993
6	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	کنز الایمان اور دیگر معروف اردو تراجم کا تقابلی جائزہ	جامعہ کراچی، پاکستان	6/11/1993
7	پروفیسر ڈاکٹر حافظ الباری صدیقی	امام احمد رضا بریلوی کے حالات افکار اور اصلاحی کارنامے (سندھی)	سندھ یونیورسٹی، جامشورو، پاکستان	،1993

8	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی	روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی، انڈیا	1994
9	ڈاکٹر سراج احمد بستوی	مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری	کانپور یونیورسٹی، انڈیا	10/3/1995
10	مولانا ڈاکٹر امجد رضا قادری	امام احمد رضا کی فکری تنقیدیں	ویر کنور سنگھ یونیورسٹی، آرہ، بہار، انڈیا	8/12/1998
11	پروفیسر ڈاکٹر محمد انور خاں	مولانا احمد رضا بریلوی کی فقہی خدمات	سندھ یونیورسٹی، جامشورو، پاکستان	1998
12	ڈاکٹر رضا الرحمٰن عاکف سنبھلی	روہیل کھنڈ کے نثری ارتقا میں مولانا احمد رضا کا حصہ	روہیل کھنڈ، بریلی، انڈیا	26/8/2003
13	مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری	امام احمد رضا کا تصور عشق	میسور یونیورسٹی، انڈیا	2002
14	ڈاکٹر غلام غوث قادری	امام احمد رضا کی انشاء پردازی	رانچی یونیورسٹی، بہار، انڈیا	11/3/2003
15	مسز ڈاکٹر تنظیم الفردوس	مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا تاریخی اور ادبی جائزہ	جامعہ کراچی، پاکستان	25/4/2004
16	ڈاکٹر سید شاہد علی نورانی	الشیخ احمد رضا شاعراعربیا مع تدوین دیوانہ العربی	پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان	15/4/2004
17	مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی	امام احمد رضا اور ان کے مکتوبات	بی آر امبیڈکر، بہار یونیورسٹی، مظفر پور، بہار، انڈیا	20/12/2004
18	ڈاکٹر ریاض احمد	امام احمد رضا کی ادبی ولسانی خدمات		Sep. 2005
19	مولانا منظور احمد سعیدی	مولانا احمد رضا کی خدمت علوم حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ	جامعہ کراچی، سندھ، پاکستان	19/3/2006
20	پروفیسر مولانا اشفاق احمد جلالی	الزلال الانقی من بحر سبقت الاتقی (الشیخ احمد رضا)	پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان	2003

امام احمد رضا پر زیر تکمیل پی ایچ ڈی مقالات

نمبر شمار	نام اسکالر	عنوان	یونیورسٹی	تاریخ منظوری
1	پروفیسر سعید احمد	امام احمد رضا بریلوی کی اردو ادب میں خدمات	کلبار یونیورسٹی، کرناٹک، انڈیا	1997
2	محمد حسن امام	امام احمد رضا اور ان کے خلفا کا تحریک پاکستان میں کردار	جامعہ کراچی، سندھ، پاکستان	1998
3	محمد عارف جامی	جدالممتار علی ردالمحتار کی تخریج و تحشی	جامعہ کراچی، سندھ، پاکستان	2000
4	شفیق اجمل	بیسویں صدی میں امام احمد رضا اور علمائے اہلسنت کی ادبی و دینی خدمات	بنارس ہندو یونیورسٹی، انڈیا	نومبر 2003
5	اورنگ زیب اعظمی	عربی زبان میں مولانا احمد رضا خان کا حصہ	جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی	2004
6	مولانا اسحاق رامپوری	فارسی ادبیات میں مولانا احمد رضا خاں کا حصہ	جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، انڈیا	2004

7	اے پی عبدالحکیم	امام احمد رضا کی محدثانہ حیثیت	بی آر امبیڈکر، بہار یونیورسٹی، بریلی، انڈیا	19/11/2002
8	آنسو حامدہ بی بی	اردو نثر نگاری اور مولانا احمد رضا خاں	ایم جے پی روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی	19/11/2002
9	مولانا بدیع العالم رضوی صاحب	ترجمہ 'کنزالایمان' اور 'بیان القرآن' کا تقابلی جائزہ	اسلامک یونیورسٹی، کُشتیا، بنگلہ دیش	9/2004
10	محمد حنیف رضوی	برصغیر کی سیاسی تحریکات میں فتاوٰی رضویہ کا حصہ۔ ایک تحقیقی جائزہ	جامعہ کراچی، پاکستان	2003
11	ابا قاسم ضیائی	الشیخ احمد رضا خان۔ شاعر من الہند	جامعۃ البغداد للعلوم الاسلامیہ، عراق	جنوری 2005
12	مس شبنم خاتون	مولانا احمد رضا خان کی عربی ادب کی خدمت	بنارس ہندو یونیورسٹی، انڈیا	30/3/2005
13	مولانا دلدار احمد وقار سیالوی	مسلمانانِ ہند کی معاشرتی اصلاح میں امام احمد رضا خان کی خدمات	کراچی یونیورسٹی، پاکستان	26/8/2005
14	محمود عالم	فرہنگ رضا	بنارس ہندو یونیورسٹی، انڈیا	جنوری 2006

محمد ظفر الدین برکاتی (مدیر اعلیٰ ماہنامہ کنزالایمان، دہلی)

رضا شناسی کے چند مثبت و منفی پہلو

انسانی زندگی کے لیے والدین، گھریلو زندگی اور اردگرد کے ماحول، ایک ایسی درسگاہ کی حیثیت رکھتے ہیں جو تادیر اپنے اثرات قائم رکھتے اور زندگی کی آخری گھڑی تک اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔

چنانچہ معیار سنیت، امام اہلسنت امام احمد رضا قادری (1272ھ، 1856ء، 1340ھ 1921ء) ایک ایسے علمی، فکری اور عشق مصطفوی سے سرشار خاندان میں پیدا ہوئے، جہاں درس و تدریس، وعظ و تقریر، فقہ و افتا، نعت نویسی و نعت خوانی اور سب سے زیادہ تحریر و انشا اور تصنیف و تالیف کا لازمی رواج بلکہ خاندانی دستور تھا۔ اس لیے آٹھ سال کی انتہائی کم عمر میں ہی ''ہدایت النحو'' کی عربی شرح لکھنا، تیرہ سال کی قلیل عمر میں حمد و ہدایت کی تعریف و توصیف میں بزبان عربی کوئی رسالہ تحریر کرنا اور چودہ سال کی عمر میں ہی رضاعت کا پہلا اور مشکل مسئلہ حل کرنے کے بعد آپ کو مسند افتا و قضا پر فائز کیا جانا کوئی بہت بڑا کمال نہیں۔

بلکہ کمال تو یہ ہے کہ اپنے خاندان کے موقر اور پیش رو عظیم علمائے اسلام کی بہ نسبت آپ نے تن تنہا وہ حیرت انگیز اور تاریخ ساز علمی کارنامے اور خدمات انجام دیں، جنھوں نے آپ کے پیش رووں کی مذہبی خدمات کو نظروں سے گویا اوجھل کر دیا، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ آپ کے علوم و فنون سے فیض یاب ہونے والے آپ کی ہمہ جہت شخصیت کے اردگرد اسطرح محصور ہو گئے کہ اب آپ کے پیش رووں کی خدمات اور سرگرمیوں کو تقریباً بھول گئے۔

یہ ان کی بہت بڑی بھول، ناانصافی یا اختیاری غلطی نہیں بلکہ انسانی فطرت کی مجبوری ہے۔ اس لیے کہ آپ کی وہ ذاتی خدمات اور آپ کے وہ کسبی یا وہبی علوم و فنون جن سے عرب و عجم، روم و شام اور تمام اسلامی ممالک نے استفادہ کیا اور فیض یاب ہوئے اور جن کارناموں کی بدولت آپ ''مجدد مأة حاضرہ'' اور ''مصلح امت مسلمہ'' کے عظیم منصب پر سرفراز کیے گئے، ان میں اتنی گیرائیت، ہمہ جہتی اور ہمہ گیریت تھی جس نے پوری دنیا کے ایک بڑے حصے کو اپنی طرف

اس طریقے سے یک لخت متوجہ کرلیا کہ وہ دوسری طرف سے گویا ذہولی غفلت کے شکار ہو گئے، تاہم یہ ذہولی غفلت انتہائی عقیدت میں بدل گئی اور عقیدت وارادت کا یہ گھیرا اتنا تنگ بلکہ تنگی کی یہ مدت، اس قدر دراز ہوگئی کہ تقریباً نصف صدی صرف عقیدت کیشی اور انتہائی ارادت مندی کے نتیجے میں پیدا شدہ فروعی اختلافات کی گتھیوں کو سلجھانے میں صرف ہوگئی۔ اس درمیان میں شاید یہ احساس بھی جاتا رہا کہ عقیدت مندی کے تقاضے اور مطالبات اصلی کیا ہیں اور ہم ابھی کس حال میں ہیں؟

لیکن بیسویں صدی کے اواخر میں ان کے ماننے والے بیدار مغز، روشن فکر اور حساس افراد نے یہ احساس کرلیا کہ یہ اپنے معتقد اور قائد کی پیروی نہیں جسے ہم کر رہے ہیں، بلکہ ان کی صحیح پیروی تو یہ ہے کہ ہم مذہبی، اخلاقی اور منصبی ذمہ داری کے طور پر ان کے تیار کردہ ہتھیاروں کو اپنائیں، ان کو ان کے استعمال کی جگہوں تک پہنچائیں اور پھر ان کی خدمات اور فکری وقلمی سرمائے کو ساری دنیا میں عام سے عام تر کرنے کی عملی کوششیں تیز کردیں، تب تو ان سے عقیدت وارادت کے تقاضے اور مطالبات، کماحقہ ادا ہو سکتے ہیں، کہ آج امام احمد رضا قادری کی خدمات کو سراہنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کو اپنانے، ان کی اشاعت وترویج اور تبلیغ وتوسیع کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ان مخلص افراد کی ایک اچھی جماعت ان مقاصد کو عملی طور پر حقیقت کا لبادہ اوڑھانے کا عزم لے کر میدان عمل میں اتری اور امام احمد رضا کی آفاقی شخصیت کا عالمگیر تعارف کرانے میں نمایاں رول ادا کیا جن کے خاطر خواہ نتائج ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ تاہم اس کے باوجود ابھی بہت کچھ باقی ہے جس پہ نئی نسل کو منصوبہ بند حکمت عملی کے ساتھ اہل علم طبقہ کے سامنے لانے کی ضرورت ہے۔

الحمدللہ! امام احمد رضا قادری کی تصنیفات وتحقیقات اور مختلف چھوٹے بڑے کتب و رسائل کو موضوع، فن اور زبان کی تفصیل کے ساتھ راقم الحروف کو مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے، اس سے ہماری معلومات میں یہ اضافہ ہوا کہ تحقیق سے معلومہ ان کی آٹھ سو یا ایک ہزار سے زائد کتابوں میں اب تک مارکیٹ میں آدھی کتابیں بھی دستیاب نہ ہو پائی ہیں جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اپنوں میں تھوڑے سے بھی اختلاف کے نتیجے میں آئے دن ڈھیروں کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

ہاں! اس مطالعہ سے یہ اندازہ ضرور ہوا کہ امام احمد رضا قادری کس قدر متحرک و

فعال، وسیع المطالعہ، کتنے عظیم اور متبحر عالم و مفتی اور محقق تھے کہ انھوں نے اپنی مختصر سی زندگی میں ملک کے مختلف علاقوں میں ہنگامی جلسوں، علمی مجالس، خصوصی نشستوں اور دیگر مصروفیات میں بھر پور حصہ لینے کے باوجود اتنی زیادہ کتابیں تصنیف فرمائیں کہ اگر کتابوں کے ان صفحات کو آپ کی زندگی کے شب و روز پہ تقسیم کیا جائے تو زندگی کی ابتدائی گھڑی تک بھی مصروفیات کی ایسی متحرک تاریخ نظر آئے گی کہ آنکھیں خیرہ ہو جائیں اور ہر حقیقت پسند انسان حیرت زدہ رہ جائے اور آپ کی ذات و شخصیت کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت خدمات کا صدق دل سے معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

سردست ہم ان کی تصنیفی و تالیفی خدمات کو سامنے رکھتے ہوئے اس چیز کا جائزہ لیتے ہیں کہ آخر انھوں نے تحریر و قلم اور تصنیف و تالیف کو ہی دوسری مصروفیتوں پہ حد درجہ عملاً ترجیح کیوں دی۔ تو وجہ ظاہر ہے کہ تدریس و تقریر کا اثر محدود، خام اور بہت جلد ختم ہو جاتا ہے، جبکہ تصنیف و تحریر کا اثر غیر محدود، پختہ اور دائمی ہوتا ہے، رہتی دنیا تک اس کے اثرات باقی رہتے ہیں۔ اس لیے مدرس و مقرر ہزار کامیابیوں اور مختلف علوم و فنون کی روشنی سے جہالت و ناخواندگی کی تاریکیوں کو دور کرنے کے باوجود تادیر اپنے اثرات نہیں چھوڑ پاتے اور ان کے نام سے بھی جلدی کوئی واقف نہیں ہو پاتا کہ وہ کون تھے، کہاں کے تھے اور کن کن علوم و فنون کے ماہر و جامع تھے۔ ہاں اگر یاد رکھے جاتے ہیں اور ان میں کسی کے نام، پتے، خصوصیات و کمالات یا خدمات کا پتا چلتا ہے تو صرف ان کے معاصرین، ان کے اہل قلم شاگردوں یا قابل و حساس اولاد ہی کی بدولت ممکن ہوتا ہے۔

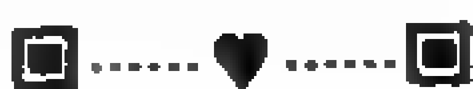
اس تناظر میں دیکھیے تو امام احمد رضا قادری جتنے بڑے عبقری و عظیم عالم دین، دین و شریعت کے بے مثال واقف کار، ناموس رسالت کے سچے امین و راز دان اور جتنے بڑے اسلامی مفکر تھے اور جس قدر آپ نے اصلاحی و تجدیدی کارنامے اور عالمانہ و قائدانہ خدمات انجام دیں، اگر خود ان کی ذاتی تصنیفات و تالیفات اور رسائل و فتاویٰ نہ ہوتے تو شاید دنیا آج انھیں بھلا رہی ہوتی کیونکہ آپ کی ہمہ جہت اور ہمہ گیر شخصیت کو کماحقہ متعارف و مشہور کرانا، آپ کے خلفا، تلامذہ اور دیگر معتقدین کے لیے بہت دیر تک ممکن نہ ہوتا کہ یادآوری یا یادگاری کے لیے صرف وصف استادگی وغیرہ کافی نہیں۔ بلکہ اس کے لیے ٹھوس بنیاد کا ہونا اشد ضروری ہے اور یہ چیز بدرجہ اتم امام احمد رضا قادری میں موجود تھی۔

لیکن یہ ایک ایسی زمینی حقیقت ہے جس سے شاید کسی کو اختلاف نہیں ہونا چاہیے کہ امام احمد رضا قادری نے اپنی ذات وشخصیت کو اپنی تصنیفی وتالیفی، اصلاحی اور تجدیدی ہمہ گیر کارناموں کی صورت میں خود جس طرح پیش کیا ہے اس کو اب تک ہم پوری طرح پھیلانے، واضح کرنے اور حقیقت کی وسیع وعریض زمین پر اتارنے میں کامیاب نہیں ہو پائے ہیں۔ آپ کی تمام تر ذاتی صلاحیتوں، عالمانہ خدمات اور تجدیدی کارناموں سے اب تک دنیا کو واقف نہیں کرا سکے ہیں جو ہمارے لیے "لمحہ فکریہ" سے کم نہیں۔ ہم اسے اپنے لیے لمحہ فکریہ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ وہ تمام بدنام زمانہ انگریز کے وظیفہ خوار اور وطن و مذہب دشمن افراد جن کے غلط عقائد و معمولات، مکر وفریب اور ان کی مکارانہ وعیارانہ سرگرمیوں سے قوم کو آگاہ کرنے کے لیے امام احمد رضا قادری نے تقریباً 225 کتابیں لکھیں، تاکہ سارے مسلمان ان نام نہاد گندم نما جو فروش مسلمانوں سے اچھی طرح واقف ہو جائیں، ان سے دور رہیں، یا دنیوی معاملات میں قریب رہتے ہوئے بھی ان کے رنگ میں رنگ جانے سے بھی محفوظ رہیں۔ انھوں نے اسلامیات و مذہبیات کے نام پر انجام دی گئیں ان کی خدمات میں بنیادی طور سے ہوس پرستی، مفاد پرستی یا اس کی ترویج واشاعت میں ان کا ہاتھ مثبت ہے یا منفی، ان حقائق کا بھی انکشاف کیا لیکن افسوس کہ آج ان بدمذہبوں کے ماننے والوں، حاشیہ نشینوں اور ان کے پیروؤں نے ان کی تمام منفی اور بنیادی طور سے اسلام و وطن مخالف کارستانیوں کو اس طرح مثبت بنا کر پیش کیا ہے کہ امام احمد رضا قادری یا دیگر علمائے اہلسنت کا تعارف نہ کرانے کی وجہ سے وہی ہندوستانی مسلمانوں کے امیر، قائد اور ہر طرح کے پیشوا مانے جاتے ہیں۔ حکومت، دیگر سرکاری شعبے اور دوسرے سرکاری وغیر سرکاری محکمے، صحافتی وغیر صحافتی ادارے اور سیاسی جماعتیں انھیں کو ہی مسلمانوں کا لیڈر اور ترجمان تصور کرتی ہیں اور عملی طور سے اس کا مظاہرہ ہم اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھتے بھی رہتے ہیں۔

سلسلۂ کلام سے متعلق یہ حقیقت بھی ہے کہ وہ قوم تاریخ کائنات کا اٹوٹ حصہ ہوتی ہے جو اپنے اسلاف و اکابر کی خدمات و کارنامے سے واقف رہتی ہے اور آئندہ نسلوں کے لیے ان کو بحفاظت سنبھال کر رکھتی ہے۔ انسانی تہذیب اور بشری تمدن نے اپنے تدریجی مراحل سے گزرتے ہوئے موجودہ ارتقائی دور کا جو نشانہ طے کیا ہے، اس کی کامیابی کا راز یہی طرز روش اور اسی اصول کی پاسداری کا نتیجہ ہے۔ نیز انسانی زندگی کی تاریخ میں ایک بڑا مسئلہ

آپس میں تہذیبی، معاشرتی اور مسلکی شناخت کا بھی ہے۔ اس کی وجہ سے قوموں کے درمیان ایک دوسرے کے عقائد، مسالک اور قومیتوں کے حوالے سے بے اطمینانی، بدامنی اور غیر اصولی اقدامات وتحریکات کے جو سلسلے شروع ہوئے، انھوں نے اکثر ایشیائی ممالک میں تہذیبی افراتفری اور دینی ومسلکی تخریب وتحریف کاریوں کا ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا، اب ظاہر ہے کہ ان ہنگامہ خیز حالات سے نپٹنے کے جو طریقے اور اقدامات ہوں گے، ان میں انہی کی مناسبت سے سختی بھی رہی ہوگی، اور ہوا بھی یہی کہ ان ہنگامہ خیزیوں سے نپٹنے کے لیے جو اقدامات کیے گئے، ان کو ایشیائی مولویوں کی آپسی چپقلش کا شاخسانہ قرار دیا گیا اور نہ جانے کتنے ذہنوں کو خراب کیا گیا۔ بہرکیف! برصغیر ہندو پاک اور عرب کے قابل ذکر علاقوں میں چند سر پھرے قسم کے شہرت پسند نام نہاد علماء نے جب مسلمانوں کے مستحکم عقائد، پختہ وپاکیزہ خیالات، مسلم عقائد اور مروج صحیح روایات کے خلاف زبان کھولی اور قلم اٹھایا۔ اس وقت اس محاذ کے خلاف بڑی جرأت وجسارت کے ساتھ تن تنہا جس عظیم ایشیائی عالم دین نے قلم اٹھایا، اس کا معروف نام امام احمد رضا قادری اعلیٰ حضرت محدث بریلوی ہے۔ اس کے علاوہ مزید کتنی اہم اور کس ذمہ دارانہ طریقے سے انھوں نے دینی وملی، علمی وتحقیقی اور سیاسی وسماجی خدمات انجام دیں، ان کی فہرست انتہائی طویل ہے اور تفصیل طلب۔ تاہم امام احمد رضا قادری نے ہر محاذ خدمت پر دینی علم وفکر اور عصری شعور وتدبر کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اوپر لگائے گئے بے بنیاد الزامات کے باوجود ان کی حقیقت پسندانہ خدمات، شعور مندانہ شرعی فیصلے اور مدبرانہ فتاویٰ وکتب ورسائل آپ کے مخالفین کے دل ودماغ کو آج بھی متاثر کر رہے ہیں کیونکہ انھوں نے عقیدہ ایمان یا اعتقادیات وایمانیات کی حفاظت رضائے خدا ورسول کی خاطر دینی حمیت اور احساس ذمہ داری کے ساتھ کی۔

اس لیے اب ہمیں امام احمد رضا قادری اور دیگر علمائے اہلسنت کی ذاتیات، شخصیات، خدمات، کارناموں اور افکار ونظریات کو موجودہ وسائل وذرائع کے ہر اسٹیج سے ان کا تعارف پوری دنیا میں عام کرنے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً امام احمد رضا کی شخصیت اور خدمات کو ان کی تصنیفات کی روشنی میں متعارف کرانے میں تیزی نہیں لائی گئی تو سچ کو جھوٹ پر، حقیقت کو فسانہ پر اور صحیح کو غلط پر فائق ثابت کرنے میں بڑی مشکلات درپیش ہوں گی۔



ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد نقشبندی مجددی (خطیب شاہی مسجد فتح پوری دہلی)

مولانا احمد رضا قادری! عبقری الشرق

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بے شمار خداداد صلاحیتوں سے آراستہ تھے۔ ان کی حیات و خدمات، فضائل و کمالات، اوصاف حمیدہ اور علوم وفنون پر مہارت کے بارے میں کچھ لکھنے کے لیے جب بھی دانشور سوچیں گے تو بتمامہٖ ان کے اوصاف کے ذکر کرنے سے خود کو عاجز پائیں گے۔ اُن کی مثال قرونِ اُخریٰ میں تو مل ہی نہیں سکتی قرونِ اُولیٰ میں بھی بیک وقت اتنے علوم وفنون کے جاننے والے کم ہی نظر آتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر قرنِ اوّل کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ امام اعظم اور امام بخاری جیسے اکابر امت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اُن کے درجات بلند فرمائے۔

مولانا احمد رضا خاں 10 شوال المکرم 1272ھ/14 جون 1856ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد مولوی نقی علی خاں (م 1297ھ/1880ء) اور جد امجد مولوی رضا علی خاں (م 1282ھ/1866ء) اپنے عہد کے ممتاز اور جید علماء میں شمار کیے جاتے تھے۔

ان کے اساتذہ کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:

1-	مولوی نقی علی خاں	(اُن کے والد ماجد)
2-	شاہ آل رسول مارہروی	(م 1297ھ/1879ء)
3-	شیخ احمد بن زین دحلان مکی	(م 1299ھ/1881ء)
4-	شیخ عبدالرحمٰن سراج مکی	(م 1301ھ/1883ء)
5-	شیخ حسین بن صالح	(م 1302ھ/1884ء)
6-	مولانا عبدالعلی رام پور	(1303ھ/1885ء)
7-	شاہ ابوالحسین احمد النوری	(م 1324ھ/1906ء)
8-	مرزا غلام قادر بیگ	(م 1336ھ/1917ء)

ماہر رضویات حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی تحقیق کے مطابق مولانا

احمد رضا خاں کو علوم منقولہ اور علوم معقولہ میں سے جن علوم وفنون پر کمال حاصل تھا ان کی تعداد پچپن (55) تک پہنچتی ہے اور ان پچپن علوم وفنون میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تصانیف بھی موجود ہیں، جیسا کہ اوپر تفصیل پیش کی گئی کہ ان کے اساتذہ کی تعداد صرف آٹھ ہے اور کافی علوم وفنون میں انھیں مہارت فطری طور پر حاصل تھی۔

مولانا احمد رضا خاں نے حافظ کتب الحرم شیخ اسماعیل خلیل مکی کو ایک سند عنایت کی تھی جس کا تاریخی نام الاجازۃ الرضویۃ لمبجل مکۃ البھیۃ (8 صفر 1324ھ/1906ء) ہے۔ اس میں خود مولانا نے ان علوم وفنون کی تفصیلات کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کی بہت سی تصنیفات ورسائل کے مخطوطات ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (انٹرنیشنل) کراچی کے پاس ہیں اور ان میں سے کچھ ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد صاحب کے پاس ہیں جن کو طبع ہونا چاہیے۔

علوم قرآنیہ

قرآنی علوم وفنون، ترجمہ اور تفسیر کو سمجھنا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ یوں تو قرآن کریم کے ترجمہ کرنے والوں کی بڑی تعداد ہے لیکن کلام الٰہی کا ترجمہ صرف عربی زبان سے واقفیت رکھنے سے یا ڈکشنری پاس رکھنے سے نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مترجم قرآن کے دل میں عظمت مصطفیٰ ﷺ راسخ ہو، سیرت طیبہ، آثار صحابہ، مفسرین و فقہائے کرام کی توضیحات پر مکمل نظر ہو، احادیث طیبہ پر مکمل دسترس ہو وہی قرآن کریم کا صحیح ترجمہ کرسکتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کا اردو ترجمہ قرآن کریم ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' کے نام سے 1330 / 1911ء میں منظر عام پر آیا۔ اس کے مطالعہ سے ان کی جلالت شان ظاہر ہوتی ہے اور ایمان سلامت رہتا ہے۔ اس ترجمہ پر اُن کے خلیفہ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (م 1367ھ/1948ء) نے خزائن العرفان فی تفسیر القرآن کے عنوان سے تفسیری حواشی لکھے جو مطالعہ سے تعلق رکھتے ہیں اسی کی روشنی میں کچھ امتیازی اوصاف کے ساتھ دیگر تفاسیر بھی سامنے آئیں جو تفسیر کا بہترین ذخیرہ ہیں مثلاً تفسیر مظہر القرآن، تفسیر حسنات، تفسیر نعیمی، تفسیر ضیاء القرآن، تفسیر ازہری اور تفسیر تنویر القرآن وغیرہ۔

علم حدیث

علم حدیث میں بھی مولانا احمد رضا خاں کو مکمل مہارت حاصل تھی۔ اُن کا حافظہ بہت قوی تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ اور اہل بیت سے محبت کی برکت تھی کہ ایک مرتبہ جس چیز

کو پڑھ لیا کرتے تھے ان کے ذہن میں وہ زندگی بھر محفوظ رہتی تھی، اسماء الرجال اور اصول حدیث پر ان کو ملکہ حاصل تھا۔

چنانچہ شیخ یٰسین احمد خیاری المدنی نے علم حدیث میں ان کی مہارت کو سراہتے ہوئے لکھا ہے وهو امام المحدثین (وہ محدثین کے امام ہیں) (بحواله الفیوضات الملکیة لمحب الدولة المکیة) علمائے عرب نے ان کی تصنیفات پر جو تبصرے فرماتے ہوئے اپنے عقیدت مندانہ معترفانہ جذبات کو جس فراخ دلی سے پیش کیا ہے اُسے جاننے کے لیے پروفیسر مسعود احمد صاحب کی تصنیف ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' اہم معلومات فراہم کرتی ہے۔ دورِ حاضر میں علمائے ازہر یونیورسٹی (قاہرہ) نے بھی مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے اور وہاں سے کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن سے مولانا کی عظمتیں اُجاگر ہوتی ہیں۔

علم فقہ

فقہ حنفی میں بھی اُن کا مرتبہ ممتاز ہے جس کا اعتراف ہر مکتب فکر کے معاصر علمائے کرام کو ہے۔ان کے فتاویٰ کا مجموعہ ''العطایا النبویة فی الفتاوىٰ الرضویة'' تقریباً تیس جلدوں میں پوربندر گجرات سے شائع ہوا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی اتنا جامع مجموعۂ فتاویٰ دوسرا کوئی نہیں ہے۔ حافظ کتب الحرم سید اسمٰعیل خلیل مکی نے جب مولانا احمد رضا خاں کے فتاویٰ کا مطالعہ کیا تو وہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ:

واللہ اقول والحق أقول. لورأها ابو حنیفة النعمان لأقرّت عینیه وجعل مؤلفها من جملة الأصحاب. (الاجازات المتینه لعلماء بکة والمدینة 1325ھ/1907ء مکتوب 16 ذی الحجہ)

ترجمہ: میں قسم کھا کر سچ سچ کہتا ہوں کہ ان فتوؤں کو اگر ابوحنیفہ نعمان دیکھ لیتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور وہ اس کے مؤلف کو اپنے شاگردوں میں شامل کر لیتے۔

1970ء میں احقر نے حضرت مفتی سید عبدالدائم الجلالی کی رہنمائی میں فتویٰ نویسی کی ترتیب شروع کی تو انھوں نے بھی فرمایا تھا کہ آپ فقہ حنفی کی دیگر کتب کے ساتھ فتاویٰ رضویہ کا بھی مطالعہ کریں۔

انھیں ایام میں حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی امام عیدگاہ دہلی وسجادہ نشین درگاہ

حضرت شاہ ابوالخیر (درگاہ مرزا مظہر جانجاناں) کی خدمت میں بھی جانا ہوتا تھا۔ احقر کے جد امجد حضرت شیخ الاسلام شاہ مفتی محمد مظہر اللہ سے انھیں بہت قرب تھا اسی نسبت سے وہ مجھ سے محبت فرماتے تھے۔ دوران گفتگو فرمانے لگے:

''میاں! اگر فتوی نویسی میں کمال حاصل کرنا ہے تو مولانا احمد رضا خاں کے فتاویٰ کا مطالعہ کیا کرو مجھے جب بھی فقہ کا کوئی مسئلہ دیکھنا ہوتا ہے تو میں بھی اسی کا مطالعہ کرتا ہوں۔''

مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد میاں صاحب نے بھی مجھے بتایا تھا کہ فارغ اوقات میں کبھی کبھی وہ بھی اسی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے تمھیں فقہ حنفی کی بہت سی کتابوں کے نام اور تفصیلات معلوم ہو جائیں گی۔ اپنے مطلوبہ مسائل کو دیکھنے کا تمھیں سلیقہ آ جائے گا اور پھر خود بھی فتاویٰ لکھ سکو گے کفایت المفتی کتاب سے تشنگی رہ جاتی ہے اس میں کتب کے حوالے نہیں ہیں۔ عوام کے لیے تو وہ مفید ہو سکتی ہے لیکن علماء کی نظر میں اس کی اہمیت نہیں ہے۔''

مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی نے مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں لکھا ہے ''فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر ان کو جو عبور حاصل ہے اس کی نظیر شاید کہیں ملے اور اس دعویٰ پر ان کا مجموعہ فتاویٰ شاہد ہے۔ نیز ان کی تصنیف **کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم** جو انھوں نے 1323ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی تھی۔ (نزھۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر ج 8، ص 41، مطبوعہ حیدر آباد دکن 1309 / 1970ء)

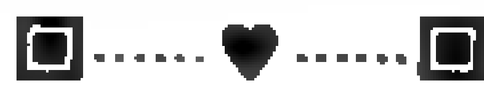
فقہی متون پر مولانا کو جو قدرت حاصل تھی اس کے بارے میں مولانا ندوی نے لکھا۔ ''حرمین شریفین کے قیام کے زمانہ میں بعض رسائل بھی لکھے اور علماء حرمین نے بعض سوالات کیے تو ان کے جواب بھی تحریر کیے۔ متون فقہیہ اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات، سرعت تحریر اور ذہانت کو دیکھ کر سب کے سب حیران و ششدر رہ گئے۔ (ص 12، مولانا احمد رضا خاں۔ عبقری الشرق از پروفیسر مسعود احمد)

1395ھ 1957ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنا پچاس سالہ جشن تعلیمی منایا اس سلسلہ میں عباسیہ کمال (کتب خانہ ندوہ) میں تعلیمی نمائش کا اہتمام کیا گیا جہاں بڑے بڑے طغروں میں ہندوستان کی ممتاز علمی شخصیتوں کے نام اور ان کی بعض تصانیف فن واز درج تھیں۔ عقائد و کلام کے طغرے میں مولانا بریلوی کی کتاب خالص الاعتقاد اور فقہ کے طغرے میں النیرۃ الوضیۃ کے بھی نام تھے۔ (ایضاً ص 15)

مولانا بریلوی کے دارالافتاء بریلی میں ہندوستان کے علاوہ پاکستان، برما، چین، امریکہ، افغانستان، افریقہ، حجاز مقدس اور دیگر بلاد اسلامیہ سے بکثرت استفتا آتے تھے جن کی تعداد ایک وقت میں کبھی چار سو کبھی پانچ سو تک پہنچ جاتی تھی۔ ان کے صاحبزادے مولانا رضا علی خان نے خود اس کا ذکر کیا ہے۔ (ایضاً ص 13) بریلی کے دارالافتاء میں بیک وقت کئی جید ماہر مفتیان کرام کام کرتے تھے۔ چنانچہ 1910ء/ 1328ھ میں یہاں اس خدمت پر مفتی اعظم مصطفیٰ رضا علی خاں، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا امجد علی اعظمی اور مولانا برہان الحق جبل پوری مامور تھے۔ (حضور مفتی اعظم ص 13 از پروفیسر مسعود احمد) قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ فتویٰ نویسی اور دینی خدمات سب کام بغیر کسی ادنیٰ معاوضہ کے، للہیت وخلوص کے ساتھ انجام دیے جاتے تھے۔ مولانا احمد رضا علی قادری ایک جگہ پر لکھتے ہیں:

بھائیو! ما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی رب العلمین (ترجمہ) میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو سارے جہان کے پروردگار پر ہے اگر ۔۔ چاہے۔ (مولانا احمد رضا ص 13) انھوں نے اپنے صاحبزادوں اور وابستگان سلسلہ کو یہ نصیحت کی تھی ''تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار، اشاعت دین و حمایت سنت میں جلب منفعت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصۃً لوجہ اللہ ہو۔ (الرضا۔ شمارہ ربیع الآخر و جمادی الاوّل 1338ھ ص 9)

مولانا احمد رضا خاں کی حیات و خدمات پر عالمی یونیورسٹیوں میں اسکالرز ریسرچ کر کے ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کر رہے ہیں۔ حال ہی مولانا غلام جابر شمس مصباحی صاحب نے مظفر پور بہار یونیورسٹی سے ''امام احمد رضا کی مکتوبات نگاری'' پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اس کی تفصیلات پروفیسر مسعود احمد صاحب نے اپنی کتاب ''امام احمد رضا اور عالمی جامعات'' (مطبوعہ۔ رضا انٹرنیشنل اکیڈمی صادق آباد 1990ء) میں تفصیل سے لکھی ہیں بڑے وثوق کے ساتھ شواہد کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں ''عبقری الشرق'' ہیں ان کی امامت مسلم ہے۔ آج ان کے پیغام اور علم کو عام کرنے کے لیے صرف نعروں سے کام نہیں چلے گا۔ خلوص وللہیت کے ساتھ گفتار و کردار سے کام کرنے کی ضرورت ہے یہی ان کو سچا خراج عقیدت ہوگا۔



محمد ممتاز عالم (ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی)

امام احمد رضا کا عجز وانکسار

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بڑے عظیم المرتبت عالم دین تھے۔ ان کی علمی برتری کا اعتراف موافق اور مخالف دونوں نے کیا ہے۔ وہ جتنے بڑے عالم دین تھے ان کی زندگی اتنی ہی سادگی، عجز وانکساری اور حلم و بردباری سے عبارت تھی۔ علماء کا حد درجہ احترام کرتے، کسی کو کبھی تکلیف نہ پہنچاتے تھے۔ علم وفضل کے ساتھ سادگی سے متصف ان کی زندگی علماء اور عوام دونوں کے لیے یکساں مفید تھی۔ مندرجہ ذیل چند نمونے پیش کیے جا رہے ہیں:

اعلیٰ حضرت لوگوں کے لیے مقررہ وقت ملاقات کے علاوہ گھر میں ہی رہتے تھے تاکہ لکھنے پڑھنے کا کام اطمینان سے ہو سکے۔ نماز پنجگانہ کے لیے مسجد میں آتے تھے۔ مقررہ وقت کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص ملاقات کے لیے آتا تو اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔ اطلاع ملتے ہی اعلیٰ حضرت تشریف باہر لے آتے تھے۔ بڑے خلوص اور سنجیدگی سے ملاقات کرتے تھے۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری لکھتے ہیں ہر شخص حتیٰ کہ چھوٹی عمر والے سے بھی نہایت خلوص سے ملتے۔ آپ اور جناب سے مخاطب فرماتے اور حسب حیثیت ان کی تعظیم وتوقیر فرماتے۔

ایک بار ایک صاحب جو بہت تعلّی پسند تھے آپ کے یہاں آئے۔ آپ نے انھیں چارپائی پر بٹھایا۔ اتنے میں آپ کا حجام کریم بخش بھی آ گیا اور سوچنے لگا کہاں بیٹھوں؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تم بھی اس چارپائی پر بیٹھ جاؤ۔ ان صاحب کو اعلیٰ حضرت کا حجام کو ان کے مقابل بٹھانا ناگوار گزرا۔ چنانچہ وہ شخص بغیر ملے چلے گئے۔

اعلیٰ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ میں ایسے متکبر شخص سے ملنا نہیں چاہتا۔

(حیات اعلیٰ حضرت مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

یہ واقعہ معاشرہ میں انسانی احترام کی مخالفت کرنے والوں سے بے اعتنائی برتنے کا ایک قابل عمل نمونہ ہے اگر ہم اسے عملی زندگی میں لائیں۔

اعلیٰ حضرت دین کے معاملے میں کسی کی پروا نہ کرتے تھے۔ اپنے بیگانے سب سے سچی بات کہہ دیتے تھے۔ بہت سے لوگ جو اس حق گوئی کی زد میں آئے وہ اپنا محاسبہ کرنے کے بجائے فرضی نام و پتا سے آپ کو گندی گالیاں لکھ بھیج دیا کرتے تھے۔

ایسے خطوط کو آپ کے شاگرد رشید مولانا امجد علی قادری علیہ الرحمۃ کھولا کرتے تھے اور ایک کا بھی جواب اعلیٰ حضرت نہ دیتے تھے۔ ایک نئے مرید نے ایسے ہی ایک خط کو پڑھ لیا۔ رنجیدہ خاطر ہو کر اعلیٰ حضرت سے کہا: اس طرح کی بدزبانی کرنے والوں پر مقدمہ دائر کرنا چاہیے تاکہ آئندہ کوئی اس طرح کی جرأت نہ کر سکے۔ اعلیٰ حضرت نے انھیں اور دس پندرہ خطوط کا بنڈل تھما دیا اور فرمایا اسے پڑھیے۔ وہ صاحب خط پڑھتے جاتے تھے اور چہرے پر مسرت کی لکیریں دوڑتی جاتی تھیں۔ تب اعلیٰ حضرت نے فرمایا: پہلے ان مداحوں کو زر و جواہر سے مالا مال کیجیے پھر دشنام طرازوں کی سرزنش کیجیے۔

انھوں نے معذرت کی تو اعلیٰ حضرت نے بڑا پیارا جملہ فرمایا۔

آپ مخلص کو نفع نہیں پہنچا سکتے تو مخالف کو نقصان بھی نہ پہنچائیے۔

تعمیری اور فلاحی کاموں کی راہ میں سختیاں جھیلنے والے اس سادگی اور بردباری کو پیش نظر رکھیں تو وہ بڑی آسانی سے طوفان مخالفت سے گزرتے ہوئے منزل کو پا سکتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کو جب بھی کوئی دعوت دیتا آپ قبول کر لیتے اور وقت پر حاضر ہو جاتے۔ ایک بار ایک کمسن صاحبزادے نے کہا: میرے گھر آپ کی دعوت ہے۔ آپ نے قبول فرما لیا اور پوچھا کیا کھلائیے گا؟ اس نے دامن میں رکھی ماش کی دال دکھاتے ہوئے کہا: ماش کی دال اور روٹی۔ جب آپ پہنچے تو صاحبزادے نے باجرہ کی موٹی موٹی روٹی اور ماش کی دال لاکر رکھ دی۔ آپ نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور فرمایا: ایسی خلوص کی دعوت روز ہو تو میں روز قبول کروں۔ اسی طرح ایک صاحب نے آپ کی دعوت کی ملک العلماء مولانا ظفر الدین ہمراہ تھے۔ میزبان بڑا مفلس و کنگال تھا۔ ٹوٹی چٹائی بچھائی گئی۔ اعلیٰ حضرت اسی پر بیٹھ گئے۔ باجرہ کی روٹی بڑے گوشت کا قیمہ لاکر رکھا گیا۔ ملک العلماء سوچنے لگے اب کیا ہوگا۔ اعلیٰ حضرت تو بڑے کا گوشت نہیں کھاتے۔ اتنے میں اعلیٰ حضرت نے دعا پڑھی: بسم اللہ الذی

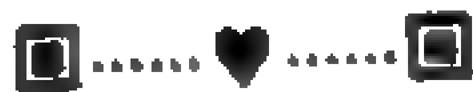
لا یضر مع اسمه شئی فی الارض ولا فی السمآء وھو السمیع العلیم. مسلمان کچھ بھی کھلائے نقصان نہیں کرے گا۔

میزبان ملک العلماء کے جان پہچان کے تھے۔ آپ نے کہا: حالت مفلسی میں دعوت کی کیا ضرورت تھی۔ میزبان نے کہا اسی لیے تو اعلیٰ حضرت کی دعوت کی ہے تاکہ ان کی دعا اور ان کے قدموں کی برکت سے مفلسی دور ہو جائے۔

اعلیٰ حضرت کے اس عمل کو اگر ہم پیش نظر رکھیں تو انسان کی حیثیت کا اندازہ ہم دولت سے نہیں دل سے کریں گے اور امراء کی دہلیز پر پاؤں توڑ کر نہ بیٹھیں گے۔

حضرت شاہ برکت اللہ قادری مارہروی علیہ الرحمتہ کے عرس میں اعلیٰ حضرت کی حاضری ہوا کرتی تھی۔ جب آپ سے اراکین عرس وعظ و تقریر کے لیے کہتے تو آپ فرماتے: میں تو اپنے کو وعظ نہیں کہہ پایا ہوں دوسروں کو کیا وعظ کہوں؟ ہاں مسائل شرعیہ پوچھیے تو بتاؤں گا کہ بتانے کا حکم شریعت نے دیا ہے۔

کیا عجز و انکساری ہے جسے دنیا اعلیٰ حضرت کہے وہ اپنے آپ کو اتنا کمتر سمجھے! ہمیں اس جلیل القدر عالم دین کی سیرت کے باب، عجز و انکساری کو بار بار پڑھنا چاہیے تاکہ نفس سرکش نہ ہونے پائے۔ عوام ہم سے بدظن نہ ہوں۔



مولانا سید سراج اظہر قادری

امام احمد رضا اور احیاء دین

شیخ الاسلام والمسلمین، مجدد اعظم دین وملت، امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اپنے وقت کے جید عالم فاضل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں بیک وقت بہت سی خصوصیات کو جمع فرما دیا تھا۔ ایک طرف آپ ایک بہترین فقیہ تھے۔ آپ کی نظر علم تفسیر و تاویل اور احادیث نبوی پر بہت گہری تھی اور آپ کی علمیت اور اصابت رائے کے اپنے ہی نہیں بلکہ بیگانے بھی قائل تھے۔ آپ کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت "عشق رسول ﷺ" ہے۔ ساری زندگی آپ نے "مدح رسول" میں صرف کی اور اس کا زندہ ثبوت آپ کا وہ نعتیہ کلام ہے جو حدائق بخشش کے نام سے کتابی شکل میں طبع ہوا ہے آپ مدح رسول کو اپنی زندگی کا حاصل قرار دیتے ہیں اور اصحاب ثروت کی مدح سرائی کو فضول فرماتے ہیں۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

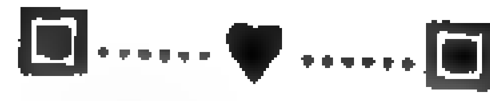
آپ کی ساری زندگی جہاد بالقلم میں صرف ہوئی اور جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اس کو عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کیا اور بغیر کسی کی پروا کیے جس بات کو حق سمجھا اس کو برملا کہا۔ مجدد دین و ملت، شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی ہمہ گیر شخصیت کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اس سیاسی ماحول کو سمجھیں جس میں آپ کتم عدم سے عالم وجود میں تشریف فرما ہوئے۔ 1853ء میں جب مسلم حکومت مٹ گئی اور عوام انتشار کا شکار ہوئے تو میدان کھلا پا کر عفریتی لشکر ہر چہار جانب سے اسلامی عقائد و اعمال کی بنیاد کھوکھلی کرنے کے لیے اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ غضب بالائے غضب یہ کہ اب یہ "گندم نما جو فروش" ان راستوں سے نمودار ہونے شروع ہوئے جن پر اعتماد کرنا اور چلنا اسلامیان ہند اپنی دنیاوی فلاح اور اخروی نجات تصور کرتے تھے کبھی جہاد اور تقویت الایمان اور کبھی صراط مستقیم کے نام سے تو کبھی تجدید و احیاء دین کے نام سے غرض

سلطنت برطانیہ کی سرپرستی میں ابلیس کی جھولی سے نکال کر نئے عقائد و خیالات لائے گئے کہ الامان والحفیظ تبھی قدرت مسکرائی کہ نادانو! یہ آخری پیغمبر ﷺ کا آخری دین ہے۔ جس کی حفاظت میرے ذمے ہے اور جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ہاں تم اپنی عاقبت جتنی چاہو خراب کر سکتے ہو مگر یہ گلستاں کبھی خزاں رسیدہ نہ ہوگا یہ شمع ہمیشہ روشن رہے گی اس کی لو کبھی جھپک نہیں سکتی تم اپنی آگ میں جل مرو گے مگر اس عرش آشیاں ''بیت النور'' پر کبھی بھی آنچ نہ آسکے گی اس لیے کہ ہمیشہ حسین اعظم، غوث اعظم، خواجہ اعظم، نظام الدین اولیاء حضرت مخدوم علی شاہ ماہی جیسے جیالے اور غازی اور ان کے متبعین و نائبین اس کے امانت دار رہیں گے اور تب اسی زمانے میں 1856ء میں ملک کے مشہور شہر اور شہر کے مشہور علم وفضل والے گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام والدین نے احمد رضا رکھا اس نے ہوش سنبھالا تو ملت اور قوم کے گرد و پیش پر ایک جائزانہ نگاہ ڈالی ''یاران بے ایمان'' کو رنگ برنگے ملبوسات میں دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی گویا کہ کہہ رہا ہو۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

1869ء میں دیار حبیب کی زیارت اور حاضری دے کر اس بارگاہ بیکس پناہ سے طریقۂ اسلاف کے مطابق اپنے فرض اور ذمہ داری کو نبھانے کے لیے استمداد و استعانت کیا جہاں سے نور حق کی تابانیوں کا ایسا سایہ نصیب ہوا کہ باطن تو باطن تھا ظاہر سے بھی پھوٹا پڑتا تھا بقول صاحب تذکرہ علماء ہند آپ مقام ابراہیم میں تھے کہ شیخ مفتی شافعیہ آئے بغور دیکھا اپنے ساتھ لے گئے اور پھر آپ کی پیشانی پکڑ کر فرمایا! واللہ انی لاجد نور اللہ عن ھذا الجبین کہ خدا کی قسم میں اس پیشانی میں خدا کا نور پا رہا ہوں اور واپس آکر اس مقصد کی تکمیل کے لیے جس کے لیے قدرت نے آپ کو پیدا فرمایا تھا اور اس فرض کی ادائیگی کے لیے جس پر رضائے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی مہر لگی ہوئی تھی جب اپنی زبان اور قلم کو جنبش دی تو ایوان باطل کے ہر گوشے میں خواہ ضلالت کا ہو یا بدعت کا کفر کا ہو یا ارتداد کا کھل بلی مچ گئی تہلکہ اور زلزلہ بپا ہو گیا۔ تبحر علمی کا یہ حال تھا کہ تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال، جرح و تعدیل، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، عقائد و کلام، ادب، معانی، بیان، بدیع، بلاغت، نحو صرف، عروض، قوافی، تصوف، سلوک، تاریخ و سیر، مناقب، لغات، ہندسہ، حساب،

ریاضی، طبعیات، ہیئت، نجوم، اوفاق، تکسیر، توقیت وغیرہا پچاسوں علوم وفنون میں ہزاروں کتابیں لکھی ہیں علوم وفنون کا سمندر تھا جو ان کے سینے میں ہمیشہ موجزن رہتا تھا، صلاحیت کا لوہا بڑے بڑے اہل علم اور مشہور زمانہ علماء فضلاء نے مانا ہے اپنوں کی تو بات ہی کیا غیروں کی مجلس میں بھی آپ کے علم وفضل کا طوطی بول رہا ہے۔



مصطفیٰ رضا

مفتی اعظم ہند

محمد حنیف خاں رضوی (صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف)

اعلیٰ حضرت اور علوم قرآن

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی دنیائے علم وحکمت میں عبقری صفات کے حامل اور یگانۂ روزگار تھے۔ آپ نے پچاس سے زیادہ علوم پر سینکڑوں کتابیں لکھیں، چونکہ آپ دینی و مذہبی پیشوا تھے، لہٰذا آپ نے تمام علوم و معارف کو قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پرکھا اور پیش کیا، اگر ان سے موافقت ظاہر ہوئی تو اس سے سروکار رکھا، ورنہ اس کے رد و ابطال میں خوب خوب طبع آزمائی فرمائی۔ حرکت زمین و آسمان کے بارے میں فلاسفہ قدیم و جدید زمانہ دراز سے سرگرداں ہیں، لیکن آپ نے ان تمام فلسفیوں اور سائنس دانوں کے منہ کو لگام دے دی اور قرآن وحدیث کی روشنی میں قاہرہ دلائل اور روشن براہین سے ثابت کیا کہ نہ زمین گھومتی ہے اور نہ آسمان، پرانے اور نئے سائنس داں غلط لکھتے، غلط سمجھتے اور غلط سمجھاتے ہیں۔ معین مبین، فوز مبین اور الکلمۃ الملہمہ وغیرہ کتابیں آپ نے انھیں مسائل سے متعلق لکھیں جن کا جواب آج تک کسی کے پاس نہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی قرآنی علوم میں دست گاہ کامل رکھتے تھے، آپ کی تصانیف اس موضوع پر بحر بیکراں ہیں، ترجمہ قرآن، تفسیر قرآن اور اسرار قرآن وغیرہ تمام علوم و فنون آپ کی کتابوں سے عیاں ہیں۔ آپ نے پورے قرآن کا ترجمہ اس حسن نظم وضبط کے ساتھ فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے آپ کے روبرو قرآن کریم کی درجنوں تفاسیر کھلی رکھی ہیں حالانکہ پورا ترجمہ قرآن بصورت املا لکھوایا، کبھی کسی نے ترجمہ کی مدد کے لیے کوئی کتاب آپ کے ہاتھ میں نہیں دیکھی۔ لیکن ترجمہ کس شان سے فرمایا، معروف محقق ڈاکٹر پروفیسر مسعود احمد فرماتے ہیں:

امام احمد رضا ایک باخبر ہوشمند اور باادب مترجم تھے۔ ترجمہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا نے آنکھیں بند کر کے ترجمہ نہیں کیا بلکہ وہ جب کسی آیت کا ترجمہ کرتے ہیں تو پورا قرآن، مضامین قرآن اور متعلقات قرآن ان کے سامنے ہوتے ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آپ نے یہ ترجمہ کتب تفسیر وحدیث یا ماقبل کے اردو و فارسی تراجم کو

سامنے رکھے بغیر فی البدیہہ کیا۔ آپ کے ترجمہ قرآن میں برسوں کی نکھری کاوشیں پنہاں ہیں۔ یہ مولیٰ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ اپنے بندے کو ایسی نظر عطا فرمادے جس کے سامنے علم و دانش کی وسعتیں سمٹ کر ایک نقطہ پر آجائیں۔ فی البدیہہ ترجمہ قرآن میں ایسی جامعیت کا پیدا ہونا عجائبات عالم میں سے ایک عجوبہ ہے، اس سے مترجم کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (مجلہ انوار رضا۔ ص 219)

محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی فرماتے ہیں:

علم قرآن کا اندازہ صرف اعلیٰ حضرت کے اس اردو ترجمہ سے کیجیے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے، نہ فارسی میں اور نہ اردو میں۔ جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جا سکتا، جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں روح قرآن ہے۔ (خطبہ صدارت ناگپور)

ملک شیر محمد خاں آف کالا باغ پاکستان اس ترجمہ پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

مقام حیرت واستعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور بامحاورہ بھی، اس طرح گویا لفظ اور محاورہ کا حسین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے اس ترجمہ سے قرآنی حقائق و معارف کے وہ اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور سے دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔ یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے۔

ایک غیر جانب دار عالم اور ممتاز صحافی کوثر نیازی لکھتے ہیں:

امام احمد رضا نے عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا، کنزالایمان روح پرور ترجمہ، عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے۔

حد تو یہ ہے کہ امیر جمعیت اہل حدیث پاکستان استاد سعید بن یوسف زئی بھی برملا اعتراف کرتے ہیں:

یہ ایک ایسا ترجمہ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذات باری تعالیٰ کے لیے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا تو بوقت ترجمہ اس کی جلالت و تقدیس اور عظمت و کبریائی کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ جبکہ دیگر تراجم

خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتب فکر کے علماء کے ہوں ان میں یہ بات نظر نہیں آتی۔
اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوب خدا شفیع روز جزا سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ہے یا جن میں آپ سے خطاب کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ مولانا احمد رضا خاں نے اوروں کی طرح صرف لفظی اور لغوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا۔ بلکہ آپ کے عالی مقام کو ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے ترجمہ میں وہ چیزیں پیش کی ہیں جن کی نظیر علمائے اہل حدیث کے یہاں بھی نہیں ملتی۔

(امام احمد رضا اور علم تفسیر ص 101)

یہ آپ کے ترجمہ کے محاسن ہیں جن کو ارباب علم و دانش سراہ رہے ہیں اور اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ آپ کا ترجمہ قرآن علوم قرآنیہ کا عظیم شاہکار ہے۔
اسی طرح علم تفسیر میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ایک عظیم مفسر قرآن بھی تھے آپ نے تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کے عرس میں سورۂ الضحیٰ پر پورے چھ گھنٹے تقریر کی اور پھر فرمایا: اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی چند آیات کی تفسیر لکھنی شروع کی تھی جو اسی (80) جز (یعنی چھ سو صفحات) تک لکھ کر چھوڑ دی کہ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے قرآن کریم کی تفسیر لکھ سکوں۔

(حیات اعلیٰ حضرت 97/1)

امام احمد رضا نے ایک تفسیر بھی لکھنا شروع کی تھی، یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ وہ کہاں تک پہنچی، البتہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی چند ابتدائی آیات تک تو دستیاب ہو گئی اور راقم الحروف کی ضخیم کتاب "جامع الاحادیث" کی ساتویں جلد میں شامل اشاعت ہے، باقی امتداد زمانہ کی دبیز تہوں میں دب گئی۔ ساتھ ہی آپ کے قلم سے چھ سو آیات کی محققانہ تفسیر بھی جامع الاحادیث کی تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس طرح کے اور بھی تفسیری مباحث ہیں جو آپ کی تصانیف میں جا بجا موجود ہیں۔ ان سب شواہد کے ذریعہ آپ کی قرآنی علوم میں عبقریت و مہارت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تفصیل جامع الاحادیث کی آخری جلدوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

محمد عزیز الرحمٰن منانی

اعلیٰ حضرت کی شریعت فہمی

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ کی عدیم المثال اور نابغۂ روزگار شخصیت سے شاید ہی کوئی مذہبی شخص ناواقف ہوگا۔ فقہی، علمی، مذہبی ہر حیثیت سے آپ جن عبقری صفات کے حامل تھے لاکھ مسلکی اختلافات کے باوجود معاصرین سے لے کر اس دور کے لوگوں تک سبھی نے آپ کی علمی برتری اور شریعت فہمی میں آپ کی ژرف نگاہی کا لوہا مانا ہے۔ آپ ایک جید عالم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسر قرآن اور عظیم محدث تھے۔ آپ کی انفرادیت کا عالم یہ ہے کہ جب آپ کا قلم حق رقم میدان تحقیق میں جولانیاں دکھاتا ہے تو عموماً آخری حدوں کو چھو جاتا ہے اور مزید تحقیق و تدقیق کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ بقول ابوالحسن علی ندوی ''فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی ان کا کوئی ہم پلہ ہو، اس حقیقت پر ان کے فتاویٰ اور ان کی تصنیف ''کفل الفقیہ الفاہم'' شاہد ہے۔''

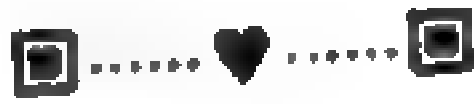
اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی مجتہدانہ بصیرت، فکر رسا اور انداز استدلال کا لوہا ان لوگوں نے بھی مانا ہے جو ان کے حلقۂ ارادت میں نہیں ہیں۔ بقول ڈاکٹر محمد اقبال. ''وہ اعلیٰ حضرت، بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے، ہندوستان کے اس دور میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ہی ملے گا۔''

حضرت امام احمد رضا خاں کی فقاہت کا اعتراف تو عرب وعجم کو ہے۔ فتاویٰ رضویہ بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل آپ کا ایسا شاہکار ہے جسے بجاطور پر علوم و معارف کا گنجینہ اور فقہی انسائیکلوپیڈیا قرار دیا جا سکتا ہے، اہل علم کی نظر سے جب یہ کتاب گزرتی ہے تو وہ اعلیٰ حضرت کی فقہی بصیرت اور باریک بینی و ژرف نگاہی دیکھ کر ششدر رہ جاتے ہیں۔

''فتاویٰ رضویہ'' کے فتاویٰ کثیر التعداد آیات قرآنیہ، احادیث کریمہ اور روایات اصول وفروع کی بوجھل شہادتوں سے گراں بار ہیں۔ بس علوم وفنون کا ایک بہتا سمندر ہے

جس سے بڑے بڑے غواص معلومات کے لاکھوں جواہرات نکالا کرتے ہیں۔

صدرالافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی کا فرمان ہے: ''علم فقہ میں جو تبحر و کمال حضرت ممدوح (اعلیٰ حضرت) کو حاصل تھا اس کو عرب و عجم، مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا۔ تفصیل ان کے فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں سمجھیے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر میں ایک مفتی تھا، جس کی طرف تمام عالم کے حوادث و وقائع استفتا کے لیے رجوع کیے جاتے تھے، ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا۔ اہل باطل کی تصانیف کا بالغ رد بھی کرتا تھا اور زمانہ بھر کے سوالوں کا جواب بھی دیتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کی نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھی۔



محمد قاسم مصباحی

امام احمد رضا کی فقہی خصوصیات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ ایک فقید المثال، بلند پایہ فقیہ تھے، علم فقہ میں آپ کی تصنیفات کی تعداد 250 سے بھی زائد ہے، ان میں سب سے زیادہ مشہور و معروف فتاویٰ رضویہ ہے جو اپنی ضخامت اور تحقیقات انیقہ کے اعتبار سے فائق ہے۔ امام احمد رضا کی فقہی خدمات کثیر الجہات ہیں جن کے احاطہ کے لیے ایک ضخیم دفتر درکار ہے۔ یہاں آپ کی فقہی خصوصیات کی جھلکیاں نذر قارئین ہیں۔

تحقیق انیق

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں اذان دی ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں علمائے کرام کی دو رائیں ہیں (1) بعض حضرات نے کہا کہ آپ نے ایک مرتبہ اذان دی ہے، کیونکہ امام ترمذی کی روایت سے اسی طرح ثابت ہے۔ (2) بعض حضرات نے اس استدلال کو رد کر دیا ہے، کیونکہ اسی طریق سے مسند احمد میں ہے کہ آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا تو انھوں نے اذان دی، لہٰذا روایت ترمذی میں جو حضور ﷺ کی طرف اذان کی اسناد ہے وہ مجازی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''عام طور سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ نے اذان دی ہے؟ اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ نے دوران سفر خود اذان دی اور صحابہ کو نماز پڑھائی، اور امام نووی نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے اسے قوی قرار دیا لیکن اسی طریق سے مسند احمد میں ہے کہ آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا تو انھوں نے اذان کہی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت ترمذی میں اختصار ہے اور ان کے قول اذن کا معنی یہ ہے کہ آپ نے بلال کو اذان کا حکم دیا۔''

اس مقام پر علامہ شامی نے دیگر علمائے کرام کی طرح اس پر اعتماد کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اذان نہیں دی ہے، ترمذی کی روایت میں اسناد مجازی ہے۔

لیکن امام احمد رضا کی تحقیق یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک سفر میں بنفس نفیس اذان دی ہے، کیونکہ تحفہ امام ابن حجر مکی میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سفر میں ایک دفعہ اذان دی تھی اور کلمات شہادت یوں تھے "اشھد انی رسول اللہ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اور ابن حجر نے اس کی صحت کی جانب اشارہ بھی کیا ہے اور یہ نص مفسر ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اگر آپ نے خود اذان نہ دی ہوتی تو اشھد انی رسول اللہ کے بجائے اشھد ان محمداً رسول اللہ کے الفاظ وارد ہوتے۔ لہٰذا ترمذی کی روایت کو مجاز پر محمول کرنا صحیح نہیں (فتاویٰ رضویہ ج 2، ص 388-387، باب الاذان والاقامۃ)

یہ رہی امام احمد رضا کے رشحات قلم سے نکلی ہوئی تحقیق جسے دیکھ کر بصیرت جھوم اٹھتی ہے۔

حوالوں کی کثرت

یہ کام وہی شخص انجام دے سکتا ہے جو وسیع المطالعہ، قوی الحافظہ ہو۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کی نظر اتنی وسیع و عمیق تھی کہ بسا اوقات اپنے موقف کی تائید وتقویت میں دس بیس نہیں بلکہ پچاسوں کتابوں کے حوالے رقم کرتے چلے جاتے ہیں، اس کے چند شواہد پیش خدمت ہیں۔

(1) کتا نجس العین ہے یا نہیں؟ اس کے تعلق سے ایک طویل استفتاء اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی بارگاہ میں پیش کیا گیا، جو تقریباً پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ استفتاء اپنی تفصیل کے اعتبار سے اس امر کا مقتضی تھا کہ اس کا جواب بھی اسی طرح حوالوں اور دلائل سے مبرہن ہو۔ چنانچہ امام احمد رضا نے اس کا کامل طور سے حق ادا کیا اور احادیث کے علاوہ پچاس سے زائد کتب فقہ کے حوالے سے جواب کو مبرہن کیا اور اس طرح سے جواب شروع فرمایا۔

"قول زید اصح وارجح احق بالقبول وقابل قبول فی الواقع ہمارے امام اعظمؒ کے مذہب میں یہ جانور سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر۔ یہی مذہب ہے صحیح واصح ومعتمد ومؤید بدلائل قرآن وحدیث ومختار وماخوذ للفتوی عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے۔"

اس کے بعد آپ نے اولاً حدیث پاک اور اقوال شارحین حدیث سے استدلال کیا

ہے کہ پھر ثانیاً کتب مذہب کے حوالے سے مدعا کو ثابت کیا ہے۔

داڑھی منڈانا ممنوع و ناجائز ہے اس کے ثبوت میں آپ نے مستقل ایک رسالہ "لمعۃ الضحی فی اعفاء اللحی (1315) تحریر فرمایا، جس میں اٹھارہ آیتوں، (72) بہتر حدیثوں اور (59) انسٹھ کتابوں کے حوالے سے (60) ساٹھ ارشادات علماء نقل فرمائے جو آپ کی وسعت نظر اور استحضار پر بین دلیل ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج 9، ص 122 تا 136 نصف اول)

سجدہ تحیت حرام ہے اس کے ثبوت میں آپ نے آیت و تفاسیر کے علاوہ چالیس احادیث اور 149 کتابوں کے حوالے سے ڈیڑھ سو نصوص فقہ نقل فرمائے ہیں۔ یہ بھی ایک مستقل رسالہ ہے جس کا نام "الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیہ" (1337ھ) جو تقریباً 34 صفحات پر مشتمل ہے۔ (فتاوی رضویہ ج 9، ص 213 تا 247، نصف آخر)

تطبیق بین الاقوال

مختلف اقوال میں تطبیق بڑا اہم مرحلہ ہے۔ یہ بھی بڑے علم و تبحر اور دقت نظر کا مقتضی ہے، امام احمد رضا کی تصانیف میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

طہارت میں بلاوجہ پانی خرچ کرنے کے بارے میں فقہائے کرام کے درمیان سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ حلبی نے غنیۃ میں اور علامہ طحطاوی نے شرح درمختار میں بلاوجہ پانی صرف کرنے کو حرام ٹھہرایا۔ مدقق علائی نے درمختار میں مکروہ تحریمی قرار دیا۔ بحرالرائق میں اس کو مکروہ تنزیہی شمار کیا۔ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں خلاف اولی ہونے پر اعتماد کیا۔ الحاصل اس مسئلے میں فقہائے کرام کے چار اقوال ہیں۔ حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ، بظاہر یہ چند مختلف اقوال ہیں۔

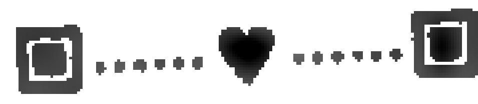
لیکن امام احمد رضا نے اپنی خداداد صلاحیت سے تطبیق کی ایسی صورت بیان فرمائی، جس سے اختلاف یکسر ختم ہو جاتا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ (1) وضو میں سنت سمجھ کر بلا ضرورت پانی خرچ کیا جائے تو حرام ہے (2) بلا اعتقاد سنت و بلا حاجت وضو میں پانی اس طرح خرچ کرے کہ وہ پانی ضائع ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ (3) نہ تو سنت کا اعتقاد ہو نہ ضیاع ماء کا ارادہ لیکن عادۃً بلاوجہ پانی خرچ کرتا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے (4) نہ اعتقاد سنیت ہو نہ

اضاعت ہو نہ ہی بلاضرورت خرچ کرنے کی عادت ہو بلکہ نادراً بلاضرورت پانی خرچ ہو جائے تو خلاف اولیٰ ہے۔(فتاویٰ رضویہ ج 1، ص 166-207، باب الغسل)

یہ تطبیق یوں ہی نہیں کردی ہے بلکہ اس تطبیق کو دلائل اور فقہا کی عبارتوں سے روشن بھی فرمایا ہے۔

یہ ہے کہ امام احمد رضا کا وہ علمی، فقہی اور تحقیقی کمال کہ جسے دیکھ کر بڑے بڑے علماء وفضلا انگشت بدنداں ہیں اور یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ



محمد مزمل برکاتی مصباحی (ریسرچ اسکالر جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اور تحقیقات مسائل جدید

نو پید مسائل کی تحقیق میں امام احمد رضا بریلوی کے فقہی کمال سے متعلق چند شواہد یہاں اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

-1 سوتی یا اونی موزوں پر مسح کے متعلق امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں: ''سوتی یا اونی موزے جیسے ہمارے بلاد میں رائج ہیں، ان پر مسح کسی کے نزدیک درست نہیں کہ وہ مجلد نہیں۔ یعنی ٹخنوں تک چمڑا منڈھے ہوئے نہ منعل یعنی تلا چمڑے کا لگا ہوا نہ ثخین یعنی ایسے دبیز و محکم کہ تنہا انھیں کو پہن کر قطع مسافت کریں تو شق نہ ہو جائیں اور ساق پر اپنے دبیز ہونے کے سبب بے بندش کے رکے رہیں، ڈھلک نہ آئیں اور ان پر پانی پڑے تو روک لیں، فوراً پاؤں کی طرف چھن نہ جائے۔''
(فتاویٰ رضویہ، ص 2، 32 مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

خلاصۂ تحقیق یہ ہے کہ موزوں پر مسح کے لیے 3 اوصاف میں سے کسی ایک وصف کا پایا جانا ضروری ہے یا تو وہ ٹخنوں تک مکمل چمڑے کے ہوں یا صرف ان کا تلا چمڑے کا ہو ورنہ پھر اتنے دبیز ہوں کہ پنڈلی پر کسی بندش کے بغیر خود بخود رکے رہیں اور انھیں پہن کر چلنا پڑے تو بغیر پھٹے ہوئے بآسانی مسافت طے ہو سکے اور ان پر پانی پڑے تو فوراً اسے جذب نہ کریں۔ لہٰذا جو موزے ان اوصاف سے خالی ہوں ان پر مسح ناجائز ہے اور آج کل جو سوتی اور اونی موزے (جراب) عموماً رائج ہیں نہ وہ چمڑے کے ہوتے ہیں نہ ان کا تلا چمڑے کا ہوتا ہے، نہ ہی وہ اتنے دبیز اور موٹے ہوتے ہیں کہ پنڈلی پر نائلان کے تاروں کے بغیر از خود ٹھہر جائیں اور بآسانی مسافت طے ہو سکے اور پانی جذب کرنے سے مانع ہوں۔ لہٰذا ان پر مسح جائز نہ ہوگا۔

-2 بوٹ پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ

الرحمۃ فرماتے ہیں: "بوٹ پر مسح کرنا اور اس سے نماز پڑھنا" درست ہے۔ معراج الدرایہ، بحرالرائق اور ردالمحتار میں ہے: جو موزے پشت قدم پر کھلے ہوئے ہوں اور ان میں بندش لگی ہوئی ہو اور بندش سے ان کو باندھنے کے بعد قدم چھپ جائے تو ایسے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے کیونکہ وہ غیر مشقوق موزے کی طرح ہیں اور اگر پشت قدم کا کچھ حصہ دکھائی دے تو وہ پھٹے ہوئے موزے کی طرح ہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ 33/2)

اس کی قدرے توضیح یہ ہے کہ موزوں پر مسح کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ 3 چھوٹی انگلیوں کی مقدار پھٹے ہوئے نہ ہوں ورنہ پھران پر مسح کرنا جائز نہ ہوگا اور بوٹ اپنے مجلد یا منعل یا دبیز ہونے کے سبب خفین ہی کا حکم رکھتے ہیں۔ لہٰذا مذکورہ شرط ان کے لیے بھی لاگو ہوگی۔ اس لیے اگر فیتے والے جوتے کو فیتے کے ذریعے باندھنے کے بعد قدم چھپ جائے تو ایسے جوتے پر مسح کرنا جائز ہے اور اگر پشت قدم کا کچھ حصہ دکھائی دے تو اس کا حکم وہی ہے جو پھٹے ہوئے موزے کا ہے، اگر 3 چھوٹی انگلیوں کی مقدار یا اس سے زیادہ حصہ کھلا رہے تب تو ان پر مسح کرنا جائز نہیں اور اگر اس سے کم نظر آئے تو جائز ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ جس طرز کے بوٹ آج کل عموماً رائج ہیں جن میں فیتہ نہیں ہوتا، ان پر مسح جائز ہے جبکہ دیگر شرائط بھی جامع ہوں کہ وہ بہر حال نہ پھٹے ہوئے موزے کی طرح ہوتے ہیں۔

-3 اس دور میں کچھ علاقوں میں مصری سرخ رنگ کی پڑیا میں فروخت کی جاتی اور استعمال کی جاتی تھی، اس پڑیا کے متعلق لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ اس میں اسپرٹ کی آمیزش کی جاتی ہے (جو ایک قسم کی شراب ہے) اور عموماً ایسا ہوتا کہ اس کی سرخی مصری میں آجاتی۔ اب ایسی صورت میں وہ مصری کھائی جائے یا نہیں؟ اس بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:

"پڑیا کی نجاست پر فتویٰ دیے جانے میں فقیر کو کلام کثیر ہے۔ ملخص اس کا یہ کہ پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریقہ شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے اور عموم بلوئی نجاست متفق علیہا میں

باعث تخفیف حتی فی موضع النص القطعی...... نہ کہ محل اختلاف میں جو زمانہ صحابہ سے عہد مجتہدین تک برابر خلافی چلا آیا۔" الخ (فتاویٰ رضویہ 49/2)

اس عبارت کی مختصر توضیح یہ ہے کہ اولاً: پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا شرعی نقطۂ نظر سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا ہے کہ پڑیا میں رکھی ہوئی مصری میں اس کی سرخی ظاہر ہونے سے مصری کو نجس ٹھہرایا جائے اور اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ لہٰذا مصری کے حلال ہونے پر جو یقین تھا وہ لوگوں کے محض خیالات سے زائل نہ ہوگا۔

ثانیاً: اگر پڑیا میں اسپرٹ کی آمیزش بطریقۂ شرعی ثابت ہو تو بھی مصری کو نجس ٹھہرانا فقہی اصول وقواعد سے ناآشنائی کی دلیل ہے کیونکہ مصری بازاروں میں عموماً سرخ رنگ کی پڑیا میں دستیاب ہوتی ہے اور عوام وخواص بھی اس کو استعمال کرتے ہیں اور ان کے لیے اس سے باز رہنا بالیقین حرج ومشقت کا باعث ہے اور ایسی صورت میں جس کی نجاست قرآن وحدیث سے یقینی طور پر ثابت ہے۔ اس میں بھی تخفیف آ جاتی ہے تو اسپرٹ جو مختلف فیہ شرابوں سے ہے اس میں کیونکر تخفیف نہ ہوگی۔

اس لیے بلا ضرورت، پڑیا کو نجس ٹھہرانے سے مسلمان سخت دشواری میں مبتلا ہو جائیں گے نیز اس کا لین دین کرنے والے اور استعمال کرنے والے بھی گنہگار ٹھہریں گے۔ کپڑے یا جسم پر اس کی رنگت لگنے سے نمازیں معاذ اللہ باطل ٹھہریں گی جبکہ ارشاد خداوندی ہے "اور اس نے تمھارے اوپر دین کے معاملہ میں کسی طرح کی تنگی نہ رکھی۔"

ان کے علاوہ بھی بہت سے جدید مسائل ہیں جن کی تحقیق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمائی مگر صفحات کی تنگی پیش نظر ہے۔ اس لیے یہاں ان میں سے چند مسائل کا صرف عنوان اور حوالہ درج کیا جاتا ہے تاکہ ارباب تحقیق مراجعت کر کے اطمینان حاصل کر سکیں۔

یوروپین وضع کی کرسی پر سونے سے وضو کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 1/71)

یوروپین وضع کی کاٹھی پر سونے سے وضو کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 71/1)

روسر کی شکر کی نجاست وعدم نجاست کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 87/2)

-7 بلاٹنگ سے استنجاء کا حکم: ہ156/2)

-8 چلتی ریل میں فرض، واجب پڑھنے کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 44/3)

-9 صدری یا چغہ جن میں بوتام لگائے ہوئے نہ ہوں، انھیں پہن کر نماز پڑھنے کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 447/3)

-10 بینک، ڈاک خانہ میں جمع شدہ روپیوں پر زکوٰۃ کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 416/4)

-11 ڈاک خانہ کے پرامیسری نوٹوں کا کم حکم (فتاویٰ رضویہ 416/4)

-12 نوٹ اور سونے چاندی کے سکے حکم میں یکساں ہیں یا نہیں؟ (فتاویٰ رضویہ 418/4)

-13 پری زور فنڈ میں زکوٰۃ کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 425/4)

-14 منی آرڈر کی فیس کا زکوٰۃ میں شمار نہ ہونے کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 450/4، 197 تا 214)

-15 سرنا فنڈ میں زکوٰۃ یا قربانی کی قیمت دینے کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 492/4)

-16 رویت ہلال کے ثبوت میں تار کے غیر معتبر ہونے کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 523/4)

-17 حالت روزہ میں منجن کرنے کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 596/4)

-18 عوامی جائیداد کا سرکاری نیلام کرنے کا حکم: 13/7)

-19 پگڑی کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 59/6 تا 367)

-20 ڈگری میں مالک کی رضامندی کے بغیر اس کی جائیداد نیلام کرنے کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 13/7)

-21 آڑھت میں مال جمع کر کے اس کی پیشگی قیمت آڑھت دار سے لینے کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 13/7)

-22 بینک میں جمع شدہ رقم پر زائد روپیہ ملنے کا حکم:

(فتاویٰ رضویہ 118,117,102,97,7)

-23 پراویڈنٹ فنڈ میں کٹی ہوئی رقم پر زائد رقم ملنے کا حکم:

(فتاویٰ رضویہ 183,8,100,7)

-24 کوآپریٹو بینک بنا کر سود پر چلانے کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 101,7)

-25 کمپنی کے حصص (شیئر بازار) کی خرید وفروخت کا حکم (فتاویٰ رضویہ 111,7)

-26 بیمہ سے متعلق حکم: (فتاویٰ رضویہ 115,113,7)

-27 کرنسی نوٹ کا حکم (فتاویٰ رضویہ 119,197,126,7 تا 229)

-28 ہنڈی کے عدم جواز کا مسئلہ (فتاویٰ رضویہ 246,7)

-29 ہنڈی کی تعریف، اس کے جواز کی ایک صورت اور اہل حرب سے اس عقد کا حکم (فتاویٰ رضویہ 290,289,7)

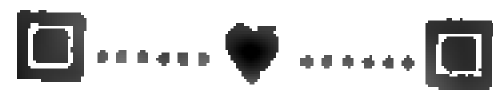
-30 دیہات کے ٹھیکہ سے متعلق حکم (فتاویٰ رضویہ 196,186,8)

-31 گراموفون پر سجدۂ تلاوت سننے سے متعلق حکم (فتاویٰ رضویہ 11/9 تا 28)

-32 اسپرٹ، الکحل وغیرہ کے استعمال کا حکم: (فتاویٰ رضویہ 22/9 (نصف اول)، 6/9، (نصف آخر) 120/2، 136، 89/10، 22، 50)

-33 ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ (اعلام الأعلام الخ)

-34 حقہ کے پانی کا حکم: (حقۃ المرجان الخ)



نفیس احمد مصباحی (جامعہ اشرفیہ اعظم گڑھ، یو پی)

امام احمد رضا قادری کا

قدرت الٰہی واحادیث نبوی پر ایمان ویقین

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی ان علمائے ربانیین، صوفیہ باصفا اور مردان حق آگاہ میں سے تھے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے ولایت کا منصب جلیل عطا فرمایا تھا۔ قرآن کریم میں صاف لفظوں میں اولیائے کرام کے بارے میں ارشاد ہوا: (یونس 63-62)

''سنو! اللہ کے ولیوں کو نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے رہے۔'' اس آیت کریمہ میں اولیاء اللہ کی یہ پہچان بتائی گئی کہ وہ ایمان و یقین والے ہوتے ہیں اور ساتھ ہی اپنی عملی زندگی میں وہ تقویٰ و پرہیزگاری بھی اپناتے ہیں۔ ایمان تو عام مومنوں میں بھی پایا جاتا ہے مگر اولیاء اللہ اور مردان خدا کے ایمان و یقین کی شان ہی نرالی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت پر ان کا ایمان جتنا طاقتور اور مستحکم ہوتا ہے اسی کے مطابق انھیں منصب ولایت عطا ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کی زندگی کا مطالعہ کیجیے تو جگہ جگہ اس کے شواہد و دلائل ملتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر اور سرکار کے اقوال و ارشادات پر ان کا ایمان و یقین درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے ایمان و اذعان کے دلائل وشواہد۔

قدرت الٰہی پر یقین واذعان

رب قدیر کی قدرت کاملہ پر انھیں ہر وقت کامل یقین رہتا۔ امام احمد رضا بہت سے علوم وفنون کی طرح علم نجوم کے بھی ماہر تھے۔ عموماً اہل نجوم اپنے ظنی علم پر اتنا اعتماد اور بھروسا رکھتے تھے کہ اپنے علم وفن کے نشے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بھول جاتے تھے ان کے یہاں علم وفن کے نتائج اپنی جگہ، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین واعتماد کو سب پر انھیں بالا دستی

حاصل تھی۔

مولانا محمد حسین بریلوی (موجد طلسمی پریس بریلی) کے والد علم نجوم میں بڑے ماہر تھے۔ ستاروں کی شناخت اور ان کی چال سے نتائج نکالنے میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ عمر میں اعلیٰ حضرت سے بڑے اور ان کے والد ماجد مولانا نقی علی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملنے والوں میں تھے۔

یہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت نے دریافت کیا: فرمایئے بارش کا کیا انداز ہے؟ کب تک ہوگی؟ انھوں نے ستاروں کی وضع کا زائچہ بنایا اور فرمایا: اس مہینے میں پانی نہیں ہے، آئندہ ماہ میں بارش ہوگی۔ یہ کہہ کر زائچہ اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھا دیا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: اللہ کو سب قدرت ہے، چاہے تو آج ہی بارش ہو، انھوں نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے، کیا ستاروں کی وضع نہیں دیکھتے؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: محترم: ''میں سب دیکھ رہا ہوں اور اس کے ساتھ ان ستاروں کے بنانے والے اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں۔''

پھر اس مشکل مسئلہ کو بڑے آسان طریقے سے سمجھایا۔ سامنے گھڑی لگی ہوئی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے ان سے پوچھا: وقت کیا ہے؟ بولے سوا گیارہ بجے ہیں، فرمایا: بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے؟ بولے پون گھنٹہ، فرمایا: اس سے پہلے؟ کہا، ہرگز نہیں، ٹھیک پون گھنٹہ، اعلیٰ حضرت اٹھے اور بڑی سوئی گھما دی۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ حضرت نے فرمایا: آپ نے کہا تھا، ٹھیک پون گھنٹہ بارہ بجنے میں باقی ہے۔ وہ بولے: اس کی سوئی کھسکا دی ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹہ بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اسی طرح اللہ رب العزت قادر مطلق ہے کہ جس ستارے کو جس وقت جہاں چاہے پہنچا دے۔ وہ چاہے تو ایک مہینہ ایک ہفتہ، ایک دن کیا ابھی بارش ہونے لگے۔'' اعلیٰ حضرت کی زبان مبارک سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹائیں چھانے لگیں اور فوراً پانی برسنے لگا (حیات اعلیٰ حضرت از مولانا ظفر الدین رضوی بہاری؛ ڈاامام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی، ص 51، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور)

کیا قدرت خداوندی پر ایسا اعلیٰ درجہ کا ایمان و یقین کسی ماہر نجوم کے یہاں مل سکتا ہے اور کیا زبان کی ایسی تاثیر کسی عالم ظاہر کے یہاں دست یاب ہوسکتی ہے۔ یہ واقعہ اس

بات کی بین دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت ایک عالم ربانی، عارف صمدانی، ولی کامل، صوفی زندہ دل اور مستجاب الدعوات مرد خدا تھے۔

یہ تو قدرت الٰہیہ پر ایمان و یقین کی بات ہے جو ہر مومن کے قلب میں ہونا چاہیے۔ اگر یہ بالکل ہی نہ ہو تو مومن ہی کہاں؟ اور اگر اس حد تک نہ ہو تو مومن ضرور ہے مگر عارف اور کامل الایمان ہرگز نہیں۔

ارشادات رسول پر اعتماد و یقین

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سچے عاشق رسول اور عارف حق تھے، انھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور ارشادات پر مکمل یقین و اعتماد تھا۔ انھیں ان حدیثوں پر یقین کامل ہوتا جو اخبار آحاد ہوتیں اور جن سے ثبوت کو علماء و محدثین ظنی قرار دیتے ہیں، یقینی نہیں مانتے۔ جب ان احادیث کا حکم لکھنے کی باری آتی ہے تو خود اعلیٰ حضرت بھی انھیں ظنی الثبوت لکھتے ہیں لیکن یہ معاملہ احکام شریعت تک ہے اور اس کے کچھ خاص اسباب و نتائج ہیں جن میں علمی و فقہی باریکیاں ہیں۔ تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے مجھے یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ احادیث جو غیر احکام میں ہوں اور کسی منصوص شرعی کے معارض مخالف نہ ہوں، اگر ان پر کسی مومن کو آج بھی یقین کامل ہو اور وہ اس پر عمل کرے تو جائز ہے اور شرعاً اسے اس کا حق ہے۔ رب کریم فرماتا ہے۔ حدیث قدسی ہے: میرا بندہ میرے ساتھ جیسی امید رکھتا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ امام احمد رضا کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر پورا اعتماد اور اپنے مالک جل وعلا کی رحمت پر پختہ یقین تھا اور یہ صرف زبانی جمع خرچ تک نہ تھا بلکہ ایک عارف کامل، عاشق صادق اور ولی وقت کو جیسا یقین و اذعان ہوتا ہے ویسا ہی تھا۔ آپ کی زندگی میں اس کے بہت سے دلائل و شواہد موجود ہیں۔

ایک بار کسی غریب کے یہاں دعوت میں گائے کا گوشت کھانا پڑا۔ گائے کا گوشت آپ کو سخت نقصان کرتا تھا، مگر ایک غریب مومن کی دل جوئی کے لیے آپ نے تناول فرمالیا جس کے اثر سے گلٹی نکل آئی۔ بولنا، پڑھنا سب موقوف ہو گیا۔ نماز سنت بھی کسی کی اقتدا میں ادا کرتے۔ ان دنوں بریلی میں طاعون کا زور تھا۔ نہ معلوم کتنے افراد اس مہلک بیماری سے لقمہ اجل بن چکے تھے۔ طبیب نے دیکھ کر کہا: ''وہی ہے'' اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: میں بول نہ سکتا

تھا، اس لیے جواب نہ دے سکا۔ دل میں بارگاہ رب العزت کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا، خداوند، اپنے حبیب کا قول سچا کر دکھا اور طبیب کا قول جھوٹا، فوراً جیسے کسی نے کان میں ایک تدبیر بتائی، مسواک اور گول مرچ، لوگ رات میں باری باری میرے لیے جاگتے تھے، اس وقت جو شخص جاگ رہا تھا میں نے اسے اشارے سے بلایا اور اسے مسواک اور گول مرچ کا اشارہ کیا۔ وہ مسواک کو سمجھ گیا، گول مرچ بڑی مشکل سے سمجھا۔ میں نے بڑی دقت سے مسواک کے سہارے تھوڑا منہ کھولا اور دانتوں پر مسواک رکھ کر گول مرچ کا سفوف چھوڑ دیا اور اسی طرح پسی ہوئی مرچیں داڑھوں تک پہنچائیں۔ تھوڑی دیر میں ایک کلی خالص خون کی آئی، مگر کوئی تکلیف و اذیت محسوس نہ ہوئی، اس کے بعد ایک کلی خون کی اور آئی اور بحمد اللہ وہ گلٹیاں جاتی رہیں، منہ کھل گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور طبیب صاحب کو کہلا بھیجا کہ آپ کا وہ "طاعون" بفضلہٖ تعالیٰ جاتا رہا، دو تین روز میں بخار بھی جاتا رہا۔

اسی واقعہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ مجھے نوعمری میں آشوب چشم اکثر ہوتا اور بوجہ حدت مزاج تکلیف دیتا۔ 19 سال کی عمر میں رام پور جاتے ہوئے ایک شخص کو آشوب چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ ایک دعا پڑھ لی۔ اس وقت سے اب تک آشوب چشم کبھی نہیں ہوا مگر مجھے اس موقع پر اس دعا کے پڑھنے کا افسوس ہے کیونکہ سرکار کا ارشاد ہے کہ تین بیماریوں کو ناپسندیدہ نہ جانو (1) زکام: کیونکہ اس کی وجہ سے بہت سے بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ (2) کھجلی: کیونکہ اس سے جذام وغیرہ جلدی بیماریوں کا سدباب ہو جاتا ہے۔ (3) آشوب چشم: کیونکہ یہ نابینائی کو ختم کرتا ہے۔ خیر اس دعا کی برکت سے آشوب چشم تو جاتا رہا۔ جمادی الاولیٰ 1300ھ میں ایک اور مرض پیش آیا۔ کچھ اہم تصانیف کے سبب ایک مہینہ کامل باریک تحریر کی کتابیں شب و روز مسلسل دیکھنا ہوا۔ یہ عمر کا 28 واں سال تھا، اندر کے دالان میں مطالعہ اور تصنیف کا کام ہوتا، گرمی کا موسم تھا، میں نے اندھیرے کا خیال نہ کیا، ایک دن لکھتے لکھتے گرمی کی شدت کی وجہ سے دوپہر کو غسل کیا۔ سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز دماغ سے داہنی آنکھ میں اتر آئی۔ ایک سربرآوردہ ڈاکٹر نے آلات سے بہت دیر تک بغور دیکھا اور کہا کتب بینی کی کثرت کی بنا پر کچھ خشکی آ گئی ہے، پندرہ دن کتاب نہ دیکھو، مجھ سے پندرہ گھڑی بھی صبر نہ ہوا۔ حکیم سید مولوی اشفاق حسین صاحب مرحوم سہسوانی ڈپٹی کلکٹر نے فرمایا: مقدمہ نزول آب ہے، بیس برس بعد پانی اتر آئے گا، میں نے کوئی توجہ نہ کی اور نزول آب والے

مریض کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی اور اپنے محبوب پاک ﷺ کے ارشاد پاک پر مطمئن ہو گیا۔

1316ھ میں ایک اور ماہر حکیم کے سامنے ذکر ہوا، بغور دیکھ کر کہا۔ چار برس بعد پانی اترے آئے گا، ان کا حساب ڈپٹی صاحب کے حساب کے بالکل موافق آیا، انھوں نے بیس برس کہے تھے۔ انھوں نے سولہ سال بعد چار کہے۔ مجھے محبوب پاک ﷺ کے ارشاد پر ایسا (کمزور) اعتماد نہ تھا کہ معاذ اللہ حکیموں کے کہنے سے متزلزل ہو جاتا۔ بیس درکنار، تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں اور وہ حلقہ ذرہ برابر نہ بڑھا، نہ میں نے کتاب بینی میں کبھی کمی کی، نہ ان شاء اللہ کمی کروں گا۔ یہ میں نے اس لیے بیان کر دیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے دائم و باقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جا رہے ہیں اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کرتے رہیں گے۔ (حیات اعلیٰ حضرت: ج 1، ص 173-170)

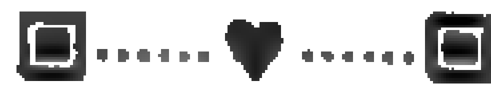
امام احمد رضا کے دوسرے سفر حج کا واقعہ ہے...... مکہ مکرمہ میں حضرت کو بخار تھا، فرماتے ہیں: اواخر محرم میں بفضلہ تعالیٰ صحت ہوئی، وہاں ایک سلطانی حمام میں نہا کر باہر نکلا ہی تھا کہ ابر دیکھا جو حرم شریف پہنچتے پہنچتے برسنا شروع ہو گیا۔ مجھے حدیث یاد آئی کہ جو بارش کے دوران طواف کرتا ہے وہ رحمت الٰہی میں تیرتا ہے۔ فوراً حجر اسود کا بوسہ لے کر بارش میں ہی سات پھیرے طواف کیا۔ بخار دوبارہ آ گیا۔ مولانا سید اسماعیل نے فرمایا: ایک ضعیف حدیث کے لیے تم نے اپنے بدن کی یہ بے احتیاطی کی۔ میں نے کہا: حدیث ضعیف ہے، مگر بحمد اللہ تعالیٰ امید قوی ہے، یہ طواف بحمدہ تعالیٰ بہت مزے کا تھا۔ بارش کے سبب طواف کرنے والوں کی وہ کثرت نہ تھی۔ (حیات اعلیٰ حضرت: ج 1، ص 445)

حدیث شریف میں ایک دعا ہے کہ کسی کشتی پر سوار ہوتے وقت پڑھ لی جائے تو کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہے گی۔ امام احمد رضا نے پہلے سفر حج میں جہاز پر سوار ہوتے وقت وہ دعا پڑھ لی تھی، ساتھ میں آپ کے والدین کریمین بھی تھے۔ سمندر میں سخت طوفان آیا۔ لوگوں نے کفن پہن لیے۔ والدہ ماجدہ بہت پریشان ہوئیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ان کا اضطراب دیکھ کر بے ساختہ میری زبان سے نکلا: ''آپ اطمینان رکھیں، خدا کی قسم، یہ جہاز نہ ڈوبے گا، یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی۔ حدیث کے سچے وعدے پر میں مطمئن تھا۔ پھر قسم نکل جانے سے مجھے اندیشہ ہوا تو اللہ عزوجل کی طرف رجوع کیا اور سرکار رسالت سے مدد مانگی۔ وہ مخالف ہوا جو تین دن سے پورے زور شور کے ساتھ چل رہی تھی،

بحمد اللہ تعالیٰ گھڑی بھر میں موقوف ہوگئی اور جہاز نے نجات پائی۔ (حیات اعلیٰ حضرت)

بہت سی حدیثیں اپنی سندوں کے باعث محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، اہل عرفان اور اولیائے کرام کے نزدیک کشف و مشاہدہ کے باعث قوی ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی کتاب "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" میں اس کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے۔ یہ گراں قدر رسالہ فتاوی رضویہ جلد دوم میں شامل ہے۔

بہر حال امام احمد رضا کو ان ضعیف حدیثوں پر بھرپور اعتماد واذعان ہوتا جو کسی نص شرعی کے مخالف نہ ہوتیں اور فضائل رجال اعمال میں بلا تکلف ان پر عمل کرتے۔ البتہ موضوع حدیث کو کسی طرح قابل عمل نہ گردانتے کیونکہ وہ حدیث ہی نہیں، کسی خدا ناترس، بدبخت کی من گڑھت ہے۔ ان واقعات وشواہد میں احادیث نبویہ پر اعلیٰ حضرت امام احمد کا قلبی یقین اور کمال ایمان واذعان پوری طرح نمایاں نظر آتا ہے اور ان کی ولایت وروحانیت اور تصوف وعرفان کا سورج پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ آرا نظر آتا ہے۔



مولانا محمد توقیر رضا خاں (سینئر اعلیٰ حضرت بریلی)

امام اہلسنّت کا نسخۂ کیمیا

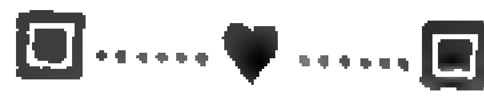
دنیا جس برق رفتاری کے ساتھ ترقی کی منازل طے کر رہی ہے، اتنی ہی تیزی کے ساتھ نت نئے فتنے بھی جنم لے رہے ہیں۔ نئی بوتل میں پرانی شراب کی مثل قدیم جاہلیت کو سیل بند کر کے آزادی رائے و حقوق انسانی کے عنوان سے جامہ شراب میں پیش کیا جا رہا ہے اور اس دام فریب کا سب سے زیادہ شکار دانشور، ترقی پسند اور اعلیٰ تعلیم یافتہ شمار کیا جانے والا طبقہ خصوصاً مسلمان بن رہا ہے اور اسے یہ کہنے میں ذرا بھی شرم و عار محسوس نہیں ہوتی کہ اسلام وقت و حالات کا ساتھ نہیں دے پا رہا ہے۔ یہ یہود و نصاریٰ کی اس منظم منصوبہ بند سازش کا نتیجہ ہے کہ جس کے ذریعہ وہ روز اول سے اسلام اور مسلمانوں کو اس کی تہذیب، معاشرت، عائلی قوانین اور تعلیم و زبان سے تعلق منقطع کر دینے کے لیے جی جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دیگر ادیان کی طرح اسلام کو بھی محض چند عبادات اور رسومات کا مجموعہ بنا کر اس کی روح وحمیت سے جدا کر دیا جائے۔

جو دوسروں کو نظر نہیں آتا اسے مجدد اپنی حکمت و دانائی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا کردہ بصیرت ایمانی سے دیکھتا ہے اور قوم کو آنے والے خطرات سے آگاہ کراتا ہے۔ امام اہلسنّت مجدد دین و ملت مولانا مرشدنا الشاہ احمد رضا خاں الملقب بہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بہت پہلے ان تمام فتنہ سامانیوں سے نہ صرف آگاہ فرماتے رہے بلکہ ان کے سد باب کا نسخہ کیمیا بھی عطا فرما دیا۔ افسوس کہ نہ صرف عوام بلکہ خواص بھی اعلیٰ حضرت کے اس نسخہ کیمیا کو درگزر کر بیٹھے اور وہ صرف کتابوں کی ہی زینت بن کر رہ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ عوام الناس عموماً اور ملت اسلامیہ خصوصاً ذلت و رسوائی نیز تباہی و بربادی سے دوچار ہے۔ امت مسلمہ کی مایوس و ہراساں زندگی اور ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کو آج بھی منزل مقصود اور ساحل سے ہمکنار کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہمارے ائمہ، نائبین، مبلغین و عمائدین اپنے اپنے فرض منصبی کا حق ادا کرنے کا پختہ عزم کر لیں۔ اس موقع پر اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں بھی ایک بہتر

اور افضل ترین خراج عقیدت ہوگا۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہی وہ نسخہ کیمیا ہے جو اعلیٰ حضرت نے پیش فرمایا یعنی رسول مقبول ﷺ سے محبت اور وفاداری و اتحاد لیکن آج عملاً اور قولاً ہر طرح سے رسول سے عداوت اور بے وفائی کا علی الاعلان مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو ترقی یافتہ کہلائے جانے میں فخر محسوس کرنا مسلمانوں کا شیوہ و خاصہ بنتا جا رہا ہے۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان فتنوں سے محفوظ فرمائے اور اعلیٰ حضرت کے ارشادات پر عمل و ایقان کی توفیق رفیق عطا فرمائے، آمین۔



ظہیر القادری خاطر جامعی (دار العلوم علی حسن اہل سنت، سا کینا کہ ممبئی)

امام احمد رضا بحیثیت مفتی شرع

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی رضا کے لیے حضرت انسان کو جو ذرائع عطا کیے ہیں، وہ اَن گنت ہیں، ان ہی ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ ''افتاء'' (فتویٰ نویسی) بھی ہے جس کا تعلق علم القرآن والاحادیث سے ہے جس کے ذریعہ انسان واقعات اور احادیث کا شرعی حکم بتاتا ہے اور احکام اسلام سے ناواقف افراد کو راہ عمل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس طرح مفتی اور مستفتی دونوں اپنے پروردگار کی خوشی حاصل کرتے ہیں۔

لیکن افتاء کیا ہے؟ افتاء کا اہل کون ہے؟ کیا ہر شخص فتویٰ دے سکتا ہے؟ مفتی کے اندر کتنی چیزوں کا ہونا ضروری ہے؟ یہ ساری چیزیں موجب طوالت ہیں، مختصر اتنا کہ فتویٰ دینے کے لیے فقہائے شریعت کے نزدیک کچھ اصول ہیں، جن کا جاننا ضروری ہے، کچھ اوصاف ہیں جن کا ہونا ضروری ہے۔ فقہاء کے ان ہی اوصاف واصول سے جو مفتی مزین ہوتو اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے شخص کی بارگاہ میں اپنے بندوں کو رجوع کرنے اور مسائل پوچھنے کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: "فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون." (سورۃ النحل)

ان کا درجہ عند اللہ بہت بڑا ہے، قرآن و حدیث سے ایسے شخص کی بڑی فضیلت و اہمیت ثابت ہے لیکن دوسری طرف وہ مفتی عند اللہ مجرم ہے جو محض شہرت، حکومت اور دولت کے لالچ میں احکام اسلام کی پاسداری کیے بغیر اپنے من مانی فتویٰ دیتا ہے، ایسا شخص مفتی شریعت نہیں بلکہ مفتی طبیعت ہے جس کی ترکیب ''مفت'' اور یائے نسبتی سے ہے۔ رسول گرامی وقار ﷺ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ علم کو اٹھالے گا تو لوگ جاہل سرداروں کو اپنا رہنما بنالیں گے۔ جب ان سے مسائل پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (رواہ البخاری والمسلم)

آج ایسے مفتیوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔ (اللہ انھیں ہدایت دے) لیکن تاریخ کی پیشانی پر عہد صحابہ سے اب تک ایسے جلیل القدر مفتیان کرام کی لمبی فہرست بھی منقوش ہے جن کے دل

ودماغ میں خودخدا اور عشق مصطفیٰ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا جو "یحق الحق و یبطل الباطل ولو کرہ المجرمون" کے مظہر اتم تھے جنھوں نے اپنی پوری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے وقف کر دی جن کے قلم نے کبھی خلاف شرع نہیں لکھا اور جن کا قدم کبھی خلاف دین نہیں اٹھا۔ ان ہی نفوس قدسیہ میں سے ایک بابرکت ذات مجدد اعظم، ماہر علوم کثیرہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان التوفی 1340ھ کی ہے۔ جنھوں نے اپنی 65 سالہ زندگی میں تبلیغی، تدریسی، تصنیفی اور تجدیدی خدمات کے علاوہ افتاء کے بے شمار کام انجام دیے اور رہتی دنیا تک لوگوں کی ہدایت کے لیے قرآن، حدیث، اجماع اور فقہاء کرام کی جزئیات سے متخرجہ مسائل کا حسین گلدستہ "فتاویٰ رضویہ" بہ شکل اسلامی انسائیکلو پیڈیا چھوڑ گئے۔ اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کا ہر فتویٰ تحقیقی، قرآن و حدیث سے پر اور ائمہ کرام کے اقوال سے مزین ہے۔ اگر فقہاء کے اصول کے آئینہ میں ان فتوؤں کا مطالعہ کیا جائے تو آپ وقت کے علامہ شامی نظر آتے ہیں۔ 55 سے زائد علوم پر دسترس حاصل کرنے والے اس مجدد کے فتوؤں میں اگر وہ اصول تلاش کیے جائیں جن کو فقہاء کرام فتویٰ دینے کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں تو وہ اصول فتوؤں میں بطریق اکمل اور بطور اتم نظر آئیں گے بلکہ اس سے بھی زیادہ کہیں فن افتاء سے تعلق رکھنے والا شخص جب اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ دیکھتے ہی حیران و ششدر رہ جاتا ہے اور بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے: "انک آیة من آیات اللہ و معجزة من معجزات الرسول." ذیل میں اعلیٰ حضرت کے فتویٰ دینے کی چند خصوصیات پیش ہیں جس میں آپ کو انفرادی حیثیت حاصل ہے۔

(1) حوالہ میں کثرت: فقہاء فرماتے ہیں کہ مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس بات کو بطور ثبوت پیش کر رہا ہے اس کا حوالہ دیں کہ وہ بات کہاں سے منقول ہے۔ فتویٰ میں حوالہ ضروری ہے۔ اٹکل پچو فتویٰ دینا جائز نہیں۔ علامہ خیرالدین رملی فرماتے ہیں: "فالمفروض علی المفتی والقاضی التثبت فی الجواب وعدم المجازفته فیھما." علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "لایجوزله ان یفتی من کتاب ولامن کتابین" ترجمہ مفتی کے لیے جائز نہیں کہ ایک دو کتاب سے فتویٰ دے۔ فقہاء کے اس قاعدہ کے تحت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے فتاویٰ دیکھیے تو آپ کے فتاویٰ میں حوالہ ہی نہیں بلکہ حوالوں کا نہ تھمتا ہوا ایک سیلاب نظر آتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرنے والے حضرات بخوبی جانتے

ہیں کہ آپ کے فتوؤں میں کس قدر حوالے ہیں) ہر فتویٰ قرآن، حدیث، اجماع، قیاس، فقہاء کے متون، شروح اوران کے جزئیات سے بھرا ہوا ہے۔ حوالہ میں اس قدر کثرت ہے کہ ہر فتویٰ ان کے تبحر علمی کی گواہی دیتا ہے۔ کسی فتویٰ میں سوسو حوالہ ہے، کسی میں دوسو کسی میں تین سو بلکہ کسی کسی فتوی میں پانچ سو سے بھی زائد حوالے ہیں۔

بالیقیں سب حضرتوں نے اعلیٰ حضرت کہہ دیا
علم جب دیکھا تمہارا اے مرے احمد رضا

چند فتوے نمونہ کے طور پر پیش ہیں: (1) دونمازیں اکٹھی پڑھنے کے شرعی حکم میں 365 حوالے ہیں۔ اس فتویٰ کا نام "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین" ہے۔ (2) اذان میں سرکار دوعالم ﷺ کے نام پر انگوٹھے چومنے کے مسئلے میں 405 حوالے ہیں۔ اس فتویٰ کا نام "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" ہے۔ (3) اذان قبر کے جواز پر قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر سے 62 دلائل بطور حوالہ ہیں۔ اس فتویٰ کا نام "ایذان الاجر فی اذان القبر" ہے۔ (4) تیمم جنس ارض سے کیا مراد ہے؟ اس فتویٰ میں 251 حوالے ہیں۔ اس فتویٰ کا نام "المطر السعید علی نبت جنس الصعید" ہے۔ (5) سماع اموات کے فتوی میں 570 حوالے ہیں۔ اس فتویٰ کا نام "حیات الموات فی بیان سماع الاموات" ہے۔ مزید حوالہ جات معلوم کرنے کے لیے فتاویٰ رضویہ دیکھیں)

(2) مرجع العلماء: امام احمد رضا خاں کے باب الافتاء میں دوسری سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ اپنے وقت کے مرجع العلماء تھے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اصولیین کا ایک قاعدہ ملاحظہ فرمائیے۔ اصولیین کہتے ہیں: ''مفتی اگر مجتہد نہ ہو اور اس کو صورت مسئولہ میں کوئی روایت، نص، قول یا جزئیات ملے تو وہ اپنے سے بڑے مفتی کی طرف رجوع کرے۔

اس قاعدے کی روشنی میں اگر اعلیٰ حضرت کی ذات کو دیکھا جائے تو آپ کا تبحر علمی اور فقہی مہارت سورج کی روشنی کی طرح چمکتی دمکتی دکھائی دے رہی ہے۔ اندازہ لگایئے کہ آپ اپنے وقت کے افقہ الناس تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ وقت کے بڑے بڑے علماء اور فقہاء مسائل شرعیہ کے حل کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ استفتاء کرنے والے علماء اور مفتیوں کی تعداد ایک ہزار اکسٹھ ہے۔ جب انھیں تحقیقی جواب طلب کرنا ہوتا تو وہ آپ کے علم

دانی کی طرف رجوع کرتے۔ علامہ امجد علی گھوسی (صدر الشریعہ) علامہ عبدالقادر بدایونی (تاج الفحول) علامہ حشمت علی (شیر بیشہ اہلسنت) علامہ نعیم الدین مراد آبادی (صدر الافاضل) علامہ سید محمد کچھوچھوی (محدث اعظم) علامہ ظفرالدین (ملک العلماء) جیسے تبحر علماء آپ کے دارالافتاء کے مستفیض ہیں۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ اعلیٰ حضرت کو فقہ میں کس قدر مہارت تھی اور آپ اپنے وقت کے کتنے بڑے باصلاحیت مفتی تھے۔ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی اعتراف کیا۔ اسی فقہی مہارت کی گواہی ایک عربی داں، تبحر عالم کلید بردار کعبہ کی زبانی سنیے، کہتے ہیں ''ان کے زمانے میں فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو اس حقیقت پر ان کا فتاویٰ اور ان کی کتاب ''کفل الفقیہ'' شاہد ہے جو انھوں نے 1323ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی۔'' (نزہتہ الخواطر ص 14 ابوالحسن ندوی) (علماء اور فقہاء کے استفتاؤں کے تفصیلی جائزہ کے لیے فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کریں)

(3) بے نیازی اور خوف خدا: فقہاء کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ مفتی عادل اور ثقہ اور بے نیاز ہو اگر وہ بے نیاز نہیں، محض حرص اور لالچ میں فتویٰ دیتا ہے تو وہ فعل حرام کا مرتکب ہے۔ علامہ خیرالدین رملی فرماتے ہیں: "ویحرم اتباع النفس والتشهی المیل الی المال الذی هو الداهیة الکبری والمعصیة العظمی فان ذلک امر عظیم لا یتجاسر علیه الا کل جاهل شقی" (شرح عقود رسم المفتی)

آج کل کے نام نہاد مفتیوں کے اندر یہ وصف تقریباً مفقود ہے حضرت عمرؓ نے حضرت کعب سے پوچھا ''فما اخرج العلم من قلوب العلماء قال الطمع'' علم کو علماء کے دل سے کس چیز نے نکال دیا فرمایا ''لالچ نے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے "الرجل الفقیه فی الدین ان احتیج الیه نفعه و ان استغنی عنه اغنی نفسه" (متفق علیہ) دین کے فقیہ وہ شخص ہیں کہ اگر ان کی ضرورت پڑے تو نفع پہنچائیں اور اگر ان سے بے پروائی برتی جائے تو اپنے آپ کو بے نیاز سمجھے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی ذات پاک کو دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ آپ دین کے ایک سچے فقیہ اور مفتی شرع تھے۔ آپ کے اندر بے نیازی کا یہ عالم کہ کبھی خلاف شرع دنیوی اسباب کے لیے نہ قدم اٹھایا اور نہ قلم، تصلب فی الدین اس قدر کہ کسی کی مجال نہیں کہ سامنے کوئی خلاف شرع گفتگو یا سوال کر دے بے نیازی، صبر، تحمل اور بردباری جیسے اوصاف کے حامل کامل تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ نان پارہ

کا کوئی نواب اپنی تعریف لکھوانے آپ کی چوکھٹ پر آیا تو آپ اس کے دل کے قضیہ کو اس طرح عکس کیے کہ ان کو منہ کی کھانی پڑی اور دبے پاؤں واپس لوٹے اور اعلیٰ حضرت نے عشق نبی میں ڈوب کر فرمایا:

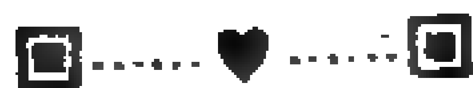
کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

(حدائق بخشش)

(4) عرف اور لوگوں کے احوال سے واقف: علماء شرع متین کہتے ہیں کہ ایک مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے احوال اور اصطلاحات میں اچھی طرح واقف ہو، فقہاء کا مشہور قول ہے: "**من جهل باهل زمانه فهو جاهل**" "**المفتی فی الواقع لا بدله من معرفة احو الناس**" فقہاء کے اس قاعدہ کے تحت اعلیٰ حضرت کو دیکھیے آپ ہر فتویٰ میں صاحب ہدایہ اور "الجوہر النیرۃ" کی طرح صورت مسئولہ کے ہر ایک گوشے پر تفصیلی گفتگو فرماتے ہیں پھر ہر ایک گوشے کا شرعی حکم بتاتے ہیں "کلی اور مسواک" کے فتوے میں تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "بدبودار کثیف بے احتیاطی حقہ پینے والوں کو اس کا خیال ضروری ہے (کہ خوب کلی اور مسواک کریں) ان سے زیادہ سگریٹ والے کو کہ اس کی بدبو مرکب تمباکو سے سخت تر اور زیادہ دیرپا ہے اور اس کا جرم دبا رہتا ہے یہ سب لوگ وہاں کلیاں کریں کہ منہ بالکل صاف ہو جائے اور بو کا اصلاً نشان نہ رہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج 1 ص 63)

بلکہ خود اعلیٰ حضرت ایک جگہ عرف پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں "مفتی اور حاکم دونوں پر لازم ہے کہ جہاں کی نسبت حکم یا فتویٰ دیں خاص وہاں کے رسم ورواج پر لحاظ کریں، دوسرا رواج اگرچہ کیسا ہو عام ہو وہاں کے اپنے رواج کا معارض نہیں ہوسکتا۔" (فتاویٰ رضویہ ج 18 ص 351)

یہ چند خصوصیات جس میں آپ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے راقم الحروف نے صفحات کی قلت کو دیکھتے ہوئے لکھیں ورنہ اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت کے ان گنت خصوصیات ہیں جس کے بیان کے لیے ایک جہاں کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں فیضان رضا سے مستفیض فرمائے۔



محمد ساجد رضا مصباحی (ریسرچ اسکالر جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم الشان فقہی کارنامہ! فتاویٰ رضویہ

فقیہ اسلام امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ (1340-1272ھ) مکمل 54 سال تک فتاویٰ تحریر فرماتے رہے، آپ کی بارگاہ میں ملک و بیرون ملک کے مختلف علاقوں سے بے شمار سوالات آتے اور آپ حسب ضرورت ان کے تفصیلی و اجمالی جوابات تحریر فرماتے، آپ کے فتاویٰ کی مجموعی تعداد کیا، اس کا اندازہ لگانا بھی بہت مشکل ہے، کیوں کہ ابتدائی 12 سال کے فتاوی کی نقل محفوظ نہیں رکھی جا سکی اور بعد کے فتاوی میں بھی مکررات حذف کر کے عموماً ایک ہی جواب نقل ہوتا۔ یہ فتاویٰ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویۂ کے نام سے 12 جلدوں تک پہنچ گیے۔ ان فتاویٰ کے عربی رسم الخط طباعت و اشاعت میں کن کن مراحل سے گزرنا پڑا اور ترتیب و تصحیح، تبییض و مقابلہ میں کن بزرگوں نے حصہ لیا، ذیل میں ہم اس تعلق سے ہر جلد کی اجمالی روداد پیش کرتے ہیں۔

جلد اول: امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ (1340-1272ھ) کے فتاوی کی اشاعت کا سلسلہ 1327ھ سے شروع ہوا، پہلی جلد آپ کی حیات مبارکہ ہی میں 1335ھ میں مطبع اہل سنت بریلی شریف سے شائع ہو کر منظر عام پر آگئی، پہلی بار تعداد اشاعت ایک ہزار تھی۔ اس جلد کی خصوصیت یہ ہے کہ کتابت کی تصحیح اور اصلاح کا کام صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ (1367-1296ھ) نے کیا ہے اور پھر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے بھی اس کو ملاحظہ فرمایا ہے، فہرست بھی آپ ہی کی تیار کی ہوئی ہے اور حاشیہ بھی خود ہی رقم فرمایا ہے، اس جلد میں کتاب الطہارۃ سے متعلق فتاوی ہیں۔ 880 صفحات پر مشتمل اس جلد میں ہزاروں مسائل کے علاوہ 28 رسائل بھی شامل ہیں۔ (مقدمہ فتاویٰ رضویہ جلد نہم)

جلد دوم: پہلی جلد کی اشاعت کے تقریباً نو سال بعد 1344ھ میں حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ (1367-1296ھ) نے دوسری جلد مطبع اہل سنت بریلی شریف سے شائع کی، اس جلد کی کتابت کاتب فیض الحسن لوح نویس نے کی ہے، بقیہ امور

صدر الشریعہ نے انجام دیے، اہتمام میں حضرت علامہ ومولانا ابراہیم رضا خاں بریلوی کا نام مرقوم ہے، اشاعت اوّل میں اس جلد میں فہرست نہیں تھی، دوسری بار امام النحو علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ نے مکتبہ سمنانی اندرکوٹ میرٹھ سے شائع کیا ہے، جس میں فہرست بھی موجود ہے جو انہوں نے ہی ترتیب دی ہوگی۔ اس جلد میں کتاب الطہارۃ کے بقیہ ابواب اورکتاب الصلاۃ کے باب الاذان تک کا حصہ شامل کیا گیا ہے، اس میں 7 رسائل بھی شامل ہیں۔(حوالہ سابق)

جلد سوم: تیسری جلد کی اشاعت کا سبب یہ ہوا کہ غالباً 1378ھ میں شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ (1310-1402ھ) دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے، حضرت علامہ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ (متوفی 1391ھ/ 1971ء) ان دنوں یہاں کے نائب شیخ الحدیث تھے، انہوں نے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ سے عرض کیا: حضور! فتاوی رضویہ کی اشاعت کا کوئی انتظام ہوا یا نہیں؟ حضور مفتی اعظم ہند نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کے سوا کس سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے؟ بس حضور مفتی اعظم ہند کا یہی جملہ علامہ عبد الرؤف صاحب بلیاوی کے لیے مہمیز ثابت ہوا، آپ بلند عزائم اورحکمت و تدبر والے شخص تھے، آپ نے فتاوی رضویہ کی غیر مطبوعہ جلدوں کی اشاعت کے لیے دارالعلوم اشرفیہ کی رہنمائی میں سنی دارالاشاعت مبارک پور کی بنیاد ڈالی اوراس ادارے کے نظم وضبط کے لیے حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی نائب ناظم دارالعلوم اشرفیہ قاری محمد یحییٰ صاحب ناظم اعلیٰ دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اور بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی کو اپنا ہم دم وہم قدم بنایا۔

دو جلدیں پہلے ہی شائع ہوچکی تھیں۔ علامہ عبد الرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمۃ (متوفی 1391ھ/ 1971ء) نے جلد سوم سے جلد ہشتم تک کا مسودہ حضور مفتی اعظم ہند سے حاصل کیا، جلد سوم کو مبیضہ کے لیے مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی دامت برکاتہم کو دیا گیا، انہوں نے مبیضہ کے ساتھ پوری جلد کو مبوب مفصل بھی کیا۔

کتابت کے لیے لکھنو کے ایک مشہور کاتب کی خدمات حاصل کی گئیں، پروف کی تصحیح اور اصل سے مقابلہ کا کام حضرت علامہ عبد الرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمۃ (متوفی 1379-1971ھ) نے بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی کے تعاون سے کیا، فہرست بھی خود ہی

مرتب فرمائی، طباعت سرفراز پریس لکھنو میں ہوئی، محرم 1379ھ میں تیسری جلد کا کام شروع ہوا تھا، 1381ھ میں کتاب منظر عام پر آگئی، یہ جلد 815 صفحات پر مشتمل ہے جس میں کتاب الصلاۃ کے باب شروط الصلاۃ تا باب الکسوف والاستسقا کے فتاویٰ شامل کیے گئے ہیں۔ ان میں 16 رسالے بھی شامل ہیں، 10 رسالے اور بھی تھے جنہیں اس جلد میں شامل ہونا تھا لیکن بروقت دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے انہیں شامل اشاعت نہیں کیا جاسکا، اس ایڈیشن کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں ساری جلدیں ختم ہوگئیں (مقدمہ فتاوی رضویہ جلد دوازدہم)

جلد چہارم: جلد سوم کی شاندار مقبولیت کے بعد چوتھی جلد کا کام بھی سنی دارالاشاعت مبارک پور ہی کے زیر اہتمام شروع ہوا۔ مبیضہ اس بار بھی مجیب الاسلام نسیم اعظمی نے تیار کیا۔ کتابت میں عمدگی لانے کے لیے اس بار کان پور کے مشہور کاتب صہبا کان پوری سے معاملہ طے ہوا اور مسودہ ربیع الاول 1383ھ میں کاتب کے سپرد کردیا گیا لیکن امید کے برعکس دو سال بعد 18 صفر 1385ھ کو تقریباً تین سو صفحات کی کتابت کر کے کاتب نے مسودہ واپس کردیا، پھر بقیہ حصہ کی کتابت لکھنو کے ایک کاتب نے کی۔ تصحیح میں اس دفعہ علامہ عبد الرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمۃ (متوفی 1391ھ/ 1971ء) اور مفتی عبد المنان اعظمی کے ساتھ دارالعلوم اشرفیہ کے کچھ منتہی درجات کے طلبہ بھی شریک رہے۔ فہرست علامہ عبد الرؤف علیہ الرحمۃ (متوفی 1391ھ/ 1971ء) نے تیار کی، اس طرح چوتھی جلد بھی زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آگئی۔ یہ جلد کتاب الجنائز، کتاب الزکاۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج کے فتاویٰ پر مشتمل ہے۔ 27 رسالے بھی شامل ہیں، دو رسالے نقاء النیرہ فی شرح الجوہرہ اور معدل الزلال فی اثبات الہلال دستیاب نہ ہونے کے سبب شامل اشاعت نہیں ہوسکے۔ صفحات کی تعداد 724 ہے (مقدمہ فتاوی رضویہ جلد یازدہم)

جلد پنجم: پانچویں جلد کے کتاب النکاح کا ایک حصہ تین قسطوں میں حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی حیات ہی میں مطبع حسنی واقع آستانہ و عالیہ رضویہ بریلی سے شائع کیا تھا جس کی کتابت فیض الحسن خوش رقم لوح نویس نے کی تھی۔ آپ نے اس جلد پر حاشیہ بھی رقم فرمایا تھا اور فہرست بھی خود ہی تیار کی۔ سنی دارالاشاعت مبارک پور کے ایڈیشن میں جلد پنجم کے مطبوعہ حصے کو غیر مطبوعہ حصے کتاب الطلاق کیساتھ ملا کر شائع کیا گیا۔ حسب دستور اس جلد کا مبیضہ بھی

مفتی مجیب الاسلام اعظمی صاحب نے تیار کیا 1328ھ میں یہ جلد نامی پریس لکھنو کے حوالے کی گئی۔ پریس والوں نے 96 صفحات کی طباعت کے بعد کسی وجہ سے کام روک دیا، اسی دوران نامی پریس کے مالک خواجہ شمس الدین صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ادھر شوال 1391ھ میں علامہ عبد الرؤف صاحب بھی مالک حقیقی سے جا ملے۔ عجب اتفاق کہ ان ہی دنوں اس کتاب کے تیسرے کاتب بھی فوت ہو گئے۔ حضرت علامہ عبد الرؤف صاحب کی وفات کے بعد کچھ دنوں تک سنی دارالاشاعت تعطل کا شکار رہا۔ بقیہ جلدوں کی اشاعت سے مایوسی ہونے لگی، پھر ڈھائی تین مہینے کے بعد سنی دارالاشاعت کی ذمہ داریاں مفتی عبد المنان اعظمی کے سپرد کی گئیں۔ انہوں نے کتاب نامی پریس سے واپس لے کر سرفراز پریس لکھنو کے حوالے کر دی، یہاں کتابت کے لیے کاتب عبد المجید صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مبیضہ کا اصل سے مقابلہ حضرت علامہ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمۃ (متوفی 1391ھ۔ 1971ء) اپنی حیات ہی میں کر چکے تھے جس میں چوتھی جلد ہی کی طرح حضرت مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہ کے ساتھ دارالعلوم اشرفیہ کے کچھ منتہی درجات کے طلبہ نے بھی حصہ لیا تھا۔ پروف کی تصحیح اور مقابلے میں مفتی صاحب کا تعاون ان کے منجھلے صاحبزادے مولانا شکیب ارسلاں مصباحی نے کیا، اس جلد کی کتاب الطلاق کی فہرست علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ (متوفی 1391ھ۔ 1971ء) تیار کر چکے تھے۔ کتاب الطلاق اور مابعد کی فہرست حضرت مفتی عبد المنان صاحب نے تیار کی۔ یہ جلد 997 صفحات پر مشتمل ہے۔ نو رسالے بھی شامل ہیں (حوالہ مذکورہ)

جلد ششم: چھٹی جلد کا مبیضہ مولانا سبحان اللہ امجدی بنارسی نے تیار کیا جو حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ کے خادم خاص اور ان کی بارگاہ کے حاضر باش تھے، کتابت مولانا شمس الحق بلیاوی، مولانا عبد السنان برکاتی، محبوب اعظمی اور قاری اسمٰعیل تبسم عزیزی نے کی۔ تصحیح و مقابلہ میں مولانا شکیب ارسلاں مصباحی اور مولانا عبد السلام گونڈوی نے مفتی صاحب کا تعاون کیا فہرست وغیرہ بقیہ امور حضرت مفتی صاحب نے خود انجام دیے، طباعت کے لیے نشاط پریس ٹانڈہ کا انتخاب کیا گیا۔ 1401ھ میں کتاب شائع ہو کر منظر عام پر آگئی۔ یہ جلد فقہ کی چھ کتابوں پر مشتمل ہے (1) کتاب السیر (2) کتاب اللقیط (3) کتاب اللقطہ (4) کتاب المفقود (5) کتاب الشرکۃ (6) کتاب الوقف۔ 536 صفحات پر مشتمل

اس جلد میں 8 رسالے بھی شامل ہیں (مقدمہ فتاوی رضویہ جلد یازدہم)

جلد ہفتم: ساتویں جلد کی تبیض مفتی مجیب الاسلام اعظمی اور مولانا سبحان اللہ امجدی نے مل کر کی۔ کتابت عبد الرحیم اعظمی نے کی، کتاب کے صرف آخری حصہ یعنی رسالہ کفل الفقیہ الفاہم کی کتابت قاری محمد یحیٰ صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا نعیم اختر مصباحی نے کی۔ فہرست اور تصحیح و مقابلہ کا سارا کام مفتی عبد المنان مدظلہ نے کیا۔ اس جلد کی طباعت آفسیٹ پریس سے دہلی میں ہوئی۔ 1404ھ میں کتاب منظر عام پر آگئی۔ یہ جلد مندرجہ ذیل ابواب فقہ پر مشتمل ہے، کتاب البیوع، کتاب الکفالہ، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ، کتاب القضاو الدعاوی، 4 رسالے بھی شامل ہیں۔ صفحات کی تعداد 600 ہے (مقدمہ فتاوی رضویہ جلد دہم)

جلد ہشتم: جلد ہشتم کی تبیض کتاب الکفالہ سے کتاب الکراھیۃ تک مولانا سبحان اللہ امجدی بناری اور کتاب الحجر سے کتاب العقیقہ تک مولانا مجیب الاسلام نسیم اعظمی نے کی ہے۔ کتابت نظام الدین مو، حسام الدین گھوسی اور شمس الحق اوروی نے کی ہے۔ تصحیح مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہ نے فرمائی ہے اوران کے ممد و معاون مولانا محمد اسلم اور مولانا محمد رفیع احمد کٹیہاری تھے۔ یہ جلد 1412ھ میں مطبع جے اے آفسیٹ پریس دہلی سے شائع ہوئی۔ یہ آخری مسودہ تھا جوسنی دارالاشاعت سے شائع کرنے کے لیے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ سے حاصل کیا گیا تھا۔ اس جلد میں کل 521 فتاوے اور 7 رسائل شامل ہیں جو مندرجہ ذیل ابواب سے متعلق ہیں۔ وکالت، اقرار، صلح، امانت، عاریہ، ہبہ، اجارہ، اکراہ و حجر، غصب، شفعہ، قسمت، مضاربت، ذبائح، صید، اضحیہ، صفحات کی مجموعی تعداد 626 ہے (مقدمہ فتاوی رضویہ جلد یازدہم)

جلد نہم: موجودہ نویں جلد کو دو جلدوں میں تقسیم کر کے جلد دہم نصف اول جلد دہم نصف اخیر کے نام سے مکتبہ ایوان رضا بیسلپور ضلع پیلی بھیت نے شائع کیا۔ مگر بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہ کے بقول مکتبہ ایوان رضا کے ذمہ داران نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے نویں جلد کو دسویں جلد قرار دے دیا ہے۔ انہوں نے فتاویٰ رضویہ کے مقدمہ محررہ 29 جون 1994ء میں اس سلسلے میں نفیس گفتگو کی ہے۔ رضا اکیڈمی ممبئی نے دونوں جلدوں کو جمع کر کے جلد نہم کے نام سے شائع کیا۔ اس جلد کی تبیض ڈاکٹر فیضان احمد نے کی ہے۔ تصحیح و مقابلے میں جانشین حضور مفتی اعظم ہند علامہ اختر رضا خاں ازہری مدظلہ العالی، مولانا قاضی عبد الرحیم بستوی، مولانا محمد صالح صاحب اور مفتی اعظم صاحب شریک ہیں۔ نصف اول تاج آفس پریس

الہ آباد سے شائع ہوا ہے، نصف اخیر کی کتابت و طباعت کے تعلق سے کوئی صراحت نہیں مل سکی۔ اس جلد میں مجموعی طور پر کتاب الحظر والا باحۃ کے 544 مسائل اور 12 رسائل شامل ہیں۔ اس جلد کا ایک رسالہ الحجۃ المؤتمنہ فی آیت الممتحنہ (1339ھ) ہے جو طباعت میں شامل نہیں ہوسکا ہے۔ یہ رسالہ علاحدہ مطبع حسنی پریس بریلی سے چھپ کر جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی سے شائع ہو چکا تھا اور پھر بعد میں رضا فاؤنڈیشن لاہور کے مترجم ایڈیشن میں شامل کرلیا گیا ہے۔ اس جلد کے صفحات کی تعداد 584 ہے۔ (مقدمہ فتاویٰ رضویہ جلد نہم از قربان علی)

جلد دہم: جلد دہم کو حضرت مولانا منان رضا خان بریلوی نے ادارہ تصنیفات رضا بریلی شریف سے جلد یازدہم کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس جلد کی تصحیح و ترتیب اور فہرست سازی کا کام حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور نے انجام دیا ہے۔ انہوں نے ایک مبسوط تقریظ بھی رقم فرمائی ہے۔ 527 صفحات پر مشتمل اس جلد میں کتاب الرہن سے متعلق فتاویٰ ہیں۔ کچھ ابواب عدم دستیابی کے سبب شامل نہیں ہوسکے ہیں۔ مسائل کی تعداد 157 ہے جب کہ چار مستقل رسائل بھی شامل اشاعت ہیں۔

(تقریب فتاویٰ رضویہ جلد دہم از مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی)

جلد یازدہم: اس جلد کی اشاعت سب سے پہلے مکتبہ ایوان رضا پیلی بھیت سے جلد نہم کے نام سے ہوئی، اس جلد میں کتاب المواریث کے جز کے علاوہ کلام و عقائد کے مسائل ہیں۔ بعد میں جب یہ جلد یازدہم کے نام سے رضا اکیڈمی نے شائع کی تو حضرت مفتی عبد المنان صاحب اعظمی کے مشورے سے اسکے حصہ مواریث کو جلد دہم میں شامل کردیا گیا ہے۔

جلد دوازدہم: یہ جلد غائب ہوگئی، البتہ اس کا کچھ حصہ حضرت مولانا توصیف رضا ابن حضرت مولانا ریحان رضا خان بریلوی کے توسط سے دستیاب ہوا اور اسے مرتب کرکے حضرت مولانا حنیف خاں رضوی مصباحی نے رضا اکیڈمی ممبئی سے پہلی بار شائع کرایا۔ اس میں سابقہ جلد نہم کے مسائل بھی شامل ہیں۔ تمام جلدوں کی نئی ترتیب حضرت بحرالعلوم مفتی عبد المنان اعظمی کے حکم و ارشاد کی مرہون منت ہے جس کی تفصیل حضرت مفتی صاحب نے جلد دوازدہم کے مقدمے میں دے دی ہے۔

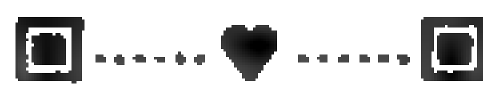
اس طرح فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں منظر عام پر آگئیں۔ پھر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے 75 ویں عرس کے موقع پر رضا اکیڈمی ممبئی نے تمام جلدوں کی ایک ساتھ اشاعت کا

ارادہ کیا تو مولانا محمد حنیف خاں رضوی مصباحی نے بحرالعلوم مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہ کی رہنمائی میں بعض ترتیبی خامیوں کو دور کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی، پھر 1415ھ میں تمام جلدیں ایک ساتھ رضا اکیڈمی ممبئی سے شائع ہوئیں۔

(تقریب جلد یازدہم از مولانا حنیف خاں رضوی)

1988ء میں لاہور پاکستان میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ (1272ھ-1340ھ) کی تصنیفات خصوصاً فتاوی رضویہ کی جدید اشاعت کے لیے رضا فاؤنڈیشن کے نام سے ایک ادارے کا قیام ہوا، پھر مفتی عبدالقیوم ہزاروی (وصال 2005ء) کی سرپرستی میں فتاویٰ رضویہ کی عربی و فارسی عبارات کے ترجمہ، مآخذ و مراجع کی نشاندہی اور تحشیہ کا کام شروع ہوا۔ یہ عظیم کام تن تنہا ایک شخص نہیں کرسکتا تھا لہٰذا اس کے لیے ہندو پاک کے متعدد علما کی خدمات حاصل کی گئیں اور پھر ایک مختصر سے عرصے میں تمام جلدوں کے تراجم اور تخریج و تحشیہ کا کام مکمل ہوگیا۔ اب فتاوی رضویہ مترجم کی جلدیں 30 ہوگئی ہیں، مترجم ایڈیشن میں ان رسالوں کو بھی شامل کیا گیا جو غیر مترجم ایڈیشن میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ اس اہم کام میں مفتی عبد القیوم ہزاروی (وصال 2005ء) علامہ عبد الحکیم شرف قادری (وصال 1428ھ-2007ء) مولانا عبدالستار سعیدی، مولانا نذیر سعیدی، مولانا عمر ہزاروی اور ہندوستان کے مستند عالم دین خیرالاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے خاص طور پہ حصہ لیا۔

1999ء میں رضا اکیڈمی نے مترجم فتاویٰ رضویہ کی آٹھ جلدیں شائع کیں پھر اس کے بعد ادارہ نشر و اشاعت برکات رضا پور نے اولاً 24 جلدیں پھر 30 جلدوں کا مکمل سیٹ شائع کیا جو بروقت دستیاب ہے۔ اور ابھی اسی سال (1429ھ-2008ء) رضا اکیڈمی ممبئی نے بھی مکمل تیس جلدیں نہایت ارزاں قیمت پر شائع کی ہیں۔



ڈاکٹر نجیب جمال (استاد شعبۂ اردو جامعۃ الازہر قاہرہ، مصر)

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی جامعہ ازہر کی ایک علمی نشست کے حوالہ سے

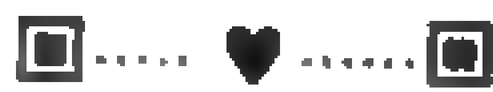
جامعہ ازہر کا ایک امتیاز خاص یہ ہے کہ یہاں کسی بھی درجے کے امتحان کے لیے پیش کیے گئے مقالے کا زبانی امتحان طالب علم کے لیے ایک طویل صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے جس سے اسے بقائمی ہوش وحواس گزرنا پڑتا ہے۔ یہ امتحان طویل دورانیے پر مبنی ایک عام جلسے کی صورت میں ہوتا ہے۔ جس کا باقاعدہ اعلان اشتہارات کے ذریعے کیا جاتا ہے اس میں اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ موضوع میں دلچسپی رکھنے والے ہر شعبہ زندگی کے لوگ شریک ہوتے ہیں، اس سلسلے میں باقاعدہ دعوتی کارڈ بھی تقسیم کیے جاتے ہیں، کارروائی کے ابتدائی مرحلے میں مقالے کا نگراں ابتدائی کلمات ادا کرتا ہے اور بطور خاص موضوع کی اہمیت اور مقالہ نگار کے ذوق جستجو کا تذکرہ کرتا ہے اس کے بعد مقالہ نگار اپنے موضوع کا تعارف اور مقالے کے مندرجات کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ تیسرے مرحلے میں ممتحنین کو مقالے کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنے اور مقالہ نگار سے جواب طلب کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ یہ مرحلہ مقالہ نگار کے لیے خاصا بھاری ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے دو ایسی شخصیات ہوتی ہیں جن کی علمی حیثیت مستند سمجھی جاتی ہے، یہی وہ مرحلہ ہے جب مقالہ نگار کی تحقیقی لغزش ایک ایک کر کے بھرے مجمع کے سامنے آنا شروع ہوتی ہے اور اسے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کے مصداق ہر صورت اپنا دفاع کرنا ہوتا ہے۔ آخری مرحلے میں حاضرین جلسہ کے سامنے نتیجے کا اعلان کیا جاتا ہے۔

پاکستانی طالب علم ممتاز احمد سدیدی کے مقالے کے مناقشے میں شریک ہونا میرے لیے نہایت خوشی کا باعث تھا، ان کے موضوع سے میری دلچسپی ایک کتاب بہ عنوان ''نظارہ روئے جاناں کا'' کی شکل میں جلد ہی منظر عام پر آنے والی ہے۔ اس کتاب میں مولانا احمد رضا خاں اور دو نعتوں کا انتخاب اور میرا مقدمہ شامل ہے۔ یہی مقدمہ قاہرہ سے حال ہی میں

شائع ہونے والی کتاب "مولانا احمد رضا خاں" مرتب حازم محمد محفوظ میں بھی شامل ہے۔

مناقشے میں پاکستانی سفارت خانہ سے جناب منیر مفتی ایجوکیشن کونسلر)، جناب عمران مشتاق نیازی (فرسٹ سیکرٹری) اور جناب اسلم خاں (فرسٹ سیکرٹری) بھی شریک ہوئے۔ قاہرہ کی جامعات کے اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ دنیا کے مختلف ممالک سے جامع ازہر میں بغرض حصول تعلیم آئے ہوئے طلبہ کی بھاری تعداد نے شرکت کی۔ ان میں بنگلہ دیش، بھارت، افغانستان، آذربائیجان، تاجکستان، سری لنکا، چین، انڈونیشیا، ملیشیا، نائجیریا، فلپائن، تھائی لینڈ، صومالیہ، کینیا، جیبوتی، اریٹر، جزر اقمر، بوکینا فاسو، مڈغاسکر اور سینی گال کے طلبہ شامل تھے۔

مناقشے کی اس محفل کا آغاز حسب معمول تلاوت کلام مجید اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا، اس کے بعد مقالے کے نگراں ڈاکٹر رزق مرسی ابو العباس نے حسب دستور سابق ابتدائی کلمات میں مقالے کی موضوع شخصیت، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا تعارف پیش کیا۔



معید احمد رضا (مہتم جامعہ غوثیہ رضویہ، رضانگر، گولہ لکھیم پور کھیری یوپی)

تذکرہ مجدد اعظم امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

مجدد اعظم امام اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت 10 شوال المکرم 1272ھ مطابق 14 جون 1856ء کو سرزمین بریلی شریف میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے جید عالم اور ولی کامل تھے، آپ کا خاندان دینی علمی اور عملی ہر اعتبار سے ہر زمانے میں مثالی ہے، جس ماحول میں آپ کی نشو ونما ہوئی وہ علم و ادب سے جگمگ اور تقوی وطہارت کی خوشبو سے معطر ماحول تھا ایسے نورانی ایمانی اور عرفانی ماحول میں پروان چڑھنے والے امام احمد رضا خان کی علمی اور فکری شخصیت کتنی بلند ہے اس کا اندازہ لگانا مجھ جیسے کم علم کے بس کی بات نہیں ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ موجودہ دور کے بڑے بڑے علماء بھی آپ کے علم کا کنارہ نہیں پاسکے، مگر پھر بھی آپ کی شخصیت کا ایک سرسری جائزہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ آپ بھی سمجھ جائیں کہ دنیا جسے امام اہل سنت اور مجدد اعظم کے نام سے جانتی ہے ان کی شخصیت کتنی مہتم بالشان ہے۔ ایک دن امام مکتب میں بچوں کے ساتھ پڑھ رہے تھے، باہر سے آنے والے ایک طالب علم نے استاد محترم کو السلام علیکم کہا، استاد نے جواباً جیتے رہو کہا، آپ نے اسی وقت استاد صاحب سے عرض کیا حضور یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا۔ استاد نے کہا تم بتاؤ کیا ہوا امام احمد رضا نے فرمایا اس کا جواب ہے وعلیکم السلام، اس پر استاد بہت خوش ہوئے اور خوب دعاؤں سے نوازا۔ ابھی آپ بچپن کے دور سے ہی گزر رہے تھے کہ اپنی زندگی کا پہلا روزہ رکھا، ایک کمرے میں افطار کے لیے فیرنی رکھی ہوئی تھی، آپ کو بھوک و پیاس سے پریشان دیکھ کر آپ کے والد نے آپ کو کمرے میں لے جا کر ایک پیالی فیرنی کی دی اور کہا اس کو کھالو، آپ نے فرمایا "ابو جان میرا تو روزہ ہے" ابو جان نے کہا بیٹے بچوں کے روزے یونہی ہوا کرتے ہیں، یہ دیکھو میں نے کمرہ کا دروازہ اور کھڑکیاں بند کردی ہیں اب کوئی دیکھنے والا نہیں، نہ ہی میں کسی سے کہوں گا، اس کم سنی کے عالم امام احمد رضا نے جو جواب دیا وہ دل کو متاثر کرنے والا ہے۔ مجدد نے جواب دیا، میں نے روزہ رکھا

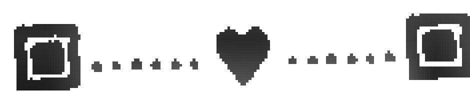
ہے اپنے پروردگار کو دکھانے کے لیے اور وہ ہر جگہ موجود ہے پھر میں اس سے چھپا کر کیسے کھا سکتا ہوں۔ خواہ مجھے کتنی ہی پریشانی کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ یہ روح پرور جواب سن کر آپ کے والد محترم نے آپ کو سینے سے لگا لیا۔ ایک روز کی بات ہے آپ کھانا کھا کر قیلولہ کے لیے لیٹنے لگے، اچانک کسی خیال سے آنکھیں ڈبڈبا گئیں، ابھی آنسو خشک بھی نہیں ہو پائے تھے کہ نیند کی آغوش میں پہنچ گئے، خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ دادا محترم حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں صاحب تشریف لائے اور ایک صندوقچی عطا کی اور فرمایا جلد ہی وہ شخص آنے والا ہے جو تیرے درد دل کی دوا کرے گا، تیسرے دن مولانا عبد القادر صاحب بدایونی تشریف لائے اور اپنے ساتھ "مارہرہ" لے گئے، پیر طریقت حضرت سید آل رسول ﷺ کی نظر جیسے ہی آپ پر پڑی فرمایا آیئے آیئے ہم تو کئی روز سے آپ کا انتظار کر رہے تھے، پھر بیعت سے مشرف کیا اور اسی وقت تمام سلاسل کی اجازت و خلافت مرحمت فرمادی اور اسلاف سے جو کچھ تبرکات ملے تھے وہ تمام عطا فرمادیے۔ انہیں میں وہ صندوقچی بھی تھی جو وظیفہ کی صندوقچی کے نام سے مشہور تھی ایک نووارد نوجوان کی یہ عزت افزائی دیکھ کر خانقاہ میں پہلے سے موجود حضرات آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے، یہاں تک کہ ایک نے ہمت کر کے عرض کی حضور اس نوجوان پر (اس وقت حضرت کی عمر 22 سال تھی) اتنا کرم، نہ عبادت و ریاضت کی ترغیب، نہ چلہ کشی اور نہ گوشہ نشینی کا حکم اور ادھر ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ برسوں سے تزکیہ نفس اور عبادت و ریاضت میں لگے ہوئے ہیں مگر اس کے باوجود قابل ذکر انعام و اکرام سے محروم، آخر ایسا کیوں، اتنا سننا تھا کہ مرشد گرامی جلال میں آجاتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں تم احمد کو کیا جانو یہ کہہ کر رونے لگے اور پھر ارشاد فرمایا، قیامت کے دن جب اللہ رب العزت مجھ سے پوچھے گا آل رسول دنیا سے کیا لے کر آئے ہو تو میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا، لوگ یہ سن کر دنگ رہ گئے۔

آپ غریبوں کی امداد، محتاجوں کی راحت رسانی اور بے سہاروں کی دست گیری میں قلبی سکون محسوس کرتے تھے، مولانا حسنین رضا صاحب فرماتے ہیں سردی کی ایک رات تھی، اعلیٰ حضرت مہمانوں کو رخصت کرنے کے لیے دروازے تک تشریف لائے، خادم کو دیکھ کر فرمایا، کیا آپ کے پاس رضائی نہیں ہے، خادم خاموش ہو گیا، اسی وقت جو رضائی اعلیٰ حضرت اوڑھے ہوئے تھے وہ خادم کو عنایت کر دی، تین روز کے بعد نئی رضائی تیار ہو کر آگئی، نئی رضائی اوڑھے ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ مسجد میں ایک پردیسی مہمان کا آنا ہو گیا۔

انہوں نے اعلیٰ حضرت سے کہا، میرے پاس سردی سے بچنے کا کوئی سامان نہیں ہے، سرکار اعلیٰ حضرت نے وہی نئی رضائی اس نو وارد مسافر کو عطا کر دی۔

ایثار قربانی اور اخلاق و کردار کی ایسی بلندی بہت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے، مگر اعلیحضرت اس میدان میں بھی بہت آگے تھے۔ مجدد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی خشیت الٰہی کا مظہر اور عشق رسول کا نمونہ تھی، انہیں نہ تو دنیوی طاقت وقوت کا خوف تھا اور نہ ہی دولت وثروت کی پروا، ایک مرتبہ کچھ احباب نے نواب "نانپارہ" کی شان میں قصیدے لکھنے کو کہا، آپ نے قصیدے تو نہ لکھے البتہ ایک نہایت فرحت بخش نعت شریف تحریر فرما دی۔ آپ ہر چیز کی کمی برداشت کر سکتے تھے مگر عشق رسول میں ذرہ برابر کمی ہو جائے اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے "ہمارے درد جگر کی کوئی دوا نہ کرے۔ کمی ہو عشق نبی میں کبھی خدا نہ کرے" امام احمد رضا نے عشق رسول کا جو پیغام دیا ہے وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، عشق رسول درحقیقت محبت خدا کا دوسرا نام ہے، عشق رسول قلب کا نور اور دل کا سرور ہے، اسی لیے اسے ہر دل میں ہونا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا اسے ایمان کی جان قرار دیتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں "اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ: ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ۔ قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں: ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ۔"

آج عاشقوں کی انجمن میں جو رونق دیوانوں کی محفل میں جو ہجوم اور شجر اسلام میں جو تر و تازگی ہے اس میں مجدد اعظم کی آہ سحر گاہی اور جذبہ سرفروشی کا بھی اہم رول ہے کیونکہ اگر آپ نے بروقت باطل نظریات کی سرکوبی، فاسد خیالات کی تردید اور نت نئے فتنوں کی بیخ کنی نہ کی ہوتی تو آج امت مسلمہ یہاں کس حال میں ہوتی، اس کا اندازہ لگانا شاید مشکل نہیں۔



شکیل احمد مصباحی (دارالعلوم حق الاسلام، لال گنج بستی)

فتاویٰ رضویہ کی ادبی حیثیت

فتاویٰ رضویہ مولانا مفتی احمد رضا قادری بریلوی کے رشحات قلم کا ایک عظیم ترین شاہکار ہے جو تیرہویں صدی ہجری کے عشرہ اخیر اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں لکھے جانے والے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ تقریباً نوے (90) سال گزر جانے کے باوجود ایسے جامع، مدلل اور مبسوط مجموعہ فتاویٰ کی نظیر اردو زبان کے سرمایہ میں نظر نہیں آتی۔

پروفیسر مجید اللہ قادری رقم طراز ہیں: ''امام احمد رضا نے فقہ حنفی کے لیے جو بہترین مواد اور عظیم ترین سرمایہ چھوڑا ہے۔ وہ بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل جہازی سائز کے بارہ ہزار صفحات پر پھیلا ہوا عظیم خزانہ ہے۔ جس کا آپ نے خود ''العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ'' نام رکھا۔ اس میں فقہ حنفی کے جمیع ابواب پر مکمل بحث کی گئی ہے اور بہت سے ابواب نادر اور قدیم ہیں جو کہ دیگر فتاویٰ میں ناپید ہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ کا موضوعاتی جائزہ۔ ص 14 مطبوعہ کراچی)

فتاویٰ رضویہ میں کتاب وسنت سے استدلال، دلائل واستشہادات کی کثرت، سوال کے ہر پہلو کی تنقیح، اقوال علماء میں تطبیق کا اہتمام، جدید وقدیم علوم کی روشنی میں مسائل کا حل ہے۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ زبان وبیان اور اسلوب نگارش کے اعتبار سے بھی فتاوی رضویہ کا مقام انتہائی وقیع اور عظیم الشان ہے۔ بلاشبہ اس مجموعہ فتاوی کے حوالے سے لسانی خصوصیات اور طرز ادا کی روشنی میں مولانا احمد رضا قادری کی ادبی خدمات کو اگر حیطۂ تحریر میں لایا جائے تو ایک ضخیم اور مبسوط کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ جو اردو زبان وادب کی تاریخ میں بیش بہا اضافہ ہوگی۔

پاکستان کے مشہور محقق سید ریاست علی قادری مولانا احمد رضا قادری برکاتی کی ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ان کی کتاب کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے

کہ وہ ہر موضوع پر ادیبانہ اسلوب نگارش اختیار کرنے پر کتنی قدرت رکھتے تھے۔ ان کی ادبی خدمات سے کسی طرح صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک کہنہ مشق ادیب اور بے باک قلم کار تھے۔ ان کی تحریروں میں بے حد سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔ ان میں جگہ جگہ ادبی شہ پارے نظر آتے ہیں کہ طبیعت جھوم جھوم اٹھتی ہے۔

(معارف رضا (سالنامہ) کراچی۔ شمارہ 1983، ص 261)

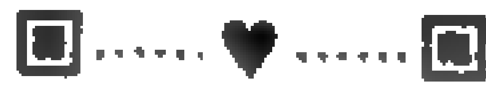
فتاویٰ رضویہ کے بہت سے دل نشین فتاویٰ زبان و بیان کی حیثیت اور طرز و اسلوب کے لحاظ سے جاذب فکر و نظر ہیں، ان کا حسین انداز بیان، زبان کی سلاست، برمحل شیریں و ادبی الفاظ کا استعمال، استعارات کی جودت، طرز ادا میں نفاست و شستگی، ادائیگی بیان میں مہارت و پختگی، فکر و خیال میں گہرائی و گیرائی، اظہار بیان میں بے ساختگی و بے تکلفی ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ مولانا احمد رضا قادری برکاتی قلم برداشتہ لکھنے کے عادی تھے۔ ان کو نفسِ موضوع اور بندش الفاظ پر ایسی قدرت تھی کہ ایک دفعہ کے دیکھے ہوئے جملے کو قلم زد کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ وہ انتہائی سریع التحریر قلم کار تھے۔ انکی بے ساختہ اور بے تکلف تحریروں میں بھی ادبی حسن و جمال کی رعنائیاں دعوت نظارہ دیتی ہیں۔

ادب کی ایک اہم خوبی اور اسلوب کا ایک بڑا وصف یہ ہے کہ سخت سے سخت مسائل باتوں باتوں میں حل کر دیے جائیں (تنقیدی اشارے)

فتاویٰ رضویہ میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں مولانا احمد رضا قادری نے زندگی کے اہم سے اہم مسائل کو اس طرح نپے تلے دوٹوک جملوں میں حل کر دیا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ کی گیارہویں جلد میں لکھتے ہیں: "جو شخص نبوت کو کہے کہ کسبی ہے کافر ہے۔ اور جو ولایت کو کسبی کہے بدمذہب ہے۔ کوئی شخص کیسا ہی عمل کرے اپنے عمل کے سبب ابتدائی درجہ ولایت تک نہیں پہنچ سکتا۔" (فتاویٰ رضویہ 11 / 32۔ رضا اکیڈمی ممبئی)

فتاویٰ رضویہ کی عبارتیں اس قدر مربوط اور منظم ہیں کہ ان میں ایک حرف کے گھٹانے اور اس اسلوب میں بڑھانے کی گنجائش نہیں۔ انتہائی جامع اور حشو و زوائد سے محفوظ اور شوکت الفاظ سے معمور اس مجموعہ فتاویٰ کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ کیجیے:

"زن وشوہر میں ہر ایک کے دوسرے پر حقوق کثیر واجب ہیں، ان میں جو بجا نہ لائے گا اپنے گناہ میں گرفتار ہوگا۔ ایک اگر ادائے حق نہ کرے تو دوسرا اسے دستاویز بنا کر اسکے حق ساقط نہیں کرسکتا۔ مگر وہ حقوق کہ دوسرے کے کسی حق پر مبنی ہوں اگر یہ اس کا ایسا حق ترک کرے، وہ دوسرا اس کے یہ حقوق کہ اس پر مبنی تھے ترک کرسکتا ہے۔ جیسے عورت کا نان ونفقہ کہ شوہر کے یہاں پابند رہنے کا بدلہ ہے۔ اگر ناحق اس کے یہاں سے چلی جائے جب تک واپس نہ آئے گی کچھ نہ پائے گی۔ غرض واجب ہونے، مطالبہ ہونے، بے وجہ شرعی ادا نہ کرنے سے گنہ گار ہونے میں تو حقوق زن وشوہر برابر ہیں۔ ہاں! شوہر کے حقوق عورت پر بہ کثرت ہیں۔" (فتاوی رضویہ 9/60 رضا اکیڈمی ممبئی)



محمد سجاد عالم مصباحی (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

تحریک اہل سنت والجماعت ڈاکٹر اوشا سانیال کی نظر میں

ڈاکٹر اوشا سانیال ایک ہندوستانی نژاد امریکی اسکالر ہیں۔ ایشیا اور اسلام ان کی تحقیق کا محور ہے۔ Wintage University میں اسسٹنٹ پروفیسر اور Queens University of Charlotte NC, USA میں جز وقتی لیکچرار ہیں۔ وہ اپنی کتاب "Devotional Islam and Politics in British India: Ahmad Riza Khan Barelwi and his Movement, 1870-1920. (برطانوی ہند میں عقیدتمندانہ اسلام اور سیاست: احمد رضا خان اور ان کی تحریک 1870-1920) کے لیے علمی حلقوں میں معروف و مشہور ہیں۔ یہ دراصل Columbia Univeristy سے ڈاکٹوریٹ آف فلاسفی (Ph.D) کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے 1990 میں لکھا گیا ایک مقالہ تھا جسے بعد میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ اب تک اس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں اسلام اور اہل سنت و جماعت کے مطالعہ کے لیے ایک ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر سانیال نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی حیات اور ان کے افکار پر ایک دوسری کتاب بھی ترتیب دی ہے جس کا نام "Ahamd Riza Khan: In the Path of the Prophet." ہے۔ یہ کتاب آکسفورڈ ون ورلڈ پبلیکیشنز سے 2005ء میں چھپ چکی ہے۔ فی الحال وہ ''بریلوی مدارس'' پر تحقیق کر رہی ہے۔

ڈاکٹر سانیال کی پہلی کتاب کا ایک عمومی جائزہ پیش ہے۔ اس میں انہوں نے برطانوی عہد میں تاریخ، سماج، سیاست اور معاصر ''اصلاحی'' تحریکوں کے تناظر میں ''تحریک اہل سنت و جماعت'' کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے۔ یہ کتاب، تشکر، ایک افتتاحیہ، نو ابواب، ایک

اختتامیہ، ایک نتیجہ، فرہنگ الفاظ، کتابیات اور اشاریہ پر مشتمل ہے۔

افتتاحیہ میں ''انیسویں صدی کے آخر میں اہل سنت اور تشخص کی تشکیل'' کے زیر عنوان'' تحریک اہلسنت و جماعت'' کے امتیازی نشان اور وصف پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ ''اصلاح'' کے نام پر قائم دوسری تحریکوں کے امتیازات اور تشخصات اور خصوصیات کے تقابلی مطالعہ کی روشنی میں ''تحریک اہل سنت و جماعت'' کے مابہ الامتیاز کو بتایا گیا ہے۔ ان میں تحریک دیوبند، تحریک اہل حدیث، تبلیغی جماعت، ندوۃ العلماء قادیانیت اور ہندوؤں کی تحریک قابل ذکر ہیں۔ پھر ہندوستان میں برطانوی استعمار کے ردعمل میں مذہبی قومیت اور مذہبی تشخص کے حوالے سے'' تحریک اہل سنت و جماعت'' کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مسجدوں، خانقاہوں اور درگاہوں کے رول پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ اور اس نظریہ کی تغلیط کی گئی ہے کہ مساجد سے وابستہ سرگرمیاں تفریق پیدا کرتی تھیں۔ اس تحریک کے لیے ڈاکٹر سانیال نے'' تحریک اہل سنت و جماعت'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کی توجیہ پیش کرتے ہوئے وہ کہتی ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک سے وابستہ افراد خود اپنے لیے اس اصطلاح کو استعمال کرتے ہیں اور اس سے تحریک کے لیے نبی (کریم ﷺ) کی ذات کی مرکزیت کو سمجھنے میں مدد بھی ملتی ہے۔ نیز یہ بھی کہ اس تحریک سے وابستہ افراد (امام) احمد رضا کو کسی نئے فرقہ کا بانی نہیں بلکہ ایک مجدد مانتے ہیں جنہوں نے لوگوں کو رسول کریم کی سنت اور طریقہ پر واپس لانے کا کام کیا۔ ڈاکٹر صاحبہ نے افتتاحیہ کے آخر میں لکھا ہے کہ ان کی تحقیق نے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اہل سنت و جماعت کیا ہے؟ برطانوی سامراجی فریم ورک اور انیسویں صدی کی دیگر اصلاحی تحریکوں سے ان کا کس طرح کا تعلق تھا؟ ان کا سماجی پس منظر کیا تھا؟ کیا ان کی بنیادیں صرف دیہاتوں میں تھیں جیسا کہ کچھ مورخوں کی تحریروں نے اشتباہ پیدا کر دیا ہے؟ پھر ان ماٰخذ اور مراجع کا ذکر ہے جس سے اس تحقیقی مقالہ کو تیار کرنے میں مدد لی گئی ہے۔

کتاب کے دوسرے باب میں'' اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں سیاست اور مذہب'' کے زیر عنوان سلطنت مغلیہ کے زوال اور شمالی ہند (یوپی) میں ریاستوں کے قیام اور روہیل کھنڈ، فرخ آباد، رام پور اسٹیٹ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ اور مضمرات پر روشنی ڈالی

گئی ہے۔ پھر کہا گیا ہے کہ انیسویں صدی کے آخر میں 1857ء کے بعد اصلاحی تحریکیں ظاہر ہوئیں۔ ان کے بنیادی مقاصد کیا تھے اور کس طرح سے وہ ایک دوسرے سے مختلف تھیں اس کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ پھر ''تحریک اہل سنت و جماعت'' کو شیخ مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق دہلوی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار اور خیالات کی روشنی میں پرکھا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ سنت اور جماعت سے وابستگی اور تصوف میں اصلاحی رجحانات تحریک اہل سنت و جماعت کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ ان رجحانات کی نمائندگی سلاسل اربعہ (قادریہ، نقشبندی، چشتیہ اور سہروردیہ) کے کچھ مرکزی کردار کر رہے تھے۔

کتاب کے دوسرے باب میں ''ایک سنی اسکالر: احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ'' کے زیر عنوان اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی سوانح پیش کی گئی ہے۔ اس میں ان کی پیدائش، بچپن، تعلیم، اساتذہ، اہم اسفار، (مارہرہ کا سفر، سفر حرمین اور وہاں کے علماء سے تعلقات، تبادلہ خیالات اور پٹنہ کا سفر جس میں علماء نے ان کو مجدد کا خطاب دیا تھا، جبل پور کا رسفر) اور ''تحریک اہل سنت و جماعت'' کے لیے ان کی شخصیت پر گفتگو کی گئی ہے۔

کتاب کے تیسرے باب میں ''تحریک اہل سنت ور جماعت کی ادارہ جاتی بنیادیں، 1880s-1920s میں'' کے زیر عنوان یہ کہا گیا ہے کہ تحریک اہل سنت و جماعت کے لیے امام احمد رضا کی ذات مرکزی حیثیت کی حامل تھی۔ اس تحریک کے اداروں میں کچھ تو ایسے تھے جن سے علماء وابستہ تھے اور کچھ پیران کرام کی سرپرستی میں چل رہے تھے۔ یہ ادارے شہروں میں بھی تھے اور دیہاتوں میں بھی۔ یہاں اس مفروضہ کی تردید ہوتی ہے کہ ''تحریک اہل سنت و جماعت'' صرف دیہاتوں میں مرکوز تھی پھر ''تحریک اہل سنت و جماعت'' کے اہم مدارس (منظر اسلام بریلی، مظہر اسلام بریلی، مدرسہ عالیہ رامپور، مدرسہ شمس العلوم، بدایوں، جامعہ نعیمیہ مراد آباد، دارالعلوم حزب الاحناف لاہور وغیرہ) کے قیام اور ان کی کارکردگی کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ طباعتی اور اشاعتی کاموں میں حسنی پریس، مطبع اہل سنت و جماعت اور الرضا جرنل، تحفہ حنفیہ، پٹنہ اور دبدبہ سکندری، رامپور پر گفتگو کی گئی ہے۔ ''تحریک اہل سنت و جماعت'' کے فروغ اور استحکام میں ان کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اسی باب میں ''تحریک اہل سنت و جماعت'' کی انجمنوں اور تنظیموں کو بھی نام بہ نام ذکر کیا گیا ہے جن میں کراچی، بریلی

اور رامپور میں انجمن اہل سنت، سکندر اراؤ میں حلقہ اہل سنت، بریلی میں انصار الاسلام اور جماعت رضائے مصطفےٰ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ تحریک اہل سنت و جماعت کے فروغ میں مناظروں کی اہمیت کا تجزیہ بھی پیش کیا گیا ہے

چوتھے باب میں ''مارہرہ کے برکاتی سادات: انیسویں صدی میں'' کے تحت خانقاہ مارہرہ اور خانوادہ برکاتیہ کی خاندانی تاریخ، مشائخ مارہرہ کے احوال وافکار، تصوف کے میدان میں ان کی تربیتی اور اصلاحی خدمات کا بیان ہے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے اور بیعت وخلافت سے نوازے جانے والوں کی تفصیلات بھی پیش کی گئی ہیں۔

پانچویں باب میں ''مذہبی استناد کی تشخیص'' کے عنوان سے ''تحریک اہل سنت و جماعت'' اور امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے نزدیک پیر کی اہمیت اور عظمت پر گفتگو کی گئی ہے۔ حضرت شاہ آل رسول مارہروی اور حضرت نوری میاں علیہما الرحمۃ والرضوان سے ان کی عقیدت اور نیازمندی کی نوعیت کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر تفصیل سے بتایا گیا کہ پیر کی ضرورت کب اور کیوں ہوتی ہے اور مرید کے لیے پیر کی رہنمائی کس طرح سے ہوتی ہے۔ لیکن اسی ضمن میں بتایا گیا ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے شریعت کو اولیت دی ۔ اور طریقت کو اس کا تتمہ قرار دیا ہے۔ اور یہی بات مارہرہ کے پیران عظام کی تعلیمات کی خصوصیات میں سے شمار ہوتی تھی۔ پھر اسی باب میں اعلیٰ حضرت کے پیر ہونے اور ان کے مریدین اور خلفاء کے بارے میں کہا گیا ہے کہ امام احمد رضا کے خلفاء کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ ان میں سے چند کا ذکر ہوا ہے۔ مشائخ مارہرہ اور اعلیٰ حضرت قادریہ سلسلہ سے وابستہ تھے۔ اس لحاظ سے ان کے نزدیک غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت بہت ہی اہم تھی۔ پھر کتاب میں رسول کریم ﷺ کی شفاعت اور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شفاعت کی نوعیت پر گفتگو ہوئی ہے۔ رسول کریم ﷺ اور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں لکھے گئے مدحیہ اشعار اور منقبتوں کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ اور ''تحریک اہل سنت و جماعت'' کے لیے عشق رسول ﷺ کی اہمیت کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی تحریروں سے نمایاں کیا گیا ہے۔

چھٹے باب میں ''احمد رضا کا تصور سنت'' کے عنوان سے ''تحریک اہل سنت و جماعت'' سے وابستہ افراد نے اپنے لیے اس اصطلاح کو کیوں پسند کیا ہے اور سنت سے ان کی مراد کیا ہے ڈاکٹر سانیال نے اس پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اسی باب میں سنت و بدعت

اوراجتہاد وتقلید جیسے فقہی اور قانونی اصطلاحوں کے معانی ومفاہیم کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کی مزید وضاحت کے لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ کونقل کیا گیا ہے۔جن کی مدد سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح امام احمد رضا کسی مسئلہ پرقرآن، سنت، اجماع، قیاس اوراقوال ائمہ سے استشہاد کرتے تھے۔ ان کے فتاویٰ کی یہ وہ خصوصیت تھی جو ان کے ان معاصر علماء میں نہیں پائی جاتی تھی جوان سے اختلاف رائے رکھتے تھے۔

ساتویں باب میں'' اہل سنت اوردوسرے مسلمان: انیسویں صدی کے آخر میں'' کے زیرعوان'' تحریک اہل سنت و جماعت'' اوراہل حدیث قادیانیوں، شیعہ اوردیوبندیوں کے ساتھ جوفکری اورنظریاتی اختلافات تھے ان کی نوعیت کاتفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اسی باب میں ضروریات دین اور فاسدعقائد پرگفتگو کے ضمن میں حسام الحرمین کا سیر حاصل مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔علمائے حرمین کی تائید کواعلیٰ حضرت کی اہم کامیابی قرار دیا گیا ہے۔تکفیر کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت کے موقف کا بیان ہے۔ پھرالگ الگ فرقوں،تحریکوں اورتحریک اہل سنت و جماعت'' کے درمیان جن مسائل پر اختلافات تھے ان کو بیان کیا گیا ہے۔تحریک ندوہ کی مخالفت کے اسباب اور وجوہات اوراس مسئلہ پراعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی حمایت کرنے والے علمائے کرام کے ناموں کوبھی کتاب کے اسی باب میں بیان کیا گیا ہے۔

آٹھویں باب میں'' دیوبندیوں اور وہابیوں کے سلسلے میں اہل سنت کا موقف'' کے تحت اہل دیو بند اوراہل حدیث کے درمیان مماثلت اوراختلافات کی نوعیت پرگفتگو کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ اہل حدیث تقلید کی مخالفت کرتے تھے جبکہ اہل دیوبند حنفی فقہ کے مقلد تھے۔ تاہم تحریک اہل سنت و جماعت کی نظر میں ان کے درمیان مماثلت بھی تھی۔ اسی لیے وہ ان دونوں کے لیے'' وہابی'' کی اصطلاح کواستعمال کرتے ہیں۔حسام الحرمین کے حوالے سے ان کے سرکردہ علماء کی قابل اعتراض باتوں کو جوامام احمد رضا کی نظر میں کفریہ تھیں ان کواس باب میں نقل کرکے ان پرتفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

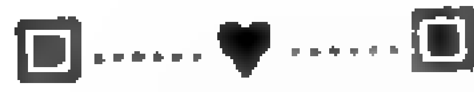
نویں باب میں ''خلافت ، ہجرت اورترک موالات پرآراء'' کے عنوان سے ''تحریک اہل سنت و جماعت'' کے سیاسی موقف کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔کفار ومشرکین سے موالات ومعاملات رکھنے کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت نے جوفتویٰ دیا تھااس پرتفصیلی گفتگو کی گئی

ہے۔ ہندوستان کے دار الاسلام یا دارالحرب ہونے کے سلسلے میں اس دور کے علماء کے خیالات کا تقابلی مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔ اس باب کے تفصیلی مطالعہ سے اس الزام کی قلعی کھل جاتی ہے جو اعلیٰ حضرت پر ان کے مخالفین نے لگایا تھا کہ وہ انگریز نواز تھے۔ ترکوں کی حمایت وہ بھی کرنے کو کہتے تھے۔ مگر خلافت کی شرعی حیثیت کے سلسلے میں ان کے خیالات اس دور کے خلفاء سے مختلف تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دلائل بھی پیش کیے ہیں۔ جہاں تک ترک موالات کی بات ہے تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کفار و مشرکین اور اہل کتاب (یہودیوں اور نصرانیوں) سب سے ترک موالات کرنے کو کہتے تھے۔

اختتامیہ میں ''مسئلہ پاکستان میں اہل سنت کا مباحثہ'' کے عنوان سے قیام پاکستان کے سلسلے میں ''تحریک اہل سنت و جماعت'' سے وابستہ تین سرکردہ علماء کے درمیان جو اختلاف رائے تھا اس کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ یہ حضرات صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی، شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی اور برہان الحق جبل پوری تھے۔ ان تینوں کے سوانحی حالات کو بیان کرنے کے بعد ان کے درمیان جو باتیں مشترک اور مختلف فیہ تھیں ان کو بیان کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کتاب کا افتتاحیہ اور ساتویں، آٹھویں، نویں باب اور اختتامیہ کا مطالعہ ''تحریک اہل سنت و جماعت'' کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ یہ کتاب علمی حلقوں اور دانشوروں میں بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ انگریزی زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں تاریخی تناظر میں تحریک اہل سنت و جماعت کا تحقیقی مطالعہ کیا گیا ہے۔ آئندہ اب اگر کوئی محقق ہندوستان میں برپا اصلاحی تحریکوں کا جائزہ لے گا تو اس کتاب کو نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ مقالہ نگار ڈاکٹر سانیال ایک غیر مسلم اسکالر ہیں۔ انہوں نے دستیاب مآخذ اور مراجع کی روشنی میں اپنی تحقیق پیش کی ہے۔ اس میں چند وہ باتیں بھی ہیں جن سے اختلاف کی گنجائش ہے۔ مگر ایک غیر جانبدار کی اس تحقیق نے ''تحریک اہل سنت و جماعت'' کے سلسلے میں پھیلائی گئی بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا ہے۔ مثلاً یہ کہا جاتا تھا کہ یہ ایک فرقہ ہے جس کے بانی مولانا احمد رضا تھے۔ یہ تحریک رسوم و روایات سے بندھی ہوئی ہے۔ اصلاح اور تجدید کے میدان میں ان کو شمار نہیں کیا جاتا تھا یا کچھ حضرات اس کو شمار کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ تحریک دیہاتوں میں مرکوز تھی۔ تعلیمی اور تنظیمی امور سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اس تحریک سے

وابستہ افراد دوسرے ہندوستانی مسلمانوں کی تکفیر کرتے تھے۔ تحریک خلافت اور ترک موالات کی انہوں نے ذاتی وجوہات کی وجہ سے مخالفت کی تھی۔ مگر اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے پروپیگنڈے تھے جن کی تاریخ میں کوئی بنیاد نہیں تھی۔ یہ الزامات تھے جن کی بنیاد میں حقیقت نہیں بلکہ خود ساختہ افسانے تھے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کے بانی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی ہر معاملے کو شرعی اصولوں کی روشنی میں دیکھتے تھے۔ اور اپنے موقف کی تائید میں قرآن، حدیث، اجماع، قیاس اور اقوال علماء سے دلائل بھی فراہم کرتے تھے۔ اب اگر کوئی شرعی اصولوں کی زد میں آتا تھا تو اس میں خود اس کا قصور تھا نہ کہ شرعی فیصلہ بتانے والے کا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق جاننے اور حق بولنے کی توفیق عطا فرمائے۔



محمد ولی اللہ قادری (مرکزی ادارہ شرعیہ سلطان گنج پٹنہ)

فتاویٰ رضوی فقہی انسائیکلو پیڈیا

فتویٰ کا اصطلاحی معنی شرعی فیصلہ ہے۔ اس لفظ فتویٰ کے ماہ(ف،ت،و) سے قرآن پاک میں تقریباً اکیس مقامات پر مشتق الفاظ آئے ہیں۔ گویا اس کی اصطلاحیں بہت قدیم ہیں۔ احادیث اور آثار صحابہ میں بھی بے شمار فتاوے نظر آتے ہیں۔

پہلی صدی ہجری میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ و شام اور مصر و یمن وغیرہ میں درجنوں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم منصب افتاء پر فائز تھے جو فتاوی صادر فرماتے تھے لیکن پہلی صدی کے بعد افتا نویسی نے باضابطہ ایک اہم دینی فن کی شکل اختیار کر لی اور پھر اس کا ایک طویل سلسلہ چل پڑا جو اسلامیان عالم کے لیے خصوصاً نعمت عظمیٰ اور دیگر اقوام وملل کے لیے عموماً سنگ میل ثابت ہوا۔ (فتاویٰ یورپ)

جہاں تک ہندوستان میں فتاویٰ کی تاریخ کا تعلق ہے تو اس کی تاریخ اتنی پرانی ہے جتنی ہندوستان میں اسلام آنے کی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہند کی سرزمین مسلمانوں کے قدم سے عہد فاروقی میں ہی سرفراز ہو چکی تھی۔ جب سلاطین اسلام نے ہندوستان میں قدم جمائے اور اس کفرستان میں اسلام کی پرچم کشائی ہوئی تو اسلامی احکام اور شرعی قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں علماء وفقہاء نے اس فن پر یہاں بھی خصوصی توجہ دی۔ بالخصوص سلطان محمود غزنوی، ظہیر الدین محمد بابر، سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے عہد میں اس فن نے واقعی ترقی حاصل کی۔ ان سلاطین میں سے بعض نے فتاویٰ کے مجموعے مرتب کرائے اور بعض نے خود کتاب تصنیف کی۔ محمود غزنوی نے خود فقہ پر شاندار کتاب ''التفرید فی الفروع'' تصنیف کی۔ سلاطین کے مرتب کرائے ہوئے مجموعے میں فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ فیروز شاہی، فتاویٰ اکبر شاہی، فتاویٰ عادل شاہی اور فتاویٰ تاتار خانی جیسے مجموعہ ہائے فتاویٰ سلاطین اسلام کے دور کی عظیم یادگار ہیں۔ اس ذیل میں فتاویٰ عالمگیری کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی کیونکہ اس کی تدوین پر اس زمانے میں سلطان عالمگیر اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے دو لاکھ روپے صرف کیے تھے (تلخیص

فتاویٰ ملک العلما)

ہندوستان میں فقہ حنفی کے ارتقا کی بابت بھی بات آتی ہے تو چودھویں صدی میں ترتیب فیہ مجموعے فتاوی، فتاوی رضویہ کا ذکر ناگزیر ہو جاتا ہے جو مجدد اعظم فقیہ اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے اور جسے ارباب فقہ وبصیرت نے اس دور کا ''فقہی انسائیکلوپیڈیا'' کہا ہے۔ امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ 14 جون 1856ء کو بریلی شریف یوپی کے ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے اور صرف 14 سال کی قلیل عمر میں تمام مروجہ علوم وفنون اپنے والد ماجد غزالی زماں مولانا نقی علی خاں قدس سرہ سے پڑھ کر سند فضیلت حاصل کی اور مسند تدریس وافتا کو زینت بخشی اور آخر عمر تک مسلسل فتویٰ نویسی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپ نے 25 صفر المظفر 1340ھ مطابق 28 اکتوبر 1921ء بروز جمعہ دو بج کر 38 منٹ پر اس دنیائے فانی کو لبیک کہا۔

امام احمد رضا خاں قدس سرہ تقریباً 52 سال تک فتاویٰ نویسی کی اہم ذمہ داری بے لوث انجام دیتے رہے اور اسی دوران آپؒ نے تقریباً ہزار کتابوں کی تصنیف وتالیف فرمائی لیکن ان سب میں گراں قدر سرمایہ امت مسلمہ کو آپ نے جو دیا وہ فتاویٰ رضویہ کی ضخیم 12 جلدیں ہیں جو ترجمہ اور تخریج حوالہ کے ساتھ 30 جلدوں میں منظر عام پر آئی۔

واضح ہو کہ فتاویٰ رضویہ کے بعض حصص کے دریافت کیے گئے کل استفتاء کی تعداد 4494 ہیں جس میں علماء ودانشور حضرات کے کل استفتاء کی تعداد 1061 ہے۔ علاوہ ازیں ان حصص میں 106 رسائل بھی ہیں۔

فتاوی رضویہ میں وافر تعداد میں ارباب علم ودانش اور مستند معروف ومشہور علماء کرام کے استفتا ہیں جو کسی دوسرے فتاویٰ میں شاید ہی مل سکتے ہیں۔ بایں وجہ صاحب کتاب نے علما کرام کے استفتا کے جواب میں دلائل وبراہین کے انبار لگا دیے ہیں۔ نیز اس کتاب میں ہر طرح کے سوالات پوچھے گئے ہیں مثلاً علم طب، ریاضی، عقائد، مناظرہ، تکسیر، وفق، توقیت، حساب، جفر، نجوم، ہندسہ، فلسفہ، فقہ اور اصول فقہ وغیرہ چنانچہ جب کوئی ماہر طبیب ان فتاویٰ کا مطالعہ کرتا ہے تو کیا محسوس کرتا ہے وہ مشہور حکیم محمد سعید دہلوی کے الفاظ صرف دیکھیں، حکیم موصوف لکھتے ہیں:

''فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے

کے لیے سائنس اور طب کے سارے رسائل سے کام لیتے ہیں اور حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لیے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے اس لیے ان فتاوی میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے یہاں ملتے ہیں اس سے ان کی دقت نظر اور طبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے تحقیقی اسلوب و معیار سے دین و طب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔"

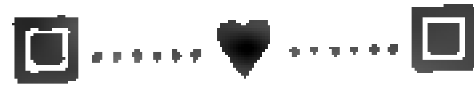
لطف کی بات یہ ہے کہ صاحب کتاب سے شدید اختلاف رکھنے والے بھی ان کی فقاہت اور تبحر علمی کے قائل ہیں اور وہ اپنی دینی درسگاہوں اور لائبریریوں کو فتاویٰ رضویہ سے زینت بخشتے ہیں۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے سابق صدر مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کتاب اور ان کی تصنیف کردہ فتاوی کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "ان کے زمانے میں فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ہم پلہ ہو۔ اس حقیقت پر ان کا فتاویٰ اور ان کی کتاب "کفل الفقیہ" شاہد ہے جو انہوں نے 1323ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی۔"

اسی طرح جناب علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری قدس سرہ (پاکستان) مولانا کوثر نیازی کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ وہ 1989ء میں ہندوستان کے دورے پر گئے تو ندوۃ العلماء بھی گئے۔ واپسی پر انہوں نے روزنامہ جنگ لاہور 11 دسمبر 1989ء میں اپنے تاثرات میں ندوہ کے بارے میں لکھا کہ اس کے ہال میں ممتاز فقیہ کا امتیازی مقام واضح کرنے کے لیے چارٹس آویزاں کیے گئے تھے چنانچہ علم فقہ میں ممتاز شخصیت کی حیثیت سے حضرت مولانا محمد رضا خاں کا نام لکھا ہوا تھا۔

مذکورہ بالا سے حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی کہ فتاویٰ رضویہ کا دوسرے فتاویٰ سے کیا خصوصی امتیاز حاصل ہے؟ مخالفین کی طرف سے جس کتاب کو یہ خصوصیت حاصل ہو اس کے فضل و کمال کی بہت بڑی دلیل ہے جیسا کہ عربی شاعر کا یہ مصرعہ ہے: **الفضل ماشهدت به الاعداء** ترجمہ: فضیلت وہ ہے جس کی گواہی مخالفین بھی دیں۔

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال بھی ان کے فتاویٰ میں علمی وزن اور دلائل و براہین کی کثرت و جامعیت دیکھ کر بیان کرتے ہیں: ''ہندوستان کے دور آخر میں اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے (اعلیٰ حضرت) کے فتاوی کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کے فتاوی ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت، علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عدل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں، اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاوی میں کبھی کسی تبدیل رجوع کی ضرورت نہیں پڑی۔



شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی، دہلی

امام احمد رضا اور مسلکِ جمہور

اس میں قطعاً کلام نہیں ہے کہ علامہ اجل مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ بریلوی مایۂ ناز عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ابواب علم کھول دیے تھے۔ مولانا مصباحی (مولانا یٰسین اختر مصباحی کی کتاب "امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات") نے اسی کتاب میں اور سید ریاست علی صاحب نے مولانا محمد مسعود احمد صاحب کی کتاب "دائرہ معارف امام احمد رضا" کے "سخن ہائے گفتنی" میں لکھا ہے کہ: جناب مولانا (احمد رضا خاں) نے پچاس علوم وفنون میں تصانیف و شروح اور حواشی لکھے ہیں۔

مولانا سید عبد الحیی صاحب نے "نزہۃ الخواطر" کی آٹھویں جلد میں لکھا ہے:
(ترجمہ) "آپ نے اپنے والد ماجد سے علم حاصل کیا اور ایک زمانے تک ان سے وابستہ رہے۔ یہاں تک کہ علم میں مہارت حاصل کر لی اور فنون کثیرہ میں خاص کر فقہ اور اصول میں اپنے اقران سے فائق ہوئے۔"

مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب پیش امام جامع مسجد فتح پوری دہلی نے عاجز سے بیان کیا: میں نے اضحیہ کے متعلق مولانا احمد رضا خاں صاحب سے کچھ دریافت کیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے مفصل جواب تحریر کیا۔ آپ نے بھیڑ کی اتنی قسموں کا ذکر کیا کہ میں متعجب رہ گیا (مفتی صاحب نے تعداد بتائی تھی لیکن عاجز بھول گیا ہے)

میں نے اس تحریر کو حفاظت سے رکھا تھا۔ ایک دن میں اس کو دیکھ رہا تھا کہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب تشریف لے آئے اور اس تحریر کا مطالعہ کیا اور مجھ سے کہا: "اس میں کلام نہیں مولانا احمد رضا خاں صاحب کا علم بہت وسیع تھا۔"

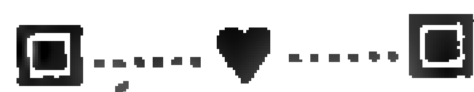
مولانا سید محمد میاں صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی احیاناً اس عاجز کے پاس تشریف لاتے تھے۔ ایک دن انہوں نے فرمایا: "مولانا احمد رضا خاں صاحب کے فتاویٰ کے بعض اجزاء چھپ گئے ہیں، اگر وہ اجزا آپ کو دستیاب ہو جائیں تو میرے واسطے لے لیں"

عاجز نے اس سے استفسار کیا۔ آپ کیوں لینا چاہتے ہیں؟ فرمایا: ''ان کے فتاوی میں کتابوں کے حوالے بہ کثرت ہوتے ہیں۔''

ابن العم المحترم حضرت محمد ابو سعید مجددی کے ساتھ چار شنبہ یکم محرم 1400ھ/21 نومبر 1979ء کو حیدر آباد دکن جانا ہوا۔ وہاں مولانا عزیز اللہ بیگ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ ان دنوں فاضل بریلوی کی کتاب ''جد الممتار علیٰ رد المحتار'' کا پہلا حصہ طبع کر رہے تھے۔ انہوں نے چار اوراق عاجز کو دکھائے۔ ان اوراق کو دیکھ کر فاضلِ بریلوی کی غزارت علم کا کچھ پتا چلا۔ علامہ شامی نے اگر کسی ایک کتاب کا حوالہ دیا ہے تو علامہ بریلوی نے مزید چند کتابوں کے نام درج کر دیے ہیں۔ عاجز کو مولانا عزیز بیگ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاضل بریلوی نے ایسی علمی کتابیں کثرت سے لکھی ہیں۔ اور یہ سارا علمی خزانہ آج تک شائع نہیں ہو سکا ہے۔

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی سے اکثر عاجز کی ملاقات ہوا کرتی تھی، ایک دن مفتی صاحب نے چند شعر ایک خاص کیفیت سے نعت شریف کے پڑھے، پھر فرمایا: ''یہ اشعار مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ہیں۔ نعت گوئی میں آپ کا بلند مقام ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمالات سے بہرہ اندوز کیا، اور آپ نے مدۃ العمر مسلک جمہور کی تائید کی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے 1927ء میں ''شمع توحید'' میں لکھا ہے: ''امرتسر میں مسلم آبادی ہندو سکھ وغیرہ کے مساوی ہے، اسی سال قبل قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔''

جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء ووفقنا لمرضاتہ۔ (مولانا ابو الحسن زید فاروقی مدظلہ) کی یہ تحریر دراصل مولانا یٰسین اختر مصباحی کی کتاب پر ایک تبصرہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا نے ابتدا میں لکھا تھا۔ عاجز نے مولانا یٰسین اختر مصباحی کی تالیف ''امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات'' کا جستہ جستہ مطالعہ کیا۔ کتاب اپنے موضوع میں شایانِ مطالعہ ہے۔ جزی اللہ المؤلف خیر الجزاء''



محمد قطب الدین رضا مصباحی

امام احمد رضا کا طرز تحقیق واستدلال

فقیہ اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے قلم سے لاتعداد فتاویٰ صادر ہوئے۔ آپ کے فتاویٰ میں بے شمار فقہی خصوصیات موجود ہیں۔ ایک اہم خصوصیت مشکل مقامات کی دل پذیر عقدہ کشائی اور حیرت انگیز طریقۂ استدلال ہے۔ آپ نے اپنی خداداد علمی لیاقت کی بدولت مسئلے کی تنقیح وتوضیح میں تحقیق کے بے شمار جواہر پارے لٹائے ہیں۔ چند شواہد کی روشنی میں اس پہلو کو اجاگر کیا جاتا ہے:

(1) بنی ہاشم پر اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اور صدقہ کا لینا حرام فرمادیا ہے۔ البتہ اس کے عوض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بنی ہاشم کو مال غنیمت سے پانچواں حصہ ملا کرتا تھا۔ عہد رسالت کے بعد یہ بند ہوگیا اور صدقات کا لینا جوں کا توں حرام ہی رہا۔ مال غنیمت کے اس پانچویں حصے کے بند ہو جانے کے بعد کچھ فقہاء نے صدقات کو بنی ہاشم کے لیے حلال قرار دیا کہ جس کی وجہ سے صدقات کی حرمت کا حکم تھا وہ اب باقی نہ رہا، لہٰذا تحریم صدقات کا حکم ساقط ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں امام احمد رضا قدس سرہ نے بڑی نفیس تحقیق فرمائی ہے جس کے بعد مسئلے میں کسی طرح کی کوئی تشنگی نہیں رہ جاتی۔ آپ نے سب سے پہلے سادات کرام پر زکوٰۃ و صدقات لینے کی حرمت اور اس کی علت بیان فرمائی اور پھر یہ ثابت فرمایا کہ جب تک علت موجود رہے گی اس وقت تک حکم بھی پایا جائے گا۔ گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ سادات کرام پر صدقات لینا اس لیے حرام ہے کہ وہ مالوں کے میل ہوتے ہیں اور ان کی شان ارفع و اعلیٰ اور عزت وکرامت کی حامل ہے۔ تو ان کی پاک ستھری ذات اس سے برتر ہے کہ ایسی چیزوں سے آلودہ ہو۔ ایسا نہیں کہ انہیں مال غنیمت کا پانچواں حصہ ملا کرتا تھا اس لیے صدقات حرام کردیئے گئے۔ تو جب صدقات کے حرام ہونے کا سبب مالوں کا میلا کچیلا ہونا ہے تو اب صدقات ہمیشہ کے لیے حرام ہوں گے کیونکہ یہ ایسی علت ہے جو زمانہ کے ہزار بدلنے سے

متغیر نہیں ہو سکتی اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گی تو پھر حکم بھی بلاشبہہ اپنے حال پر باقی رہے گا۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی اس توضیح و تنقیح سے مسئلہ نہایت واضح اور شفاف ہو جاتا ہے۔ پھر بھی آپ نے اس پر اکتفا نہ کر کے خمس سے وارد ہونے والے اشکال کو مزید جس تحقیقی انداز میں دفع فرمایا ہے اس سے آپ کی دقت نظر اور فقہی عبور پورے طور پر نمایاں ہے۔ آپ کی اس نفیس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی ہاشم پر پہلے صدقات حرام ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے خمس کو ان کے رزق کا ایک ذریعہ بنایا۔ اس طرح خمس کا اثبات صدقات کے حرام ہونے کے سبب ہوا۔ ایسا نہیں کہ خمس کو ثابت کرنے کے بعد صدقات حرام کر دیئے گئے۔ گویا خمس، صدقات کا عوض ہوا اور اس مسئلے میں عوض یعنی خمس جب ساقط ہو گیا تو اس کی بنیاد پر معوض ثابت نہ ہوگا کیونکہ معوض کا ثبوت اسی جگہ ہوتا ہے جہاں عوض کے حاصل ہونے کی وجہ سے اس کا زوال ہوا ہو۔ ورنہ معوض کا زوال اگر کسی ایسی علت سے ہو جو عوض کے علاوہ ہو تو جب تک وہ علت باقی رہے گی معوض ضرور ساقط رہے گا۔ عوض حال ہو چاہے ساقط ہو۔ تو بنی ہاشم کی عزت و حرمت کے سبب جب ان پر صدقات حرام فرما دیے گئے اور اس کے عوض خمس کا ثبوت ہوا تو اب اس خمس کے ساقط ہو جانے سے صدقات کی حرمت ختم نہیں ہوگی بلکہ وہ اپنے حال پر باقی رہے گی جب تک علت پائی جائے گی اور بنی ہاشم کی عزت و حرمت ہمیشہ باقی رہے گی تو اس طرح صدقات کی حرمت بھی ہمیشہ رہے گی۔ امام احمد رضا نے اس کو ایک بڑی واضح مثال سے آسان فرما دیا ہے کہ کسی مریض سے جب وضو کی فرضیت ساقط ہو جائے اور اس کے عوض تیمم لازم ہو تو پاک مٹی دستیاب نہ ہونے کے وقت تیمم بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں تیمم کے ساقط ہو جانے سے وضو کی فرضیت نہ لوٹے گی بلکہ اجتماعی طور پر وضو اور تیمم دونوں ساقط ہو جائیں گے۔

اس مسئلے کو امام احمد رضا قدس سرہ نے جتنے نفیس اور خوبصورت انداز میں ثابت فرمایا ہے وہ انہیں کے علم و فن کا حصہ ہے۔ مسئلے کی اس توضیح و تنقیح کے بعد کوئی تشنگی نہیں رہ جاتی۔ اس کامل تحقیق کے بعد امام احمد رضا کو خود اس کا احساس ہوتا ہے اور آخر میں رقم فرماتے ہیں

''ولله الحمد هكذا نبغي التحقيق والله سبحانه ولي التوفيق۔''

(2) فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ مسئلہ پوری طرح صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ دھواں یا غبار حلق میں خود داخل ہو جائے تو روزہ نہ ٹوٹے گا اور اگر کوئی اپنے قصد و ارادہ سے

داخل کرے تو اس سے روزہ جاتا رہے گا۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں ایک استفتا پیش ہوا۔ آپ چاہتے تو کتب حنفیہ سے جزئیات نقل کر کے نفس مسئلہ بیان کر دیتے کہ روزہ ٹوٹے گا مگر آپ نے اس پر اکتفا نہ کر کے صورت مسئلہ کی پوری تحقیق فرمائی اور خدا کے عطا کردہ علم لدنی سے ایسی توضیح وتشریح فرمائی کہ پڑھ کر طبیعت میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔

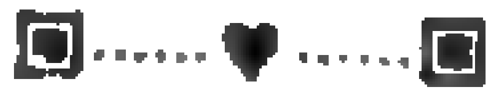
اس سلسلے میں تمہیدی طور پر امام احمد رضا قدس سرہ نے تین چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو روزے کی حقیقت کو مفطرات شرعیہ سے باز رہنے کا نام روزہ ہے۔ دوسری چیز یہ کہ حقیقت کے فنا ہونے کے بعد شئے کا وجود نہیں رہ جاتا بلکہ لازمی طور پر وہ شئے بھی فنا ہو جاتی ہے۔ خواہ حقیقت کا انتفا کسی ضرورت کے تحت ہو یا بلا ضرورت۔ ضرورت اور عدم ضرورت کی اس میں کوئی تفریق نہیں۔ تیسری چیز یہ کہ شریعت کے احکام انسانی طاقت ہی کے مطابق ہوتے ہیں۔

اس کے بعد نفس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے امام احمد رضا نے ان چیزوں کا جائزہ لیا جو خارج سے جوف صائم میں داخل ہوتی ہیں۔ ان کی تین قسمیں بیان فرمائیں۔ (1) کچھ چیزیں تو ایسی ہیں جن سے روزہ دار کسی وقت نہیں بچ سکتا جیسے ہوا کہ ہر لمحہ اس کی ضرورت ہے (2) کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے کسی نہ کسی وقت ہر شخص کو تلبس ہوتا ہے اور پورے طور پر ان سے بچنا ناممکن ہے۔ جیسے گرد وغبار اور دھواں وغیرہ کہ پورے طور پر ان سے نہیں بچا سکتا۔ (3) اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے پورے طور پر بچا جا سکتا ہے۔ البتہ کبھی کسی شخص کے ساتھ ایسے حالات آ سکتے ہیں جو تلبس پر مجبور کریں۔ ان مذکورہ تینوں قسموں میں جس طرح پہلی قسم میں روزہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح دوسری قسم میں بھی مطلقاً روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ مفطر ماننے کی صورت میں دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو ہمیشہ اسے مفطر مانیں کہ ضرورت کے باوجود اگر گرد وغبار یا دھواں حلق میں چلا جائے تو اس سے بھی روزہ جاتا رہے گا یا پھر ضرورت کے وقت تو مفطر نہ مانیں البتہ بلا ضرورت تلبس کو مفطر شمار کریں۔ پہلی صورت میں تکلیف مالایطاق لازم آئے گی اور دوسری صورت میں حقیقت کے فنا ہونے کے باوجود شئے کا وجود لازم آئے گا۔ لہٰذا حکم یہی ہوگا کہ یہ مفطر صوم نہیں اور گرد وغبار اور دھواں کے داخل ہونے سے روزہ نہ ٹوٹے گا۔

اس صورت میں ایک شبہہ یہ ہوتا ہے کہ کسی ایسی جگہ جانا جہاں دھواں یا گرد وغبار ہو اور وہاں جانے سے حلق میں دھواں یا گرد وغبار داخل ہونے کا اندیشہ ہو، دخول کہلائے گا اور اس سے روزہ ٹوٹے گا یا ادخال ہوگا اور اس کی وجہ سے روزہ جاتا رہے گا۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اس شبہہ کا جواب بڑی دقت نظر سے سپرد قلم فرمایا ہے اور بڑی تفصیل اس کے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ کی تفصیلی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ کسی چیز کا سبب جو مسبب تک مفضی ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ سبب کے ارتکاب کے بعد مسبب کا وقوع یقینی یا کم از کم اس کا غالب گمان ہو۔ دونوں حالتوں میں سبب کا ارتکاب مسبب ہی کا ارتکاب ہوگا کیونکہ باب فقہ میں غالب گمان بھی یقین سے ملحق ہوتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں مسبب کے کرنے پر جو حکم ہوتا ہے سبب کے ارتکاب پر بھی وہی حکم نافذ ہوگا۔ دوسری قسم یہ کہ سبب ایسا ہو جس کے بعد بسا اوقات مسبب کا وجود ہوتا ہو اور کبھی نہیں۔ اس صورت میں سبب کے ارتکاب کرنے پر کسی طرح مسبب کا حکم نہ ہوگا اور ایسی جگہ جانا جہاں دھواں ہو، اس دھواں کے داخل ہونے کا سبب غالب نہیں ہے لہٰذا یہ ادخال نہ ہوگا اور اس سے روزہ نہ ٹوٹے گا۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے کتنی مہارت سے شبہہ کا ازالہ فرمایا ہے اور نفس مسئلہ کو بے غبار کر دیا ہے۔

(3) مذہب حنفی میں نماز جنازہ کی تکرار ناجائز ونامشروع ہے۔ ہاں! اگر ولی کی اجازت کے بغیر کسی اجنبی نے نماز پڑھا دی ہو تو ولی کو اعادہ کا حق حاصل ہے۔ اس پر چند احادیث کریمہ سے اعتراض واقع ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے کہ وہ جب بیمار ہوئیں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ان کا انتقال ہو تو مجھے خبر کرنا۔ شب میں ان کا انتقال ہوا تو صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کرنا خلاف ادب سمجھا اور انہیں اندھیری رات میں کیڑے مکوڑے کا بھی خوف ہوا یہ خیال کر کے صحابہ کرام نے دفن کر دیا اور حضور کو اطلاع نہ دی۔ صبح میں حضور کو جب خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں نہ کہا تھا کہ مجھے اس کی خبر دینا؟ تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہمارے دلوں کو یہ گوارا نہ ہوا کہ رات میں باہر آنے زحمت دیں یا آپ کو بیدار کریں۔ پھر صحابہ کرام نے انکی قبر پر صف لگائی اور حضور نے نماز پڑھائی۔ اسی طرح کے چند واقعات اور مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کی تکرار درست ہے۔

ان واقعات کا جواب امام احمد رضا قدس سرہ نے ایک بڑی ہی لطیف گفتگو سے دیا ہے جس کے بعد سارے اعتراضات یکسر ختم ہو جاتے ہیں اور شکوک وشبہات کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز جنازہ ایک طرح کی شفاعت ہے اور شفاعت کے مالک باذن الٰہی صرف اور صرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور کے علاوہ جو بھی شفاعت کرے گا وہ حضور کی نیابت سے کرے گا۔ آپ کی اجازت کے بغیر اگر کوئی شفاعت کرے تو وہ فضولی کا تصرف ہوگا اور فضولی کا تصرف مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا، مالک اگر اجازت دے دے اور اس کو جائز کر دے تو جائز ہو جائے گا اور اگر مالک خود تصرف کرے تو فضولی کا تصرف باطل ہوگا۔ تو جن واقعات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز پڑھی تو یہ نماز کی تکرار نہ ہوگی بلکہ نماز اول یہی قرار پائے گی۔ (فتاویٰ رضویہ چہارم ص:43)



محمد عبد المبین نعمانی، مصباحی (المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی)

امام احمد رضا اور تفاخر انساب

اس میں شبہہ نہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی شخصیت ترجمان اسلام کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے زندگی بھر وہی کہا اور وہی لکھا جسے قرآن وسنت اوراقوال ائمہ امت کی روشنی میں درست وصحیح پایا۔ فقہی مسائل میں آپ مسلکِ احناف کے پابند تھے اورفروع عقائد میں سنی ماتریدی، عبادات و معاملات جس بارے میں بھی آپ سے سوالات ہوئے ان کے صحیح جوابات صادر فرمائے۔

''مسئلہ کفو'' میں بھی فقہائے احناف نے جو فرمایا اوراحادیث رسول سے جو مسئلہ ثابت ہوا اسی کا فتوی دیا، لیکن کچھ لوگوں نے آپ کے ان فتاویٰ کو دلیل بنا کر یہ پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ اعلیٰ حضرت نے فلاں فلاں برادری کو ذلیل بتایا ہے۔ حالاں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے کسی برادری کے معروف لقب کو بھی بطور طعن وتذلیل بولنا ناجائز و حرام بتایا ہے۔

نکاح میں کفایت کا مسئلہ عرف و عادت ناس کی وجہ سے مسلمہ فقہا ہے، اور کفو میں نکاح کرنے کا حکم خود حدیث پاک میں ہے۔ جولوگ اسے فقہا کی ایجاد قرار دیتے ہیں انہیں احادیث کے ذخیرے کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہاں! فقہا نے جیسے بہت سے مسائل کی تفصیلات بیان کی ہیں اسی طرح کفو کے مسئلے کی بھی تفصیل وتشریح کی ہے۔ جہاں ضرورت پیش آئی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بھی جزئیات فقہ کو بنیاد بنا کر جوابات ارقام فرمائے ہیں۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے بعض وہ ارشادات عالیہ انصاف پسند حضرات کی خدمت میں پیش کردیں جن سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ''مسئلہ کفو'' اور ہے اور ''تفاخر انساب'' اور۔ کسی مسلمان کو بلا وجہ شرعی ذلیل کرنا، یا ذلیل بنانا، یا ذلیل لفظ سے یاد کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ اور اعلیٰ حضرت کا نظریہ اس سلسلے میں نہایت صحیح، معتدل اور افراط وتفریط سے پاک ہے۔

سوال ہوا کہ شرع کی رو سے رذالت اور شرافت قوم پر منحصر ہے یا نہیں؟ اور کوئی کافر ایمان لائے اس کا کیا حکم ہے؟ تو ارشاد فرمایا:

اسلام کی عزت کے برابر اور کیا عزت ہے؟ اس نے (یعنی نومسلم نے) تو اسے اور بھی چار چاند نہیں بلکہ ہزار چاند لگا دیے۔ اگر کوئی چمار بھی مسلمان ہو تو مسلمانوں کے دین میں اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھنا حرام اور سخت حرام ہے۔ وہ ہمارا دینی بھائی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْ مِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (مسلمان مسلمان بھائی ہیں۔ کنز الایمان) اور فرماتا ہے فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ (تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں) (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص 456۔ رضا اکیڈمی ممبئی)

اور فرماتے ہیں:

شرع شریف میں شرافت قوم پر منحصر نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ تم میں زیادہ مرتبہ والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقویٰ رکھتا ہے۔ ہاں! دربارۂ نکاح اس کا ضرور اعتبار رکھا ہے۔ باپ دادا کے سوا کسی ولی کو اختیار نہیں کہ نابالغہ لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو سے کردے جس سے اس کی شادی عرف میں ننگ و عار ہو اگر کرے گا نکاح نہ ہوگا۔ (ص 457۔ فتاویٰ رضویہ جلد 5)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے ''مومن انصار برادری'' کو بطور طعن ''مومن'' کہنے کے بارے میں سوال ہوا تو ارشاد فرمایا

الحمدللہ! ہر مسلمان مومن ہے اور بعض بلادِ ہند کے عرف میں اس قوم (نور باف) کو مومن کہنا شاید اس بنا پر ہو کہ یہ لوگ اکثر سلیم القلب (صاف دل) حلیم الطبع (برداشت کا مزاج رکھنے والے) ہوتے ہیں۔ جن سے اور مسلمانوں کو آزار (دکھ) کم پہنچتا ہے۔ اور حدیث میں فرمایا کہ: مومن وہ ہے جس کے ہمسائے اس کی ایذاؤں سے امان میں ہوں۔ اَلْمُؤمِنُ مَنْ اَمِنَ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ۔ پھر یہ لفظ بطورِ طعن انہیں کہنا دوسری شناعت (برائی) ہے۔ ایک تو مسلمان کو اس کی نسبت یا پیشہ کے سبب حقیر جاننا، دوسرے ایسے عظیم جلیل لفظ کو محلِ طعن میں استعمال کرنا۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ اللہ سے ڈرے اور اپنی زبان کی نگہداشت کرے۔''

(فتاویٰ رضویہ جلد 5 / 792۔ مطبوعہ مبارک پور)

اسی طرح ''مسلمان حلال خور'' کے بارے میں سوال ہوا کہ وہ اپنے پیشہ سے فارغ ہو کر غسل کر کے طاہر (پاک) کپڑے پہن کر مسجد میں جائے تو وہ شریک جماعت ہو سکتا ہے یا

نہیں؟ اور اگر جماعت میں شریک ہو تو کیا پچھلی صف میں کھڑا ہو، یا جہاں جگہ ملے۔ یعنی اگلی صف میں بھی کھڑا ہو سکتا ہے؟ اور بعد نماز مسلمانوں سے مصافحہ بھی کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور مسجد کے لوٹوں سے وضو کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو جواب ارقام فرمایا:

''الجواب: بے شک (وہ مسلمان حلال خور) شریک جماعت ہو سکتا ہے اور بے شک سب میں مل کر کھڑا ہوگا۔ اور بے شک صفِ اول یا ثانی میں جہاں جگہ پائے قیام کرے گا۔ کوئی شخص بلا وجہ شرعی کسی کو مسجد میں آنے یا جماعت میں ملنے یا پہلی صف میں شامل ہونے سے ہرگز نہیں روک سکتا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ۔ بے شک مسجدیں خاص اللہ کے لیے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: العبادُ عبادُ الله۔ بندے سب اللہ کے ہوتے ہیں۔ جب بندے سب اللہ کے، مسجدیں سب اللہ کی، تو پھر کوئی بندے کو مسجد کی کسی جگہ سے بے حکم الٰہی کیوں کر روک سکتا ہے؟...... اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ۔ اس سے زیادہ ظالم کون؟ جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں خدا کا نام لینے سے۔

اس میں کوئی تخصیص نہیں کہ بادشاہ حقیقی عزوجل کا یہ عام دربار خاں صاحب، شیخ صاحب، مغل صاحب، یا تجار، زمین دار، یا معافی دار ہی کے لیے ہے، کم قوم یا ذلیل پیشہ والے نہ آنے پائیں، علما جو ترتیب صفوف لکھتے ہیں اس میں کہیں قوم یا پیشہ کی بھی خصوصیت ہے؟ ہرگز نہیں..........

بے شک زبال یعنی پاخانہ کمانے والا یا کناس یعنی جاروب کش مسلمان، پاک بدن، پاک لباس جب کہ مرد بالغ ہو تو وہ اگلی صف میں کھڑا کیا جائے گا اور خاں صاحب اور شیخ صاحب، مغل صاحب کے لڑکے پچھلی صف میں۔ جو اس کے خلاف کرے گا حکم شرع کا عکس کرے گا۔ شخص مذکور جس صف میں کھڑا ہو، اگر کوئی صاحب اسے ذلیل سمجھ کر اس سے بچ کر کھڑے ہوں گے، بیچ میں فاصلہ رہے گا، وہ گنہ گار ہوں گے۔ اور اس وعید شدید کے مستحق کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ ''جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے کاٹ دے گا'' اور جو متواضع مسلمان، صادق الایمان (سچے ایمان والا) اپنے رب اکرم و نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بجالانے کو اس سے شانہ بشانہ خوب مل کر کھڑا ہوگا اللہ عزوجل اس کا رتبہ بلند کرے گا۔ اور وہ اس وعدہ جلیلہ کا مستحق ہوگا کہ حضور انور سید

المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ۔ جو کسی صف کو وصل کرے (ملائے) اللہ اسے وصل فرمائے گا۔

ہمارے نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں: اَلنَّاسُ بَنُو اٰدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ..... لوگ سب آدم کے بیٹے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے (ابو داؤد، ترمذی، بیہقی)

دوسری حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اے لوگو! بے شک تم سب کا رب ایک اور بے شک تم سب کا باپ ایک۔ سن لو! کچھ بزرگی نہیں عربی کو عجمی پر، نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر، نہ کالے کو گورے پر، مگر پرہیزگاری سے۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں بڑا مرتبہ والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (بیہقی بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ)

ہاں! اس میں شک نہیں کہ زبالی مکروہ پیشہ ہے۔ جب کہ ضرورت اس پر باعث نہ ہو۔ مثلاً جہاں نہ کافر بھنگی پائے جاتے ہیں جو اس پیشے کے واقعی لائق ہیں، نہ وہاں زمین مثل زمین عرب ہو کہ رطوبات جذب کر لے، ایسی جگہ اگر بعض مسلمین، مسلمانوں پر سے دفع اذیت و حفظ صحت کی نیت سے اختیار کریں تو مجبوری ہے اور جہاں ایسا نہ ہو بے شک کراہت ہے۔ وہ بھی ہرگز حد فسق تک نہیں۔

مگر ان قوم دار حضرات (اونچی قوم بننے والے) کا تنفر (نفرت کرنا) ہرگز اس بنا پر نہیں کہ یہ ایک امر مکروہ کا مرتکب ہے۔ وہ تنفر کرنے والے حضرات خود صدہا امور محرمات و گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو اگر اس وجہ سے نفرت ہو تو وہ زیادہ لائق تنفر ہیں۔ ان صاحبوں کی صفوں میں کوئی نشہ باز، یا قمار باز (جواری)، یا سود خوار شیخ صاحب تجار، یا رشوت ستاں مرزا صاحب عہدہ دار، آ کر کھڑے ہوں، ہرگز نفرت نہ کریں گے۔ اور اگر کوئی کپتان یا کلکٹر صاحب، یا سرجنٹ مجسٹریٹ صاحب، یا اسسٹنٹ کمشنر صاحب، یا جج ماتحت صاحب آ کر شامل ہوں تو ان کے برابر کھڑے ہونے کو تو فخر سمجھیں گے۔ حالاں کہ اللہ و رسول کے نزدیک یہ افعال، اور پیشے کسی فعل مکروہ سے بدر جہا بدتر ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ ان کی نفرت خدا کے لیے نہیں بلکہ محض نفسانی آن بان اور رسمی تکبر کی شان ہے۔ تکبر ہر نجاست سے بدتر نجاست ہے۔ اور دل ہر عضو سے شریف تر عضو، افسوس کہ ہمارے دل میں تو یہ نجاست بھری

ہو اور ہم اس مسلمان سے نفرت کریں جو اس وقت پاک و صاف، بدن دھوئے، پاک کپڑے پہنے ہے۔

غرض جو حضرات اس بے ہودہ وجہ کے باعث اس مسلمان کو مسجد جانے سے روکیں وہ اس بلائے عظیم میں گرفتار ہوں گے جو آیت کریمہ میں گزری کہ اس سے زیادہ ظالم کون ہے؟ اور جو حضرات خود اسی وجہ سے مسجد و جماعت ترک کریں گے وہ ان سخت سخت وعیدوں کے مستحق ہوں گے جو ان کے ترک پر وارد ہیں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **الجفاءُ کُلُّ الْجفَاء وَالْکُفرُ وَ النِفَا ق مَنْ سَمِعَ مُنَادِیَ اللّٰہِ یُنَادِیْ وَیَدْ عُوا الی الْفَلاح فَلایُجِیْبُہ**۔ ظلم پورا ظلم اور کفر اور نفاق ہے کہ آدمی مؤذن کو سنے کہ نماز کے لیے بلاتا ہے اور حاضر نہ ہو، (امام احمد، طبرانی کبیر بروایت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور جو بندۂ خدا اللہ عزوجل کے احکام پر گردن رکھ کر اپنے نفس کو دبائے گا اور اس مزاحمت و نفرت سے بچے گا۔ مجاہدۂ نفسی و تواضع کا ثواب جلیل پائے گا۔

بھلا فرض کیجیے کہ ان مساجد سے تو ان مسلمانوں کو روک دیا، وہ مظلوم بے چارے گھروں پر پڑھ لیں گے۔ سب میں افضل و اعلیٰ مسجد، مسجد الحرام شریف سے انہیں کون روکے گا؟ اس مسلمان پر اگر حج فرض ہو تو کیا اسے حج سے روکیں گے اور خدا کے فرض سے باز رکھیں گے؟ یا مسجد حرام سے باہر کوئی نیا کعبہ اسے بنادیں گے کہ اس کا طواف کرے؟ ...... اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت بخشے۔ آمین۔

اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ مسجد کے لوٹے جو عام مسلمانوں پر وقف ہیں ان سے وضو کو بھی کوئی اسے منع نہیں کرسکتا، جب کہ اس کے ہاتھ پاک ہیں...... رہا مصافحہ خود ابتدا کرنے کا، اختیار ہے کیجیے نہ کیجیے۔ مگر جب وہ مسلمان مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے اور آپ اپنے اس خیال بے معنی پر ہاتھ کھینچ لیجیے تو بے شک بلاوجہ شرعی اس کی دل شکنی ہے۔ اور بے شک بلاوجہ شرعی مسلمان کی دل شکنی حرام قطعی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے بے شک مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے بے شک اللہ عزوجل کو (گویا) ایذا دی...... طبرانی اوسط بروایت انس رضی اللہ عنہ) (فتاویٰ رضویہ جلد سوم، ص 346 تا 348۔ سنی دارالاشاعت، مبارک پور)

دیکھا آپ نے کسی مسلمان کو محض پیشہ یا قومیت کی وجہ سے ذلیل و حقیر سمجھنے اور اپنے کو بلند و بالا تصور کرنے والوں کی امام احمد رضا قدس سرہ نے کیسی خبر لی ہے؟ اوران کو کیسی فہمائش و نصیحت کی ہے؟ بھلا ایسی صحیح اسلامی فکر کا حامل کوئی عالم دین کیسے کسی مسلمان کو از راہِ برادری حقیر بتا سکتا ہے؟ للہ انصاف شرط ہے۔

فضیلت نسب پر اپنے ایک رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

☆نسب پر فخر جائز نہیں۔

☆نسب کے سبب اپنے آپ کو بڑا جاننا، تکبر کرنا، جائز نہیں۔

☆دوسرے کے نسب پر طعن جائز نہیں۔ انہیں کم نسبی کی وجہ سے حقیر جاننا جائز نہیں۔

☆نسب کو کسی کے حق میں عاریا گالی سمجھنا جائز نہیں۔

☆اس کے سبب کسی مسلمان کا دل دکھانا جائز نہیں۔

☆احادیث جو اس باب میں آئیں انہیں معانی کی طرف ناظر ہیں...... کسی مسلمان بلکہ ذمی کافر کو بھی بلا حاجت شرعیہ ایسے لفظ سے پکارنا یا تعبیر کرنا جس سے اس کی دل شکنی ہو، اسے ایذا (تکلیف) پہنچے شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ اگر چہ بات فی نفسہ سچی ہو۔ (ارائة الادب لفاضل النسب، ص 31,30 کتب خانہ سمنانی میرٹھ)

شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا قادری نوری بریلوی قدس سرہ شرافت نسب پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جس میں اخلاق فاضلہ ہوں وہ شریف اور جس میں اخلاق دنیہ (برے اخلاق) ہوں وہ رذیل ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص 502۔ رضا اکیڈمی ممبئی)

ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

پیشہ کی دنایت حقیقتاً مستلزم دنایت شخص نہیں۔

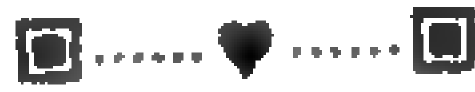
پھر فتاویٰ رضویہ کی مذکورہ بعض عبارات پیش کر کے فرماتے ہیں:

جب حضرت قدس سرہ نے یہ نص فرمادی۔ (کہ شرافت قوم پر منحصر نہیں۔ اور زیادہ مرتبہ والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقویٰ رکھتا ہے۔) تو ظاہر ہو گیا کہ حضرت کے نزدیک ہر وہ جولاہہ وہ نائی وہ دُھنیا وہ موچی وہ چھیپی وہ قصائی وہ چمار وہ بھنگی جو بعد اسلام

نیک عمل کرے متقی و پرہیزگار ہے، شریف ہے اور ہر وہ مغل، پٹھان، وہ شیخ جو فسق و فجور میں مبتلا ہو ذلیل۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص628-629 مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

اس فتویٰ پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے خلف اکبر، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کی بھی تصدیق و تائید ثبت ہے۔ یہ ایک طویل فتویٰ کا اقتباس ہے۔ تفصیل کے لیے فتاویٰ مصطفویہ ملاحظہ کیا جائے۔

بعض لوگ مسلمانوں میں برادرانہ عصبیت پھیلانے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کو بدنام کرنے میں بہت تیزی دکھاتے ہیں انہیں انصاف کی نظروں سے مذکورہ اقتباسات ملاحظہ کرنے اور اپنی غلط فہمی کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ الحمد للہ! اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا دامن کسی مسلمان کو بلاوجہ شرعی ذلیل کہنے سے پاک ہے۔



اختر حسین قادری علیمی (دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی)

خانوادۂ اعلیٰ حضرت کی فقہی خدمات

اہمیت فقہ اسلامی

فقہ اسلامی مذہب اسلام کا وہ عظیم الشان علمی و آئینی ذخیرہ اور بیش قیمت سرمایہ ہے جس کی اہمیت و افادیت اور عظمت و رفعت کا تذکرہ کلام ربانی، حدیث نبوی اور کتب اسلامی وغیرہ میں جابجا دکھائی دیتا ہے، بلکہ اکناف عالم میں اس سے بہتر آئین آج تک کسی آئین ساز کو پیش کرنے کی جرأت ہی نہ ہوسکی۔ فقہ اسلامی ہی وہ اصول و قانون ہے جو انسان کے جملہ شعبہ ہائے زندگی میں درپیش مسائل کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔

علامہ سید ظہیر احمد زیدی تلمیذ صدر الشریعہ سابق استاذ شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ رقم طراز ہیں:

"احکام فقہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے، افعال و اعمال انسان کا کوئی فعل ایسا نہیں ہے جس کے لیے فقہ اسلامی میں جواز یا عدم جواز کا حکم نہ بیان کیا گیا ہو۔ اگر کسی مسئلہ اجنبی سے متعلق صراحتاً حکم نہ ملے تو ایسے اصول وقواعد ضرور ملیں گے جن کے ذریعہ وہ حکم معلوم کیا جاسکتا ہے۔ فقہ اسلام نے اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ عالمی تمدن و معاشرت پر بھی گہرے نقوش قائم کیے ہیں اور ایک بہتر و صالح اور فلاحی معاشرہ قائم کیا ہے اور دنیا کی اس کی طرف رہنمائی کی ہے۔ بہت سے غیر مسلم محققین بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں اور انہوں نے اس کی جامعیت اور ہمہ گیری کا اعتراف بھی کیا ہے۔ (آداب الافتاء، ص10)

فقہ اسلامی بین الاقوامی سطح پر اپنی اہمیت و جامعیت کا اعتراف اپنوں اور غیروں سب سے کراچکا ہے۔ دنیا کے کسی قانون ساز ادارہ نے آج تک کوئی ایسا جامع اور مکمل دستور زندگی نہ پیش کیا ہے اور نہ کرسکتا ہے، کیونکہ اسلام کا یہ مدون و مرتب قانون کسی انسان کی ذہنی پیداوار کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کا مصدر و ماخذ سرچشمہ ہدایت کلام ربانی اور ارشادات نبی کریم علیہ

السلام ہیں اوراس کی تدوین وترتیب کرنے والے برج فضل وکمال کے وہ درخشندہ ستارے ہیں جن کے فہم وذکاء تیقظ و بیدار مغزی، دقت نظراور فراست کاملہ کا اعتراف سب نے کیا ہے۔

فقہائے اسلام

ملت اسلامیہ کے جس طبقے نے مکمل تندہی، حاضر دماغی، مشقت و جاں فشانی، خداداد صلاحیت و بصیرت اور کدو کاوش سے قرآن و حدیث سے ہزاروں کلیات و جزئیات کا استخراج فرمایا اورا سے اکناف عالم میں نہایت ذمہ داری و دیانت داری سے پھیلایا، اسی فیروز بخت طبقہ کو تاریخ اسلام اورزبان شرع میں فقہائے مقدس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس مقدس جماعت نے آغاز اسلام سے لے کر آج تک اپنی اپنی ژرف نگاہی، دقیقہ سنجی، قوت استدلال اورفکر سلیم کے ذریعہ قوم وملت کی رہنمائی کی اوران کی دینی ضرورتوں کو پورا کیا اور کر رہی ہے اوران شاء اللہ تا قیامت کرتی رہے گی۔

مفتی نقی علی خاں بریلوی، ہندوستان میں تیرھویں صدی ہجری کے فقیہ اعظم

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ خاک ہند کا خمیر علم وفضل ،فکر وفن، حکمت وکمال سے گندھا ہوا ہے۔اس خاک سے ہر قرن اور ہر زمانے میں علم وحکمت کے ایسے پیکر ابھرے جنہوں نے اپنی مساعی جمیلہ سے تاریک دلوں میں حکمت و دانائی کا چراغ روشن کیا اور تفسیر و حدیث، منطق وفلسفہ، فقہ واصول فقہ غرضیکہ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ میں گراں قدر خدمات انجام دیں جس کا اعتراف تاریخ کے ہر ہر ورق میں نظر آتا ہے۔

ہندوستان کا وہ علاقہ جسے آج کل ''اتر پردیش'' کہا جاتا ہے اس کی مردم خیز سر زمین سے بڑے بڑے نامور علماء وفضلاء، ادباء وشعراء اور محققین اور مورخین پیدا ہوئے جن کی دینی، علمی، مذہبی، اصلاحی، سماجی وسماجی خدمات کو تاریخ میں نمایاں مقام ملا ہے۔

شہر بریلی اسی صوبہ اتر پردیش کا وہ مشہور مقام ہے جہاں تیرہویں صدی ہجری میں چند ایسی شخصیتیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں جن کے گیسوئے علم وحکمت سے ایک جہاں معطر ہے، جنہیں دنیا خاندان رضا کے نام سے جانتی ہے۔اس خاندان کے نفوس قدسیہ نے سیاسی، جماعتی، اصلاحی، تبلیغی، مذہبی اوردینی خدمات میں وہ نقوش قائم کیے ہیں جو تا قیامت تابندہ و درخشندہ رہیں گے، خصوصاً فقہ وافتاء میں ان کی عظیم خدمات کے سامنے تو آج عرب وعجم سجود

نیاز لٹا رہے ہیں۔

مفتی نقی علی خان کے والد ماجد

جب ہم تاریخ روہیل کھنڈ کا مطالعہ کرتے ہیں تو علمی دنیا میں وہاں ایک سے بڑھ کر ایک صاحب فضل وکمال دکھائی دیتے ہیں، مگر تیرھویں صدی کے وسط میں فقہی میدان میں جن شخصیات کا نام سرفہرست نظر آتا ہے ان میں ایک امام العلماء مولانا مفتی رضا علی خاں بریلوی قدس سرہ العزیز ہیں جنہوں نے اپنی ژرف نگاہی، دقیقہ سنجی، عقل سلیم اور خداداد فقہی صلاحیت ولیاقت سے اقران وامثال پر فوقیت حاصل کی اور مکمل چونتیس برس تک اپنی فقیہانہ بالغ نظری سے قوم کو مستفیض فرمایا۔

مفتی نقی علی بریلوی قدس سرہٗ

تیرہویں صدی ہی میں ایک دوسرا عبقری فقیہ جغرافیہ ہند پر اپنی تمام آب وتاب کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے مرجع فتاویٰ بن جاتا ہے جسے دنیا امام المتکلمین مفتی نقی علی خاں بریلوی قدس سرہٗ کے نام سے جانتی ہے۔

ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد صاحب رقم طراز ہیں

''اللہ تعالیٰ نے جو دقت نظر، وحدت فکر، فہم صائب اور رائے ثاقب ان کو عطا فرمائی تھی معاصرین میں نظر نہیں آتی۔'' (حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی، ص86)

مولانا رحمٰن علی خاں لکھتے ہیں

''عمر گراں مایہ خود باشاعت سنت وازالہ بدعت بسر بردہ، یعنی تمام زندگی سنت و شریعت کی نشر واشاعت اور بدعات وخرافات کے ختم کرنے میں گزاری۔''

(تذکرہ علماء ہند ص244)

فقہ وعقائد میں معتمد کامل

مفتی نقی خاں قدس سرہٗ بلاشبہ ایسے فقیہ، نکتہ رس اور فقید المثال مفتی تھے جنہوں نے گزشتہ مسائل کو نکھارنے کے ساتھ ساتھ ان کی نوک و پلک کو بھی درست کیا اور پیچیدہ مسائل کی زلفوں کو بھی سنوارا۔ مفتی صاحب کو تعمق نظر، دور اندیشی اور غیر معمولی ذہانت و

ذکاوت، وسعت مطالعہ، استحضار کلیات و جزئیات میں امتیاز حاصل تھا۔ شارع علیہ السلام کے احکامات وارشادات کے مزاج اور روح تک پہنچنے کا ذوق سلیم بھی انہیں میسر تھا۔ وہ بلاشبہ تیرہویں صدی میں چرخ فقہ کے ایسے بدر کامل تھے جن کی نوری شعاعوں کی برکات سے ایک عالم مستفیض ہوا۔ آپ کی فقیہانہ صفات اور محققانہ کمالات سے آپ کا فقیہ اعظم ہونا آفتاب نیم روز کی مانند واضح ہے۔

مرجع فتاویٰ

مفتی صاحب کی بصیرت فقہی اور علمی رسوخ کا تذکرہ ماسبق میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکالنا کوئی امر دشوار نہیں رہ جاتا ہے کہ مفتی صاحب بلاشبہ بزم علماء و محققین کے صدر نشین تھے۔ علماء کرام آپ کو اپنا معتمد اور مستند عالم بے بدل سمجھتے تھے۔ فقہی عبقریت کی بنا پر اپنے زمانے کے مرجع فتاوی تھے، چنانچہ مولانا حسنین رضا صاحب لکھتے ہیں: ''مولانا نقی علی خان صاحب بھی اپنے وقت کے مرجع فتاوی تھے۔''

(سیرت اعلیٰ حضرت، ص 42)

14ویں صدی ہجری کے نصف اول میں عالم اسلام کے فقیہ امام احمد رضا بریلوی

مفتی نقی علی خاں قدس سرہٗ کے ہی نامور اور بلند اقبال فرزند شہیر عرب وعجم مفتی عالم مولانا احمد رضا قادری بریلوی ہیں جو بریلی شریف میں 1856ء/1272ھ میں اس کائنات میں جلوہ افروز ہوئے، جن کے علم وفن اور تحقیق و تدقیق نے مخالف و موافق سب کو اپنا مداح بنا رکھا ہے۔ عرب وعجم، شرق وغرب میں جن کی تحقیقات علمیہ اور مہارت علوم عقلیہ ونقلیہ کے سامنے سجود نیاز لٹانے والوں کی لمبی قطاریں دکھائی دے رہی ہیں۔

ابوالحسن علی ندوی رقم طراز ہیں:

''کان عالماً متبحراً کثیر المطالعه واسع الاطلاع له قلم سیال و فکر جامل فی التالیف (الی ان قال) یندر نظیره فی الاطلاع علی الفقه الحنفی و جزئیاته۔'' (نزہۃ الخواطر، ج 8، ص 41)

بلاشبہ دو تین صدی کے اندر ان جیسا کوئی فقیہ پیدا نہیں ہوا، ان پر سب کا اتفاق ہے۔ ■■ چودھویں صدی کے مجدد اعظم اور فقیہ اعظم تھے جس کی شہادت میں سیکڑوں کتابیں

خصوصاً فقہ حنفی کا انسائیکلو پیڈیا فتاویٰ رضویہ کا ذکر کافی ہے، ان کے مطالعہ سے حقیقت خود ہی آشکارا ہو جائے گی۔

چودھویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان کے مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی

عالم اسلام کے اس متجر عالم امام احمد رضا قدس سرہٗ نے بارگاہ رب العزت میں ہاتھ پھیلا کر دعا مانگی تھی: اے مالک بے نیاز، یارب کریم! مجھے ایسی اولاد عطا فرما جو عرصہ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے۔" (مفتی اعظم اوران کے خلفاء، ج1 ص19)

مفتی اعظم کی ولادت کے ٹھیک 6 ماہ بعد حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں قدس سرہٗ بریلی شریف تشریف لائے تو اعلیٰ حضرت کو مبارک باد دیتے ہوئے اس بلند اقبال فرزند کے حق میں یہ بشارت دی اور پیش گوئی فرمائی:

"یہ بچہ دین وملت کی خدمت کرے گا۔ مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا، یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا۔" (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص503)

امام احمد رضا کی دعائے سحر گاہی اور مرشد برحق کی بشارت عظمیٰ کا حسین پیکر اور اولیاء کاملین کی نگاہ عنایت کا عظیم شاہکار آگے چل کر عالم اسلام میں مفتی اعظم ہند کے نام سے مشہور ہوا۔

دیگر اساتذۂ کرام کے علاوہ جملہ علوم وفنون کو سرکار اعلیٰ حضرت کی آغوش تربیت میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ فقیہ اسلام کی نگاہ کیمیا اثر نے علوم ومعارف کا گنجینہ خصوصاً فقہ وافتاء کا تاجدار بنا دیا۔ جودت طبع، فراست ودانائی، فضل وکمال، فقہی تبحر اور دقت نظر واصابت فکر گویا آپ کو ورثہ میں ملی تھی۔

مرجع فتاوی:

حضور مفتی اعظم کی فقہی بصیرت، ژرف نگاہی، جزئیات فقہ پر ید طولیٰ اور اصول وکلیات پر کامل دسترس نے آپ کو اپنے عہد میں مرجع فتاویٰ بنا دیا، صرف ہندوستان ہی نہیں دنیا کے گوشے گوشے میں آئے سوالوں کا جواب آپ نے فقہ حنفی کی روشنی میں عنایت فرمایا اور بے شمار لاینحل مسائل کو حل کیا۔ باتفاق علماء اہلسنت۔ بلاشبہ آپ کی ذات مرجع فقہ و

فتاویٰ تھی، چنانچہ نائب مفتی اعظم فقیہ العصر علامہ مفتی شریف الحق امجدی صاحب رقم طراز ہیں: ''جب تک حبر امت حضرت مفتی اعظم ہند باحیات تھے، ان کی زندگی سارے علماء و مشائخ اور عوام وخواص کا مرجع تھی اور جب کسی بھی نئے یا قدیم حادثہ کے بارے میں علماء اور مفتیان کرام کے مابین کوئی فرعی اختلاف ہوتا تو حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد قول فیصل ہوتا، ان کے فرمان کو بھی بلاچون وچرا تسلیم کرلیتے۔ لیکن حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہمارا کوئی مرجع اعظم نہیں رہا۔'' (صحیفہ فقہ اسلامی، ج1، ص12)

اس وقت ہمارے سامنے ایسے مسائل ہیں جو لاینحل پڑے ہیں اور اب حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ جیسا معتمد ومستند مرجع نہیں۔

فقہ کے کلیات وجزئیات پر استحضار کامل

فقہ پر کامل دست گاہ رب تعالیٰ کی وہ عظیم نعمت ہے جس کے شکر سے زبان کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتی ہے۔ جن نفوس قدسیہ کو یہ نعمت بے بہا حاصل ہے یقیناً وہ لائق صدرشک ہیں۔ فقیہ ہونا ایسا مشکل ترین امر ہے کہ جس کا اندازہ بخوبی ایک فقیہ کو ہی ہوسکتا ہے۔

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

''مفتی ہونا آج کل بہت آسان سمجھا جانے لگا ہے۔ مشہور ہے بہار شریعت اور فتاویٰ رضویہ دیکھ کر ہر اردو داں فتویٰ لکھ سکتا ہے، لیکن مفتی اور فقیہ ہونا کتنا مشکل ہے یہ وہی جانتے ہیں جو کسی ذمہ دار دارالافتاء کی خدمت پر مامور ہیں۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور فقیہ ہونا اخیر منزل ہے۔''

(انوار مفتی اعظم، ص249)

فقیہ العصر شارح بخاری علیہ الرحمۃ کے اس بیان سے آپ نے بخوبی یہ اندازہ لگالیا ہوگا کہ بلاشبہہ فقہ وتفقہ نہایت اہم اور مشکل چیز ہے جس کے لیے تیقظ وبیدار مغزی، ذہانت وفطانت، کلیات فقہ پر گہری نظر اور جزئیات پر کامل نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مفتی اعظم لاریب ایک عظیم فقیہ کے جملہ اوصاف کے حامل وجامع تھے۔

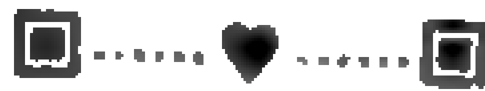
مفتی شریف الحق امجدی تحریر فرماتے ہیں:

''بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید پر حکم لکھ

دیتا، کبھی کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا، مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دارالافتاء میں نہ تھیں زبانی لکھوا دیتے۔ میں حیران رہ جاتا۔ باللہ کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں، یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں۔ پیچیدہ سے پیچیدہ، دقیق سے دقیق مسائل پر بداہتا ایسی تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا اس پر بڑی محنت سے تیاری کی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ کلام بہت کم فرماتے مگر جب ضرورت ہوتی تو ایسی بحث فرماتے کہ علماء انگشت بدنداں رہ جاتے۔ کسی مسئلہ میں فقہاء کے متعدد اقوال ہیں تو سب دماغ میں حاضر رہتے۔ سب کے دلائل وجوہ ترجیح اور قول مختار ومفتی بہ پر تیقن اوران سب اقوال پر اس کی وجہ ترجیح سب از بر۔" (مفتی اعظم اوران کے خلفاء، ج1، ص55-54)

جانشین مفتی اعظم مفتی اختر رضا قادری مدظلہ العالی النقام فرماتے ہیں۔ مفتی اعظم علم کے بحر زخار تھے جزئیات حافظے سے بتا دیتے تھے، فتاویٰ قلم برداشتہ لکھ دیا کرتے تھے۔
(حجاز جدید مفتی اعظم نمبر ص8 ستمبر 90ء)



پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری (سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ، ایٹہ)

امام احمد رضا کا علمی مرتبہ

دنیائے اسلام میں امام احمد رضا کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے۔ امام احمد رضا کا دور 1272 تا 1340ھ/1856 تا 1921ء) ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں ایک الگ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب آزادی کی شمع روشن ہو چکی تھی اور ملک کو آزاد کرانے اور انگریزوں کے تسلط سے نجات پانے کی کوششیں ہندوستانی مسلمان شروع کر چکے تھے اس دور میں خطہ روہیل کھنڈ میں وہ بچہ پیدا ہوا جو چودھویں صدی کے مجدد کے منصب پر فائز ہوا۔ اہلسنت والجماعت کا ہر شخص اس ذات کا احسان مند ہے جس نے اسلام وسنیت کے دفاع میں تقریباً پچپن برس جہاد بالقلم کیا اور تمام دشمنان اسلام وسنیت کو لا جواب کر دیا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے کہ وہ کفر ساز مشین ہیں، اپنے مخالف کو کافر بنا دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، ان کی قرآن فہمی مشکوک ہے وغیرہ وغیرہ لغو الزامات ان پر لگائے گئے۔ لیکن اللہ رب العزت جن کو اپنی رضا سے اپنے پیارے محبوب کے دین کی خدمت پر مامور کر دے پھر ان کے سامنے باطل کی طاقت کیا معنی رکھے گی۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے قلم سے تمام باطل اور گمراہ فرقوں کا مقابلہ کیا اور ان کے تمام باطل عقائد کا دندان شکن جواب دیا۔

حضرت فاضل بریلوی کو رب العزت نے بڑی خوبیوں سے نوازا اور خوب دین کا کام لیا۔ وہ بیک وقت ایک عبقری فقیہ، عظیم محدث، کہنہ مشق شاعر، ماہر علم نجوم وریاضی غرضیکہ علوم وفنون کا عطر مجموعہ، جدھر دیکھیے اپنی بے مثال صفات کے آئینہ میں وہ یکتا نظر آئیں گے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے تمام علوم مروجہ قرآن حدیث، تفسیر، کلام، فقہ، تاریخ، منطق و فلسفہ، نجوم، فلکیات وغیرہ میں اپنے تبحر علمی کا لوہا منوایا۔ حضرت رضا نے نہ صرف مذہبی علوم میں قلم اٹھایا بلکہ علوم جدیدہ پر ایسی فاضلانہ تحقیقات زمانے کے سامنے پیش فرمائیں کہ اگر ان

کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرادیا جائے تو بڑے سائنس داں امام احمد رضا کے آگے زانوئے تلمذ تہ کریں اوران کی یہی بے مثال علمی صلاحیتیں اور کاوشیں ان کی ذات کو اوروں سے منفرد اور امتیازی کردیتی ہیں۔ حضرت رضا نے علم جفر، ریاضی، فلکیات، فلسفہ، جغرافیہ، علم نباتات و حیوانات وغیرہ سمیت تقریباً پچاس سے زائد علوم وفنون میں تصانیف کا خزانہ دنیا کو عطا فرمایا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن ''کنز الایمان'' اپنے آپ میں ایک شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔ حضرت فاضل بریلوی کے ترجمہ کا طریقہ بیان کرتے ہوئے ملک شیر محمد خان رقمطراز ہیں کہ ''ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ امام احمد رضا زبانی طور پر آیات کا ترجمہ بولتے جاتے اور حضرت صدر الشریعۃ ان کو لکھتے رہتے لیکن یہ ترجمہ اس طرح نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر ولغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہٗ آیات کے معنی سوچتے پھر ترجمہ کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف روانی سے پڑھتا جاتا ہے۔'' اور شاید یہی وجہ تھی کہ کنز الایمان ایک سادہ اسلوب اور عام فہم انداز میں ابھر کر سامنے آیا۔

اسی طرح امام احمد رضا کی حدیث دانی کا بھی کوئی جواب نہ تھا ان کے علم حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا محمود احمد رضوی رقم طراز ہیں کہ ''علم حدیث میں بھی وہ اپنا ہمسر نہ رکھتے تھے۔ علم رجال میں ان کو وہ دسترس حاصل تھی کہ ایک ایک راوی کے حالات نوک زبان پر تھے۔ معنی میں بحث، ناسخ ومنسوخ کی تمیز، جمع بین الصلاتین کی بحث میں آپ کی ایک نفیس وجلیل تصنیف ''حاجز البحرین عن جمع بین الصلاتین'' قابل دید ہے جس میں مولوی نذیر حسین دہلوی پیشوائے غیر مقلدین کا رد فرمایا ہے۔ اگر محدثانہ شان امام احمد رضا کی دیکھنی ہو تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کیا جائے۔''

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی فقہی بصیرت پر ان کو بھی کوئی شک نہیں ہے جو ان کے حلقۂ محبت میں نہیں ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہوں گے کہ امام احمد رضا نے گیارہ ہزار صفحات پر مشتمل فتاویٰ الرضویہ لکھ کر ہم سنیوں پر کتنا بڑا احسان کیا ہے، جس سے ان کی مجتہدانہ بصیرت، علمی استدلال اور فکر کی گہرائی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور فتاوی کا مطالعہ کرنے والوں میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو بعض معاملات میں ان کے شدید مخالف ہیں لیکن ان کی علمی صلاحیتوں کے معترف بھی۔ بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی ''فقہ حنفی اور اس

کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی ان کا کوئی ہم پلہ ہو۔ اس حقیقت پر ان کا فتاویٰ اور ان کی تصنیف کفل الفقیہ الفاہم شاہد ہے" اور اسی سلسلہ کو مزید تقویت بخشتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے کہا" امام احمد رضا بے حد ذہین اور باریک بیں عالم دین تھے۔ فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے اور پاک و ہند میں ان جیسا طباع اور ذہنی فقیہ بمشکل ہی ملے گا" اس کو کہتے ہیں حقیقت جو سر چڑھ کر بولتی ہے۔

فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کی فقاہت پر حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے جو کلام فرمایا ہے اسے ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں:" علم فقہ میں جو تبحر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا اور اس کو عرب و عجم، مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا۔ تفصیل تو ان کے فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر دو لفظوں میں یوں سمجھیے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا وہی تمام بد مذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے مخالفوں کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کا نظیر آنکھوں نے نہ دیکھا۔"

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی شاعری کی بات کی جائے تو وہ بیک وقت اردو، عربی، فارسی کے قادر الکلام شعراء کی صف میں کھڑے نظر آئیں گے۔ انہوں نے اس اعلیٰ درجے کی شاعری کی ہے کہ ملک کی مایہ ناز علمی درسگاہیں امام احمد رضا کی شاعری پر تحقیق کا کام کروا رہی ہیں۔ حدائق بخشش کا مطالعہ کرنے والے اہل علم و اہل ادب و سخن جانتے ہیں کہ امام احمد رضا نے نعتیہ شاعری میں جو خوشگوار اضافے کیے وہ اوروں کے لیے عنقا ہے۔ ان کا مشہور زمانہ سلام"مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام"، قصیدۂ معراجیہ، قصیدۂ نور، قصیدہ چراغ انس، عربی قصائد، فارسی مناقب شاہکار تخلیقات کا درجہ رکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جتنا بھی کام کیا، تحقیق و تصنیف کا، تراجم و تفسیر کا وہ تو سب مسلم ہے لیکن ان کی زندگی کا بنیادی مقصد عشق رسول اکرم تھا، ان کا نصب العین تعظیم رسول تھا، ان کی ہر ہر ادا عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینہ دار تھی۔ ان کا ہر ہر قدم مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور محبت کے لیے وقف تھا اور یہی وہ جذبہ تھا جس کی وجہ سے مولانا احمد رضا خاں اعلیٰ حضرت بن کر سنی مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ رسول کی تعظیم کرنے والوں، اولیاء کرام سے عقیدت رکھنے والوں کو کل بھی اعلیٰ حضرت اچھے

لگتے تھے اور آج بھی ان کی پہلی چاہت ہیں اور یہ سب صدقہ ہے عشق رسول کا، یہ انعام ہے ناموس رسالت پر خود کو قربان کرنے کا۔ اور یہ سب کیوں اور کیسے ہے جب یہ سوال امام احمد رضا سے کرو تو وہ مسرورانہ یہ جواب دیتے ہیں کہ۔

کیسے آقاؤں کا بندہ ہو رضا
بول بالے میری سرکاروں کے

اور یہ سرکار مارہرہ کی بڑی سرکار تھی جن میں بڑے حضرت صاحب حضور سید شاہ آل رسول کے دست حق پرست پر امام احمد رضا نے اپنی جان مال کا سودا کر کے اپنا ہاتھ سرکار غوث اعظم کے ہاتھ میں دیا تھا۔

اس مختصر مضمون میں راقم الحروف اعلیٰ حضرت اور خاندان برکاتیہ سے متعلق ان واقعات کو بیان کرے گا جو خاندانی روایات پر مشتمل ہیں جن کا بیان مجھ سے والد ماجد حضور سیدی احسن العلماء عم مکرم حضور سید العلماء اور دادا صاحب حضرت سید آل عبا قادری نوری نے فرمایا۔ ایک صدی سے زیادہ گزری، 1294ھ میں ایک نوجوان صاحبزادے مع اپنے والد بزرگوار مارہرہ کی خانقاہ برکاتیہ میں تشریف لائے۔ سجادہ غوثیہ برکاتیہ پر خاتم الاکابر حضرت سید آل رسول احمد قدس سرہ' اور ان کے ساتھ ان کے حضرت صاحب کے خلیفہ اور پوتے حضور مفتی اعظم ہند قبلہ کے پیر و مرشد یعنی جد مکرم اکابر ہند سید شاہ ابوالحسین احمد نوری الملقب میاں صاحب قدس سرہٗ اور میرے پردادا حضرت سید شاہ حسین حیدر حسینی میاں رحمۃ اللہ علیہ جو تم الاکابر شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ کے حقیقی نواسے اور بڑے محبوب خلیفہ تھے، تشریف فرماتھے۔ ان دونوں حضرات بریلی کو بیعت فرما کر خلافت سے نوازا گیا۔ نوری دادا نے پوچھا کہ حضور آپ کے خاندان میں تو خلافت بڑی ریاضت اور مجاہدے کے بعد دی جاتی ہے ان دونوں حضرات کو آپ نے فوراً خلافت عطا فرما دی۔ حضرت سیدی شاہ آل رسول رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میاں صاحب اور لوگ گندے دل اور نفس لے کر آتے ہیں اُن کی صفائی کی جاتی ہے پھر خلافت سے نوازا جاتا ہے مگر یہ دونوں حضرات پاکیزگی نفس کے ساتھ آئے تھے صرف 'نسبت' کی ضرورت تھی وہ ہم نے عطا کر دی۔

قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ دونوں حضرات کون تھے یہ نوجوان صاحبزادے تھے چودھویں صدی کے ہونے والے مجدد اعلیٰ حضرت عظیم البرکتہ عبد المصطفیٰ احمد رضا خاں

اور دوسرے صاحب تھے اعلیٰ حضرت کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خان قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان۔ اسی مجلس میں اعلیٰ حضرت کے مرشد سیدی آل رسول قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا: میاں صاحب! ایک فکر عرصہ سے پریشان کیے ہوئے تھی، بحمد اللہ آج وہ دور ہوگئی۔ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ آل رسول ہمارے لیے کیا لایا تو میں اپنے مولوی احمد رضا خان کو پیش کردوں گا۔ حضرت صاحب نے اُسی محفل میں اعلیٰ حضرت کو وہ تمام اعمال و اشغال وغیرہ عطا فرمادیئے جو خانوادہ برکاتیہ میں سینہ بہ سینہ چلے آرہے تھے۔ مرشد برحق کے فیض روحانی کا یہ عالم تھا کہ جب اعلیٰ حضرت حویلی سجادگی سے باہر تشریف لائے تو ایسا محسوس ہوا گویا جوانی کے دور کے حضور سیدی آل رسول تشریف" لارہے ہیں، حویلی سے باہر جو فقراء اور درویش حاضر تھے انہوں نے حسب دستور قدیم اسم جلالت 'اللہ' کا نعرہ بلند کیا، چند لمحات کے بعد اعلیٰ حضرت اپنی شکل میں آگئے۔

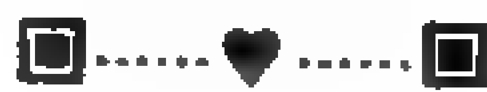
بحمد اللہ ایک صدی بیت جانے کے بعد بھی لکڑی کی وہ چوکی اور مسند جس پر صدی کے مجدد نے پیرو مرشد کے دست حق پرست پر جان و مال کا سودا کیا تھا، برکاتی حویلی سجادگی میں موجود ہے۔ اعلیٰ حضرت اپنے مرشدان عظام کا اس درجہ ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ مارہرہ کے اسٹیشن سے خانقاہ برکاتیہ تک برہنہ پا تشریف لاتے تھے اور مارہرہ سے جب حجام خط یا پیام لے کر بریلی جاتا تو 'حجام شریف' کہہ کر مخاطب فرماتے اور اس کے لیے کھانے کا خوان اپنے سر اقدس پر رکھ کر لایا کرتے تھے۔

نوری دادا نے اعلیٰ حضرت کو 'چشم و چراغ خاندان برکاتیہ' فرمایا اور کہا کہ اس دور میں سنیت کی کسوٹی مولانا احمد رضا خاں صاحب ہیں۔ اعلیٰ حضرت اور خاندان برکاتیہ کے تعلقات مثالی ہیں۔ نوری دادا، میرے مرشد برحق تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی رضی اللہ عنہ، عم محترم حضور سید العلماء نے اپنی پوری زندگی مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت کے لیے وقف فرمادی۔ خاندان برکاتیہ کا بچہ بچہ اعلیٰ حضرت کا شیدائی ہے۔ ہماری نجی مجالس ہوں یا عوامی جلسے ہر جگہ مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ و اشاعت ہی ہم لوگوں کا نصب العین اور مطمح نظر ہوا کرتا ہے۔ اس ضمن میں اپنے عم محترم حضور سید العلماء قدس سرہٗ کا یہ شعر مجھے بار بار یاد آرہا ہے۔

حفظ ناموسِ رسالت کا جو ذمہ دار ہے

یا الٰہی مسلکِ احمد رضا خاں زندہ باد

اعلیٰ حضرت کو خانوادۂ برکاتیہ سے جو عقیدت و محبت تھی شاید ہی اس کی نظیر موجودہ دور کی پیری مریدی میں دیکھنے کو ملے۔ اپنے آقا اور آقا زادوں سے ایسے مراسم عقیدت و رغبت، کہ دیکھنے والے رشک کریں۔ سادات کرام کا جو احترام اعلیٰ حضرت کے یہاں تھا وہ بے مثل و بے نظیر ہے جس کے ثبوت میں ہزاروں واقعات زینت قرطاس ہو سکتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے شریعت مصطفیٰ اور محبت مصطفیٰ دونوں کا بیک وقت پاس رکھنے والا عمل صرف اور صرف امام احمد رضا قدس سرہٗ کا حصہ تھا۔ فرمایا کہ اگر سادات کرام پر حکم شریعت لگانے کا وقت آجائے تب بھی دل میں یہ نیت ہونا چاہئے کہ شہزادے کے دامن پر گندگی لگی ہے اس کو صاف کیا جارہا ہے۔ سبحان اللہ یہ ہے دین کے سچے خادم کی شان اور آل مصطفیٰ سے وفاداری۔ اور یہی وہ جذبہ تھا جس کی وجہ سے امام رضا کو ان کے پیر خانے نے چشم و چراغ خاندان برکات کہا، اپنا روحانی فرزند بنایا، اعلیٰ حضرت کو خاندان برکات سے جو عقیدت تھی اس کا عکس ان کے فرزند حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی ذات مبارک میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے اور کیوں نہ ملتا کہ اعلیٰ حضرت کے مرشد زادے سرکار نوری میاں قدس سرہٗ نے مفتی اعظم کو اپنا روحانی فرزند بنایا اور یہ واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے کہ اعلیٰ حضرت مارہرہ مطہرہ میں حاضر ہیں فجر کی نماز کے بعد سرکار نور نے اعلیٰ حضرت کو خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا کہ مولانا آپ کے گھر ایک فرزند تشریف لائے ہیں میں ان کا نام آل الرحمٰن ابوالبرکات محی الدین جیلانی تجویز کرتا ہوں ان شاء اللہ بہت جلد بریلی آکر اس بچے کو دیکھوں گا۔ جب مفتی اعظم 6 مہینے کے ہوئے تب سرکار نور بریلی تشریف لے گئے اور سرکار مفتی اعظم کو بیعت فرمایا، تمام سلاسل کی خلافتیں عطا فرمائیں اپنی نوری دعاؤں سے نوازا۔ ولی ہونے کی بشارت فرمائی۔ نوری دعاؤں کو شرف قبولیت عطا ہوئی اور وہی بچہ بڑا ہو کر روحانیت کا تاجدار ہوتا ہوا نظر آیا اور مفتی اعظم بنا۔



ڈاکٹر علامہ طاہر القادری (ڈائریکٹر ادارہ منہاج القرآن، لاہور)

حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا کا علمی نظم

حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا کی شخصیت کی ہر جہت ایک مستقل موضوع سخن ہے، مثلاً یہ کہ آپ طریقت میں کس طرح مصلح ہوئے؟ طریقت میں کیا کیا خرابیاں در آئی تھیں اور ترک شریعت کا رجحان کتنا غالب ہو گیا تھا؟ شریعت سے طریقت کو کس طرح ہٹایا جا رہا تھا؟ ہندو معاشرے کے اثرات کے پیش نظر آپ نے کیا کردار انجام دیا؟ یہ مستقل طور پر ایک مطالعہ طلب موضوع ہے۔ اسی طرح عقائد کے باب میں کیا کیا خرابیاں در آئی تھیں؟ توحید اور رد شرک کے نام پر اہانت رسالت مآب ﷺ کا سیلاب کس طرح امڈ رہا تھا؟ امت مسلمہ کے خرمن ایمان کو جلا کر راکھ کو دینے کے لیے کیا کیا سازشیں ہو رہی تھیں؟ آپ نے اس سیلاب اہانت کے آگے کس طرح ادب و محبت کا بند باندھا، اس کا رخ موڑ کر کس طرح امت مسلمہ کے خرمن عقائد کے تحفظ کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ یہ اپنی جگہ تاریخی تحقیق کا موضوع ہے۔ یہاں آپ کا کام مجددانہ نظر آتا ہے۔

آپ کی شخصیت کی جامعیت، وسعت اور گہرائی تقاضا کرتی ہے کہ آپ کے علمی و فکری کارناموں کے کسی ایک جز کو لیکر اسے سمجھنے کا حق ادا کیا جائے۔ اس لیے یہاں ہمارا موضوع آپ کی شان مجتہدیت کے حوالے سے فقہی مذہب میں آپ کی خدمات جلیلہ ہیں۔ اس حوالے سے آپ کی شخصیت میں کئی انفرادیتیں اور امتیازات نظر آتے ہیں اور یہ امتیازات و شخصیات آپ کی علمی، فکری اور مجتہدانہ قدو قامت کو اتنا بلند کر دیتے ہیں کہ آپ کے دور کے ہزار ہا اہل علم آپ کے مقابلے میں پست قامت نظر آتے ہیں۔ آپ کی فقہی شخصیت میں جو انفرادیتیں نمایاں ہیں ان کے چند نکات خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

(1) آپ کی فکر و نظر میں بہت عمق اور دقت ہے۔ (2) آپ کے مطالعہ میں کمال درجے کی وسعت اور ہمہ گیریت ہے۔ (3) آپ کے فہم میں اعلیٰ درجے کی صحت و قطعیت

ہے۔(4) آپ کے دلائل میں بے پناہ قوت ہے۔(5) آپ کے اخذ نتائج میں بڑی پختگی اور مہارت ہے۔(6) آپ کی رائے میں نہایت ثقاہت و صلابت ہے۔(7) آپ کے علم و بیان میں کمال درجہ نظم و ضبط ہے۔

یہاں ہمارا موضوع بحث فقط آخری نکتہ ہے" آپ کے علم کا نظم و ضبط" یعنی آپ کی مجتہدانہ شان کے مذکورہ بالا نمایاں پہلوؤں میں سے صرف ایک پہلو۔

جب ہم اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی کارناموں کی مجتہدانہ تحقیقات پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ اس ایک شخصیت میں درجنوں علوم کے سمندر سمائے ہوئے ہیں، ساری زندگی پڑھنے پڑھانے میں گزار دینا، بے شمار علمی و تحقیقی کتابیں تصنیف کرنا اور علوم متداولہ عقلیہ، نقلیہ و جدیدہ پر کمال کی حد تک عبور حاصل کر لینا آپ کے علم کے نظم و ضبط کی غماز ہے۔ یہ کمال علم میں نظم و ضبط کے بغیر ممکن ہی نہیں، اس لیے کہ علم بغیر نظم کے علم (Knowledge) نہیں بنتا بلکہ ادراک (Perception) رہتا ہے۔ علم کی تعریف ہی یہ ہے کہ جب ادراک منظم ہو جائے تو اسے علم کہا جاتا ہے۔ جب حواس خمسہ کے ذریعے آنے والے مدرکات حسی کارخانہ عقل میں آتے ہیں تو ان صور حسی کو حس مشترک قبول کرتی ہے اور ساتھ ہی خیال انہیں محفوظ کر لیتا ہے پھر ان کے معنی و جزئیہ کو قوت واہمہ قبول کرتی ہے اور آخر کار حافظہ ان کو محفوظ کر لیتا ہے پھر ان ظاہری صورتوں اور معانی کو باہم ملانے کا کام متصرفہ کرتی ہے۔ گویا عقل اپنے پانچوں شعبوں کی مدد سے صحیح نتیجہ اخذ کرتی ہے اس طرح ادراک منظم ہو جاتا ہے تو اسے علم کا نام دے دیا جاتا ہے۔

دراصل علم کا وجود نظم کے بغیر ممکن ہی نہیں لیکن شومئی قسمت کہ حیات ملی کے اکثر شعبوں میں زوال کے باعث ہمارا سارا علمی نظام بغیر کسی نظم کے چل رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہم جو کچھ اپنی نوجوان نسل کو منتقل (Communicate) کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں ہو پاتا۔ اس تناظر میں جب ہم اعلیٰ حضرت کے علمی و تحقیقی نظم و ضبط پر نظر ڈالتے ہیں تو بلا مبالغہ یہ حقیقت لبوں پر آ جاتی ہے کہ جو ربط اور نظم و ضبط یہاں نظر آتا ہے وہ کئی سو سالہ علمی ذخیرے میں بھی نہیں ملتا۔ وسعت علم اور صلابت نظم کا یہ کمال گواہی دیتا ہے کہ اعلیٰ حضرت اپنی ذات میں ضبط علم کا ایک روشن مینار ہیں۔

حکم شرعی کے اقسام و مدارج میں نظم پیدا کرنا

آپ کے علمی نظم میں جو پہلی صورت ہمیں نظر آتی ہے وہ آپ کا حکم شرعی کے اقسام و مدارج میں نظم پیدا کرنا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج تک اصول فقہ کی جتنی بھی کتابیں منصۂ شہود پر آئیں خواہ وہ توضیح تلویح ہو، کشف الاسرار ہو، مسلم الثبوت ہو، المستصفی یا الاحکام ہو ان سب میں احکام شریعت کے مختلف مراتب، درجات اور اقسام کا ذکر ملتا ہے۔ شریعت کے حکم کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔

"**المراد من الحکم ماثبت بخطاب اللہ المتعلق بافعال المکلفین اما بالطلب او بالتخییر او بالوضع**" حکم سے مراد ایسے خطاب الٰہی سے ثابت شدہ وہ قدر ہے جو مکلف افراد کے افعال سے متعلق ہو خواہ کسی طلب و اقتضاء پر مبنی ہو یا تخییر و اباحت پر، خواہ وضع سے متعلق ہو۔

وہ قانونی قدر (**Legal Value**) جو مکلف افراد کے اعمال سے متعلق ہو خواہ اس میں طلب و اقتضا پائی جائے، یا تخییر و اباحت پائی جائے یا وضع پائی جائے ایسی قانونی قدر کو حکم کا نام دیا جاتا ہے۔ حکم کے اندر جو طلب (**Demand**) پائی جاتی ہے اس کی دو اقسام ہیں۔

(1) امر (**Comission**) یہ مثبت طلب (**Positive Demand** ہے)

(2) نہی (**Omissio**) یہ منفی طلب (**Negative Demand**) ہے۔ امر کسی کام کرنے کی طلب ہے۔ یہ طلب فعل ہے اور نہی نہ کرنے کی طلب ہے یہ طلب ترک فعل ہے گویا امر اور نہی دونوں حکم کا درجہ رکھتے ہیں۔ شریعت مطہرہ کے احکام کی بابت اصول فقہ میں فقہاء اور اصولیین نے جو اقسام اور درجات بیان کیے ہیں ان میں ابتداً امر اور نہی دونوں کی پانچ اقسام کا ذکر ملتا ہے۔

اول: فرض (**Mandatory**)

دوم: مستحب (**Commendable**)

سوم: مباح (**Permissible**)

چہارم: حرام (**Forbidden**)

پنجم: مکروہ (**Disapproved**)

بعد ازاں علما اوراصولیین نے ان اقسام کو توسیع دی اور مذکورہ بالا مدارج و اقسام کے ساتھ دو اوراقسام کا اضافہ کیا یعنی (1) فرض (Mandatory) (2) واجب (Imperative) (3) مستحب (Commendable) (4) مباح (Permissible) (5) حرام (Forbidden) (6) مکروہ تحریمی (Condemned) (7) مکروہ تنزیہی (Improper)

بعد ازاں اصولیین نے اس پر مزید محنت کی اوراحکام شرعیہ کی روشنی میں ان اقسام کو پھر توسیع دے کر سات کی جگہ نو اقسام کو بیان کیا۔

(1) فرض (2) واجب (3) سنت موکدہ (4) سنت غیر موکدہ (5) مستحب (6) مباح (7) حرام (8) مکروہ تحریمی (9) مکروہ تنزیہی۔

اعلیٰ حضرت سے قبل کتب اصول میں ان اقسام کا تذکرہ بکثرت ملتا ہے۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ جب اصول فقہ کا کوئی طالب علم حکم شرعی کے اقسام پر غور کرتا ہے تو اس کے ذہن میں ایک ہیجانی اشکال ابھرتا ہے کہ جب فعل اور ترک فعل کی دونوں سمتوں میں حکمیت و شرعیت یکساں ہے تو اس کے درجات بھی یکساں ہونے چاہئیں یعنی امر و نہی کی دونوں طرفوں میں درجات احکام بھی برابر ہونے چاہئیں۔ جس طرح ہم امر کے باب میں درجہ بدرجہ فرض سے نیچے کی جانب اترتے چلے جاتے ہیں اسی طرح نہی کے باب میں بھی درجہ بدرجہ حرام سے نیچے اترنا چاہیے اوران دونوں طرف کے درجات میں یکسانیت ہونی چاہیے۔ اگر طلب فعل میں پانچ درجے ہوں تو طلب ترک فعل کی طرف بھی پانچ درجے ہونے چاہئیں اس سے کم نہیں۔ احکام شرعیہ کا نظام درجہ بندی (Gradat of values) میں نظم وضبط کا تقاضا کرتا ہے اس اعتبار سے ہم دیکھیں تو امر و نہی میں درجہ بندی کی صورت یوں بنتی ہے۔

حکم امر (طلب فعل) (1) فرض (2) واجب (3) سنت موکدہ (4) سنت غیر موکدہ (5) مستحب حکم نہی (طلب ترک فعل) (1) حرام (2) مکروہ تحریمی (3) مکروہ تنزیہی مباح دونوں سمتوں میں برابر

یہاں امر کے پانچ درجات نظر آتے ہیں اور نہی کے تین جبکہ مباح دونوں طرف مشترک ہے۔ اب عقل سلیم تقاضا کرتی ہے کہ جتنے درجات باب امر کے ہیں اتنے ہی درجات اس کے بالمقابل باب نہی کے بھی ہونے چاہئیں۔ مگر میں جب اصول فقہ کی کتب کا

مطالعہ کرتا تھا تو اُن میں مندرجہ مدارج احکام کو پڑھ کر ہمیشہ محسوس کرتا تھا کہ ایک طرف پانچ مدارج ہیں اور دوسری طرف مقابلے میں محض تین۔ جبکہ ادھر بھی پانچ ہی ہونے چاہئیں تھے۔ یہ خیال ہمیشہ ذہن میں کھٹکتا تھا۔ اصول کی بے شمار کتابیں کھنگالنے کے بعد جب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فتاوی رضویہ دیکھا تو خوش گوار حیرت کی انتہا نہ رہی کہ تاریخ اصول میں اعلیٰ حضرت وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اس اشکال کو دور کر دیا اور اس سقم کو مرتفع کر کے امر کے مدارج خمسہ کے مقابلے میں نہی کے بھی مدارج خمسہ بیان کیے اور اس طرح احکام شرعیہ کی درجہ بندی کا سفر جو نو پر آ کر رک چکا تھا اسے گیارہ تک پہنچا کر اس سفر کی تکمیل کا اعزاز اعلیحضرت شاہ احمد رضا خان کا مقدر بنا۔ آپ نے امر و نہی کے تمام درجات کو سامنے رکھ کر ہر ایک کا باہم دگر موازنہ کیا اور از روئے شرع ہر ایک کی حیثیت کو جدا جدا کر کے واضح کر دیا۔ یہ اپنی جگہ نظم فقہی اور ضبط علمی کا ایک عظیم نمونہ ہے۔ آپ نے لکھا کہ وہ حکم جس کا لزوم ثبوتاً اور دلالۃً قطعی ہو اور اس کا انکار کفر اور ترک موجب عذاب ہو خواہ یہ عادتاً ہو یا نادراً اس کو فرض (Obligation) کا نام دیا جاتا ہے جبکہ وہ حکم جس کا لزوم ثبوتاً یا دلالۃً ظنی ہو انکار کفر نہ ہو اور ترک موجب عذاب ہو خواہ عادتاً ہو یا نادراً اسے واجب کا نام دیتے ہیں۔ امر کا تیسرا درجہ بیان کرتے ہوئے آپ نے لکھا کہ وہ حکم جس کا تاکد (مواظبت) اصول سے ثابت ہو جس کا ترک موجب عذاب ہو، نادراً ترک موجب عتاب ہو، وہ سنت موکدہ ہے، امر کا چوتھا درجہ یہ ہے کہ وہ حکم جس کا عادتاً ترک موجب عذاب ہو اور نادراً نہ ہو یا عند البعض دونوں صورتوں میں عتاب ہو وہ سنت غیر موکدہ ہے۔ امر کا پانچواں درجہ وہ حکم ہے جس کے فعل پر ثواب ہو اور ترک پر ثواب، عذاب یا عتاب کچھ بھی نہ ہو اسے مستحب کہا جاتا ہے۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ان پانچ مدارج امر کے مقابلے میں نہی کے پہلے سے مذکور مدارج ثلاثہ پر دو کا اضافہ کر کے ہر امر کے مقابلے میں ایک نہی بیان کی اور لطف کی بات یہ ہے کہ اسی نظم و ضبط، اسی ترتیب اور احکام کے ادلہ شریعت سے ثابت ہونے والے انہی ضوابط کے تحت۔

مدارج میں آپ نے فرض کے مقابلے میں حرام، واجب کے مقابلے میں مکروہ تحریمی بیان فرمایا جبکہ امر کے تیسرے درجے سنت موکدہ کے مقابلے میں ''اسائت'' (Disapproved) کو بیان کیا۔ مدارج امر میں چوتھا درجہ سنت غیر موکدہ کا تھا اس کے بالمقابل آپ نے مکروہ تنزیہی (Improper) کو بیان فرمایا جب کہ مدارج امر کے آخری

درجے یعنی مستحب (Commendable) کے مقابلے میں مدارج نہی کے سلسلے میں پانچویں درجے" خلاف اولیٰ" (Uncommendable) کو قرار دیا اور گیارہواں درجہ "مباح" قرار پایا جو امر اور نہی دونوں میں مشترک ہے اس طرح نظم کا وہ سقم جو کتب میں ظاہراً نظر آ رہا تھا دور ہو گیا۔

اب مدارج احکام کا شیڈول اس طرح بن گیا۔

امر (1) فرض (2) واجب (3) سنت

موکدہ (4) سنت غیر موکدہ (5) مستحب

نہی (1) حرام (2) مکروہ تحریمی (3) اساءت

(4) مکروہ تنزیہی (5) خلاف اولیٰ

مباح (دونوں سمتوں میں برابر)

مدارج نہی کی یہ تفصیل بیان کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت نے یہ تحریر فرمایا کہ "اس تقریر کو حفظ کر لیجیے اس لیے کہ ان سطور کے غیر میں کہیں اور نہ ملے گی" آپ کا یہ جملہ آپ کے بے پناہ وثوق و اعتماد پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جسے بالیقین معلوم ہو کہ اصول پر لکھی گئی ہزار ہا کتب میں یہ ترتیب موجود نہیں ہے۔

مذکورہ بالا بحث اعلیٰ حضرت کے علمی نظم کا ایک عمدہ نمونہ ہے اور یہ نظم اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا جب تک جمیع امور شرعیہ پر مطالعہ اپنی وسعت اور گہرائی کے اعتبار سے حاوی نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت کے علمی نظم و فقہی ضبط کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

وہ اشیاء جن سے تیمم جائز یا ناجائز ہے۔

فقہائے متقدمین و متاخرین کی ہزار ہا کتب میں یہ بحث موجود ہے کہ کن اشیاء سے تیمم جائز ہے اور کن سے ناجائز۔ ان فقہاء نے جو کچھ بحثیں کیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان اشیاء کی کل تعداد چوہتر ہے جن سے تیمم جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت کی دقت نظر اور وسعت علم کا یہ عالم ہے کہ آپ نے تیمم کے جواز میں ایک سو اکیاسی اشیاء بیان فرمائیں۔

یہاں انسان کی حیرت گم ہو جاتی ہے کہ تنہا ایک فرد نے چوہتر اشیاء پر مزید ایک سو سات اشیاء کا اضافہ کیا۔ اسی طرح پہلے فقہا نے عدم جواز تیمم کے باب میں اٹھاون اشیاء کا ذکر کیا ہے جبکہ آپ نے یہ تعداد ایک سو بیس بیان فرمائی ہے۔ گویا آپ نے ان اشیاء پر

مزید باسٹھ اشیاء کا اضافہ فرمایا۔اس کی وجہ صرف یہ کہ آپ نے ان اشیاء کے جواز اورعدم جواز کی علت کا فہم حاصل کیا اوراس میں ایک اصولی نظم وضبط پیدا فرمایا۔ پھر مختلف اشیاء، ان کی ماہیت اورخواص وغیرہ کا تجزیہ کیا اور جس شے میں جو خاصیت پائی جاتی ہے۔اس اصول کا اطلاق کرتے چلے گئے۔ظاہر کہ اس نظم سے نتائج میں خود بخود وسعت کا پیدا ہو جانا ایک منطقی امر تھا۔

مسئلہ تیمم اور تنقیح قوانین

اسی تیمم کے حوالے سے نظم کا ایک تیسرا پہلو بھی ملاحظہ ہو۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ متیمم (جس نے تیمم کیا ہوا ہو) نماز پڑھ رہا ہو اور نماز سے قبل یا نماز کے فوراً بعد اسے پتا چل جائے کہ پانی میسر ہے اور وضو ممکن ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کی نماز ہوگی یا نہ ہوگی؟ نماز لوٹائے یا نہ لوٹائے؟ وغیرہ وغیرہ۔

فقہائے نے اسی مسئلہ پر مفصل بحثیں کیں لیکن ان تمام ابحاث میں نظم کا فقدان نظر آتا ہے۔ کتب فقہ میں منتشر مباحث، دلائل اور مسائل تو موجود تھے لیکن ضبط کہیں نظر نہ آتا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے ان تمام کتب سے تین قوانین وضع کیے جو سابقہ علماء کی ابحاث پر مشتمل تھے۔آپ نے ایک قانون ان اصولوں اور ضابطوں کے مطابق صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ (صاحب توضیح) کا بیان کیا۔دوسرا قانون امام زیلی کا بیان کیا اور تیسرا قانون امام حلبی کا بیان کیا۔

یہ قوانین تحریر کرنے کے بعد آپ نے ان کمزوریوں پر کلام کیا جو فقہی دلیل کے اعتبار سے ان میں پائی جاتی تھیں۔آپ نے صدر الشریعہ کے قانون پر تین اعتبارات سے کلام کیا۔ امام زیلی کے قانون پر گیارہ اعتبارات سے کلام کیا۔ امام حلبی کے قانون پر نو اعتبارات سے کلام کیا۔

اس کلام کے بعد آپ نے مسئلہ تیمم کے فقط ایک جزیہ پر ایک نیا قانون مرتب کیا اوراس کا نام قانون رضوی رکھا اوراس سے بھی بڑھ کر آپ کی وسعت علمی اور عمق نگاہی ملاحظہ ہو کہ اس ایک جزیہ پر آپ نے چار سو چھبیس اقسام بیان کیں اوران اقسام کو انیس قاعدوں کے تحت مرتب کیا۔یہ وہ نظم تھا جو اس سے قبل کسی کتاب میں موجود نہ تھا۔آپ نے تمام کتابوں میں موجود منتشر مباحث کے ذخیرے کو ایک حتمی منظم شکل دیکر امت مسلمہ کے سامنے پیش کر دیا۔

مسئلہ اسراف فی الوضو

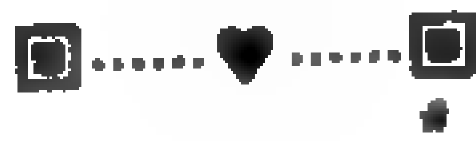
اسی طرح اسراف فی الوضو کے مسئلے پر فقہائے متقدمین کی عبارتوں میں کثیر الجہات اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ حلبی غنیہ میں اور علامہ طحطاوی نے شرح درمختار میں بلا سبب پانی خرچ کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ مدقق علائی کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ صاحب بحرالرائق نے اسے مکرہ تنزیہی قرار دیا ہے جب کہ امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس کے خلاف اولی ہونے کا فتوی دیا ہے۔ ان اقوال کو پڑھ کر عام قاری پریشان ہو جاتا ہے۔ یہ چاروں فتاوی جدا جدا موجود تھے مگر تطبیق بین الاقوال کے لیے کوئی نظم اور اصول ان مقامات پر مندرج نہ تھا۔ تطبیق بین الاقوال نظم علم کا ایک اہم موضوع ہے دراصل یہ نظم علم کی ایک ایسی شان ہے کہ مختلف اور متضاد اقوال کے مابین تطبیق پیدا کر کے ہر ایک کے جدا جدا محمل کو بیان کرنے کے بعد اسے ایک وحدت کی صورت میں پیش کر دیا جائے۔ کتب فقہ میں بعض مسائل کی صورت حال یہ ہے کہ مختلف فتاوی مختلف تحقیقات اور مختلف آرا موجود ہوتی ہیں لیکن نظم کے فقدان کے باعث تطبیق نہیں ملتی۔ اعلی حضرت کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے چاروں اقوال کے جدا جدا محمل بیان کرنے کے بعد انہیں باہم تطبیق دیکر ظاہراً دکھائی دینے والا تضاد رفع کر دیا اور اس مسئلہ کو ایک نظم وضبط کے ساتھ امت مسلمہ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا: (1) اگر اسراف فی الوضو بہ اعتقاد سنت ہو (یعنی سنت سمجھ کر پانی زیادہ صرف کیا جائے اور پانی کا ضیاع بھی ہو) تو یہ حرام ہے (اس حکم کے اطلاق کا محمل بیان نہ ہوا تھا وہ بیان کر دیا) (2) اگر اسراف فی الوضو بلا اعتقاد سنت ہو یعنی سنت سمجھے بغیر اسراف کیا جائے مگر پانی کا ضیاع ہو تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ (3) اگر اسراف فی الوضو بلا اعتقاد سنت ہو اور پانی کا ضیاع بھی نہ ہو لیکن پانی زائد از ضرورت خرچ ہو جائے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (4) اگر بلا اعتقاد سنت اسراف ہو پانی بھی زائد خرچ نہ ہو، عادت بھی نہ ہو مگر اتفاقاً زائد خرچ ہو جائے تو یہ خلاف اولی ہے۔

مستزاد یہ کہ اس تضاد کو ختم کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ تو اسراف فی الوضو کی وہ صورتیں تھیں جو ناپسندیدہ ہیں لیکن ایک صورت ایسی بھی ہے جس میں اسراف فی الوضو جائز ہے یعنی خلاف اولی بھی نہیں۔ اس جائز صورت کی پھر چار اقسام بیان فرمائیں کہ یہ چاروں صورتیں اسراف فی الوضو میں جائز ہیں اور ان میں کوئی قباحت نہیں۔ آپ نے اس نظم کے ساتھ اس مسئلہ کو واضح کیا کہ کوئی اشکال بعد کے آنے والوں کے لیے باقی نہ رہے۔

الغرض آپ کی ہر تحقیق کے اندر ایک عظیم الشان نظم وضبط نظر آتا ہے کہ ایک سلیم

الطبع صاحب علم وتحقیق بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیوضات علمی میں سے اعلیٰحضرت شاہ احمد رضا خاں کو وہ حصہ وافر عطا فرمایا کہ آپ کا تفقہ فی الدین اہل علم وفکر کے لیے واقعتہً قابل رشک بن گیا۔ مگر المیہ یہ ہے کہ آپ کے معاصرین کو آپ کی علمی عظمت و رفعت کا اعتراف کرنے کی توفیق کم ملی۔ اگر اعلیٰ حضرت قرون وسطیٰ میں پیدا ہوتے تو آج آپ کا اسم گرامی تاریخ فقہ اسلامی میں ائمہ اربعہ کے بعد ائمہ مجتہدین اور اعلام کی صف اول میں شمار ہوتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت کے فیوضات علمی کو تا قیامت جاری رکھے۔ ہمیں ان کی عظمت علمی کو پہچاننے دنیا پر آشکار کرنے اوران کے بے نظیر علمی ورثہ کو محفوظ کر کے اطراف و اکناف عالم میں فروغ دینے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین بجا سید المرسلین ﷺ۔



غلام مصطفیٰ رضوی (نوری مشن مالے گاؤں)

امام احمد رضا اور تصور تعلیم

احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی عالم وفقیہ، محدث ومفسر اور ادیب وشاعر تھے۔علوم عقلیہ ونقلیہ پر کامل دسترس رکھتے تھے۔جدید وقدیم علوم وفنون میں یگانۂ روزگار تھے اور ایک ماہر تعلیم بھی۔

آپ کی ولادت 10 شوال المکرم 1272ھ مطابق 14 جون 1856ء کو شہر بریلی (یوپی) میں ایک معزز گھرانے میں ہوئی۔ والد ماجد مولانا نقی علی خان بریلوی (م 1297ھ/1880ء) اپنے عہد کے عظیم مفتی اور صف اول کے مصنف ومصلح تھے۔فقاہت میں بلند پایہ مقام رکھتے تھے، اپنے والد مولانا رضا علی خاں بریلوی (م1282ھ/1866ء) کی طرح انگریزوں سے سخت نفرت رکھتے تھے۔امام احمد رضا نے جملہ علوم وفنون کی تحصیل اپنے والد ماجد اور گھریلو اتالیق سے کی۔بعض علما سے استفادہ فرمایا جن میں مولانا سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی (م1906ء) اور مولانا عبدالعلی رامپوری (م1885ء) سرفہرست ہیں۔بعض ابتدائی درس موالانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی (م1917ء) سے لیے بعد میں وہ خود امام احمد رضا سے استفادہ کرنے لگے۔

امام احمد رضا علوم وفنون کے بحر بیکراں تھے۔اپنے 54 علوم کا تذکرہ خود فرمایا۔ اکیس علوم اپنے والد ماجد سے حاصل کیے، وہ علوم جو اساتذہ سے نہیں پڑھے لیکن علمائے کرام سے اجازت حاصل فرمائی دس شمار ہوتے ہیں۔وہ علوم جنہیں کتب بینی اور فکر ونظر کے استعمال سے حل فرمایا ان کی تعداد چودہ ہے۔اسی طرح نو علوم اور شمار کرائے ہیں جن کی تعلیم بھی کسی استاذ سے نہیں لی۔

امام احمد رضا 54 علوم کے جاننے والے ہی نہیں بلکہ ان علوم کے ہر جزیے اور پہلو پر تعمق رکھتے تھے۔اسے اللہ عزوجل کی عنایت سمجھتے تھے اور تشکر بجالاتے۔ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''میرا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ ان (علوم) میں اوران کے علاوہ دیگر حاصل کردہ فنون میں بہت بڑا ماہر ہوں ۔ میں تو اپنی انتہائی کوشش یہ سمجھتا ہوں کہ ان علموں سے کچھ حصہ نصیب ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ وہ مزید برکت فرمائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر فن کے معمولی طالب علم کو مجھ پر غلبہ ہے لیکن مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ جسے چاہتا ہے بلند کرتا ہے جسے چاہتا ہے گراتا ہے۔''

دارالعلوم منظر اسلام کا قیام اور درس وتدریس

امام احمد رضا نے درسیات سے فراغت کے بعد ہی منصب افتا کو زینت بخشی۔ کچھ عرصہ طلبہ کو پڑھایا۔ پھر تصنیف و تالیف اور کثرت کار کے سبب تدریس کا سلسلہ منقطع ہو گیا البتہ مخصوص شاگردوں کی تربیت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس لحاظ سے آپ کے تلامذہ ہندو پاک، بنگلہ دیش، حجاز مقدس اور عرب وافریقہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔

1322ھ 1904ء میں شہر بریلی میں آپ نے ''دارالعلوم منظر اسلام'' قائم فرمایا۔ فرزند اکبر مولانا محمد حامد رضا خاں (م 1943ء) اس کے مہتمم اول مقرر ہوئے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے تحریر کے ساتھ ساتھ کچھ عرصہ تدریس کو بھی ذریعۂ تعلیم وتبلیغ بنایا، وہ دارالعلوم منظر اسلام کے بانی تھے انہوں نے یہ دارالعلوم اس وقت قائم کیا جب دشمن اسلام حاکموں نے سنی مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ایک مثالی دینی مدرسے کے بانی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں اخلاص ہو، وہ فکر صحیح کا مالک ہو، تعلیم کے بارے میں اس کے نظریات واضح اور مفید ہوں۔ جب ہم امام احمد کی حیات وتعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں ہم کو ان کے ہاں یہ ساری خوبیاں نظر آتی ہیں اور دل گواہی دیتا ہے کہ کسی بھی مثالی دینی ادارے کا بانی ہو تو ایسا ہو۔''

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مطابق امام احمد رضا نے درسیات سے فراغت کے بعد گھر پر ہی چند سال طلبہ کو پڑھایا' پھر کچھ عرصہ دارالعلوم منظر اسلام میں بھی پڑھایا اور بعد میں گوناگوں علمی مصروفیات کی وجہ سے گھر پر صرف مخصوص طلبہ کو مخصوص علوم وفنون کا درس دیتے رہے۔

تصور نصاب:

عظیم اللہ جندران ایم۔اے اردو جامعہ پنجاب (لاہور) ایم۔ایڈ اسلامیہ یونیورسٹی (بہاولپور) نے تعلیمی ادارے کے نصاب کی تشکیل کے حوالے سے امام احمد رضا کے تصور نصاب کے ضمن میں جو نتائج اخذ کیے ہیں اور خصوصیات بیان کی ہیں اس کے نکات کچھ اس طرح ہیں:

(1) نصاب کی سب سے اہم خوبی یہ ہونی چاہیے کہ وہ نظریۂ حیات کے مطابق تیار کیا گیا ہو اس میں کوئی بھی ایسی چیز شامل نہ ہو جو نظریۂ حیات سے متصادم ہو۔

(2) نصاب جامع ہو اور طلبہ کی نفسیاتی ضرورتوں کو پورا کرے۔

(3) بے سود وقت کو ضائع کرنے والی تعلیم کسی کام کی نہیں۔ نصاب معاشرتی ضرورتوں کا آئینہ دار ہو۔

(4) نصاب میں تربیتی عنصر بھی شامل ہو۔

(5) نصاب عصری تقاضوں کے مطابق ہو لیکن دین متین کی بنیادوں پر استوار ہو۔

(6) آپ کے مطابق مروجہ سائنسی نظریات کو اسلامی نظریات کی روشنی میں پرکھ کر ہی نصاب کا حصہ بنانا چاہیے۔

(7) نصاب اطاعت وحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو۔

(8) نصاب عملاً قابل قبول ہو۔ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مفید تعلیم دی جائے۔

(9) نصاب کی تیاری کے دوران مقصدیت بھی پیش نظر ہو اور وہ دین فہمی ہو۔

(10) ہر وہ علم وفن جو دین سے برگشتہ وغافل کرے اس سے دین وایمان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اسے شامل نصاب نہیں ہونا چاہیے۔

عظیم اللہ جندران لکھتے ہیں کہ: ”امام احمد رضا خاں کا تصور نصاب جو ایک طرف تو آپ کی علمی قابلیت وصلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے تو دوسری طرف قومی تعلیمی پالیسی کے گراں قدر رہنما اصولوں سے بھی مزین ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وسعت علمی کے تحت آپ کے تجویز کردہ نصابی ماڈلز کو بھی ٹیچرز ٹریننگ اسکولز‘ کالجز‘ یونی ورسٹیز کے کورسز میں شامل کیا جائے تا کہ اس عظیم اسلامی مفکر تعلیم کے علمی ورثہ سے استفادہ کر سکیں۔“

ابتدائی تعلیم کا نصاب تربیت: سلیم اللہ جندران ریسرچ اسکالر پنجاب یونیورسٹی (لاہور) فتاویٰ رضویہ جلد دہم کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:

امام احمد رضا خاں ابتدائی تعلیم کا نصاب نہایت تصریح و وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں:

(1) زبان کھلتے ہی اللہ اللہ' پھر پورا کلمہ لا الٰہ الا اللہ سکھائے۔

(2) جب تمیز آئے آداب سکھائے۔ کھانے پینے' ہنسنے بولنے' اٹھنے بیٹھنے' چلنے پھرنے' حیا' لحاظ' بزرگوں کی تعظیم' ماں باپ استاد اور دختر کو شوہر کی بھی اطاعت کے طرق و آداب بتائے۔

(3) قرآن مجید پڑھائے۔

(4) بعد ختم قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔

(5) عقائد اسلام و سنت سکھائے۔

(6) حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم ان کے دل میں ڈالے۔

(7) حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے آل و اصحاب و اولیاء و علما کی محبت و عظمت کی تعلیم دے۔

(8) سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کر دے۔

(9) علم دین خصوصاً وضو، غسل، نماز، روزہ کے مسائل سکھائے۔

(10) توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامت صدر و لسان وغیرہ خوبیوں کے فضائل بتائے۔

(11) حرص و طمع، حب دنیا، حب جاہ، ریا، عجب، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہ برائیوں کے رذائل پڑھائے۔

(12) زمانہ تعلیم میں ایک وقت کھیلنے کا بھی دے کہ طبیعت پر نشاط باقی رہے۔

(13) زنہار زنہار بری صحبت میں نہ بیٹھنے دے کہ یار بد مار بد سے بدتر ہے۔

چوں کہ نصاب تعلیم میں معلم (استاذ) کا کردار کلیدی ہوتا ہے اور ابتدائی درس کے اثرات مستقبل کے لیے معاون ہوتے ہیں اس لیے ابتدائی تعلیم میں تعمیر شخصیت کے پہلو کو کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ معلم (استاذ) اور تربیت اولاد کے ضمن میں سلیم اللہ جندران تحریر فرماتے ہیں:

"مدرسہ میں استاذ کی شخصیت' گھر میں ماں باپ کی طرح بچوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔امام احمد رضا خاں 5 تا6 سال کی عمر کے بچوں کے اسکول مدرسہ /ایجوکیشن کے آغاز پر والدین پر یہ ذمہ داری عائد کرتے ہیں کہ والد" بچے کو نیک، صالح، متقی، صحیح العقیدہ اور عمر رسیدہ استاد کے سپرد کرے اور بیٹی کو نیک' پارسا عورت سے پڑھوائے" اگر چہ آج کل کے حالات میں بچوں کے لیے نیک' متقی' صحیح العقیدہ اور عمر رسیدہ (کہنہ مشق/ تجربہ کار) استاذ کامل جانا نہایت کٹھن کام ہے۔ بچوں کی تعلیم کے ضمن میں والدین اگر اس قدر دلچسپی لیں تو ان کے بچوں کی یقیناً بہتر شخصیت کی تعمیر ممکن ہے۔"

استاذ کا مقام اور ادب واحترام

جس طرح جسم انسانی میں قلب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اسی طرح پورے نظام تعلیم میں استاذ کی حیثیت ہوتی ہے۔ نصاب کتنا ہی عمدہ ہو لیکن اس کی تدریس بہتر نہ ہو تو نتائج منفی ظاہر ہوتے ہیں۔استاذ کے بغیر تربیت کے مقاصد حاصل نہیں ہوتے۔ متعلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ استاذ کی عزت اور ادب واحترام کو ملحوظ رکھے۔اس کی عظمت کو مانے کہ بغیر اس کے تعلیم کا فیض حاصل نہیں ہوتا۔امام احمد رضا نے استاذ کے وقار واحترام اور مقام کی وضاحت فرمائی ہے جسے نکات کی صورت میں تحریر کیا جاتا ہے:

(1) استاذ کا شاگرد پر ایک ساحق ہے برابر اور وہ یہ کہ اس سے پہلے بات نہ کرے اور اس کے بیٹھنے کی جگہ اس کی غیبت میں بھی نہ بیٹھے اور چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے اور اس کی بات کو رد نہ کرے۔

(2) اپنے استاذ کے حقوق واجب کا لحاظ رکھے اپنے مال میں کسی چیز سے اس کے ساتھ بخل نہ کرے۔یعنی جو کچھ اسے درکار ہو بخوشی خاطر حاضر کرے اور اس کے قبول کر لینے میں اس کا احسان اور اپنی سعادت جانے۔

(3) استاذ کے حق کو اپنے ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حق سے مقدم رکھے۔

(4) جس نے اسے اچھا علم سکھایا اگر چہ ایک ہی حرف پڑھایا ہو اس کے لیے تواضع کرے اور لائق نہیں کہ کسی وقت اس کی مدد سے باز رہے۔

(5) اپنے استاذ پر کسی کو ترجیح نہ دے اگر ایسا کریگا تو اس نے اسلام سے رشتوں سے

ایک رسی کھول دی۔

(6) اور استاذ کی تعظیم سے ہے کہ وہ اندر ہو اور یہ حاضر ہوا تو اس کے دروازہ پر ہاتھ نہ مارے بلکہ اس کے باہر آنے کا انتظار کرے۔

(7) عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استاذ علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے' ہاں اگر وہ کسی خلاف شرع بات کا حکم کرے ہرگز نہ مانے کہ **لاطاعة فی معصية الله تعالیٰ** (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں مگر اس نہ ماننے میں گستاخی و بے ادبی سے پیش نہ آئے **فان المنکر لا یزل بمنکر** (گناہ کا ازالہ گناہ سے نہیں ہوتا)

ضابطہ اخلاق اور تصور سزا: فی زمانہ مخرب اخلاق تعلیم وتعلم کا دور دورہ ہے۔ ایسے میں اخلاق کے جوہر کا پایا جانا مشکل ہے۔ اسلام نے اخلاق کو تربیت میں بنیادی حیثیت دی ہے۔ اور اسے علم کا لازمی حصہ بنا دیا ہے۔ استاذ دوران درس متعلم کی اصلاح کے لیے اور اس کے تعلیمی ذوق کو بڑھانے کے لیے سزا دینے کا مجاز ہے لیکن اس کے لیے بھی ضابطہ اخلاق اور اصول مدنظر رہے۔ سلیم اللہ جندران رقم طراز ہیں:

"امام احمد رضا خاں بریلوی (1310ھ) فتاویٰ رضویہ جلد دہم، باب دہم، علم التعلیم اور عالم ومتعلم میں استاذ کے لیے یہ ضابطۂ اخلاق دیتے ہیں: "(استاذ) پڑھانے سکھانے میں رفق ونرمی ملحوظ رکھے موقع پر چشم نمائی، تنبیہ تہدید کرے مگر کوسنا نہ دے کہ اس کا کوسنا ان کے لیے سبب اصلاح نہ ہوگا بلکہ زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔ مارے تو منہ پر نہ مارے اکثر اوقات تہدید و تخویف پر قانع رہے کوڑا قمچی اس کے پیش نظر رکھے کہ دل میں رعب رہے۔" امام احمد رضا خاں تدریس میں نرمی اور حکمت کے ذریعے ضبط قائم کرنے پر زور دیتے ہیں۔"

19 شوال المکرم 1315ھ کو مولانا خلیل احمد خاں پیشاوری نے فارسی میں ایک سوال بھیجا جس میں امام احمد رضا سے پوچھا کہ استاذ اپنے شاگرد کو بدنی سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب (بزبان فارسی) کے اردو ترجمے کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں:

"ضرورت پیش آنے پر بقدر حاجت تنبیہ، اصلاح اور نصیحت کے لیے بلاتفریق اجرت و درم اجرت استاذ کا بدنی سزا دینا اور سرزنش سے کام لینا جائز ہے مگر یہ سزا لکڑی ڈنڈے وغیرہ سے نہیں بلکہ ہاتھ سے ہونی چاہیے اور ایک وقت میں تین مرتبہ سے زائد پٹائی نہ ہونے پائے۔"

علوم عقلیہ و سائنس کی تحصیل

اسلام کے نزدیک ان تمام علوم کا حاصل کرنا اور درس لینا جائز ہے جو حدود شرع میں ہوں اور مضر نہ ہوں۔ ماہرین تعلیم نے تعلیمی نظریات کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ (1) اشتراکی (2) جمہوری (3) اسلامی۔ اشتراکی نظام تعلیم مادیت پہ بحث کرتا ہے۔ اس میں مذہب کے لیے کوئی جگہ نہیں، جمہوری نظام تعلیم مملکت میں بسنے والے تمام مذاہب میں مساوات اور تہذیبی اشتراک کو مدنظر رکھ کر تشکیل پاتا ہے عموماً اس میں مذہبی تعلیم کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے لہٰذا ان دونوں نظام ہائے تعلیم میں مذہبی روح کا پاس و لحاظ نہیں۔ اسلامی نظام تعلیم میں انسانی زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کر لیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ گود سے گور تک تعلیم و تربیت کا اہتمام اسلام نے کر رکھا ہے۔ حیات کا کوئی گوشہ تشنہ اور محروم نہیں۔ اسلام! جہالت، جور وستم، منافرت و عداوت جیسے غیر انسانی رویوں کا خاتمہ کر کے ایک ذمہ دار شہری تیار کرتا ہے۔

علم کے ساتھ اصول و قانون اور ضابطہ کا ہونا لازمی و ضروری ہے۔ علم کے دو رُخ ہیں۔ منفی و مثبت۔ قانون و ضابطہ راحت و طمانیت کو راہ دیتا ہے اس کی صورت مثبت پہلو کے قیام سے یقینی ہے مثلاً سائنس کو دیکھیں اسے انسانی زندگی کی بقا د آسائش کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور جوہری توانائی کو اسیر بنا کر آبادیوں میں منتشر کر کے حیات انسانی کے خاتمہ کے لیے بھی، اسلام ہر علم کے لیے قانون فراہم کرتا ہے اور سلامتی کے پیغام کو فائق رکھتا ہے۔

امام احمد رضا تمام علوم کو دین حق کے زاویے سے دیکھتے تھے۔ آپ کے نزدیک انہیں علوم کی تعلیم دی جائے جو دین و دنیا میں کام آئیں، غیر مفید اور غیر ضروری علوم کو نصاب سے خارج کر دیا جائے۔

سائنس و فلسفہ جو اشتراکی و جمہوری نظام ہائے تعلیم کے زیر اثر پروان چڑھتے ہیں۔ عموماً اس میں مذہب کی رو رعایت نہیں ہوتی۔ ایسے ایسے نظریات پڑھائے جاتے ہیں جو مذہبی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتے اور فکری انتشار کو راہ دیتے ہیں۔ امام احمد رضا ایسے علوم کو مضر قرار دیتے ہیں اور اسے ''علم'' تسلیم نہیں کرتے۔ لکھتے ہیں:

''ہیہات ہیہات (افسوس افسوس) اسے علم سے کیا مناسبت، علم وہ ہے جو مصطفےٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترکہ ہے، نہ وہ جو کفار یونان کا پس خوردہ۔

اسی طرح وہ ہیئت جس میں انکار وجود آسمان و تکذیب گردش سیارات وغیرہ کفریات و امور مخالف شرع تعلیم کیے جائیں وہ بھی مثل نجوم حرام و علوم اور ضرورت سے زائد حساب یا جغرافیہ وغیرہما داخل فضولیات ہیں۔"

برطانوی انگریز نو مسلم ڈاکٹر محمد ہارون (م 1998) نے اپنے مقالہ "امام احمد رضا کی عالمی اہمیت" میں یہ تاثر دیا ہے کہ: "آپ کا نظریہ تھا کہ سائنس کو کسی طرح بھی اسلام سے فائق اور بہتر تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کسی اسلامی نظریے، شریعت کے کسی جز یا اسلامی قانون سے گلوخلاصی کے لیے اس کی کوئی دلیل مانی جاسکتی ہے۔ اگرچہ وہ خود سائنس میں خاصی مہارت رکھتے ہیں لیکن اگر کوئی اسلام میں سائنس سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے کوئی تبدیلی لانا چاہتا تھا آپ اسے ٹھوس علمی دلائل سے جواب دیتے تھے۔"

امام احمد رضا قرآن عظیم سے فیض پاتے احادیث نبوی سے اکتساب کرتے اور انہیں کی روشنی میں علوم کو جانچتے اور پرکھتے۔ جس کو ان کے مطابق پاتے تسلیم کرتے اور جسے مخالف پاتے اس کی شدت سے مخالفت کرتے اس میں کسی طرح کی لچک کے قائل نہ تھے۔ آپ سائنس کو قرآن مقدس کی روشنی میں پرکھنے کے قائل تھے۔ اس لیے آپ سائنس کی تعلیم کی مشروط اجازت دیتے ہیں کہ: "سائنس اور مفید علوم عقلیہ کی تحصیل میں مضائقہ نہیں مگر ہیئت اشیاء سے زیادہ خالق اشیاء کی معرفت ضروری ہے۔"

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"مطلقاً علوم عقلیہ کی تعلیم و تعلم کو ناجائز بتانا یہاں تک کہ بعض مسائل صحیحہ مفید عقلیہ پر اشتمال کے باعث توضیح و تلویح جیسے کتب جلیلہ عظیمہ دینیہ کے پڑھانے سے منع کرنا سخت جہالت شدیدہ و سفاہت بعیدہ ہے۔"

امام احمد رضا ضروریات دین کا علم حاصل کر لینے کے بعد دیگر علوم کو حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور ان علوم کے حصول کو مباح قرار دیتے ہیں جن سے واجب شرعی میں خلل نہ آئے۔ آپ لکھتے ہیں:

"ہاں جو شخص ضروریات دین مذکورہ سے فراغت پا کر اقلیدس، حساب، مساحت، جغرافیہ وغیرہا وہ فنون پڑھے جن میں کوئی امر مخالف شرعی نہیں تو ایک مباح کام ہوگا جب کہ

اس کے سبب کسی واجب شرعی میں خلل نہ پڑے۔"

ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں:

"اگر جملہ مفاسد سے پاک ہو تو علوم آلیہ مثل ریاضی و ہندسہ وحساب و جبر و مقابلہ وجغرافیہ وامثال ذلک ضروریات دینیہ سیکھنے کے بعد سیکھنے کی کوئی ممانعت نہیں کسی زبان میں ہو اور نفس زبان کا سیکھنا کوئی حرج رکھتا ہی نہیں۔"

انگریزی زبان سیکھنا:

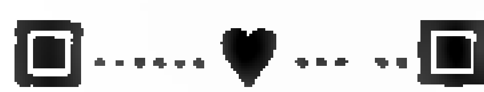
امام احمد رضا کے مطابق کسی بھی زبان کے سیکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن مقصد دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ اور عقائد محفوظ وسلامت رہیں۔ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "ایسی انگریزی پڑھنا جس سے عقائد فاسد ہوں اور جس سے علمائے دین کی توہین دل میں آئے، انگریزی ہو خواہ کچھ ہو ایسی چیز پڑھنا حرام ہے۔"

استعماری قوتوں نے مسلمانوں کے علم وفن سے رشتے کو کمزور کرنے کے لیے ایسے نصاب تشکیل دے لیے جن سے اسلامی سوچ وفکر میں واضح تبدیلی آئی۔ عقائد میں انتشار برپا ہوا۔

آنریبل ایم نفنسٹن اور آنریبل ایف وارڈن نے 1823ء/1238ھ کو جو ایک متفقہ یادداشت (انگریز) گورنمنٹ کو پیش کی تھی اس سے بھی مغربی نظام تعلیم کے اجرا کے استعمالی مقاصد عیاں ہوتے ہیں۔ اس یادداشت کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف ان کی عملی ترقی کی ہمت افزائی کے لیے تمام ذرائع کو ہٹایا ہے بلکہ حالت یہ ہے کہ قوم کے اصلی علوم بھی کم ہو جانے کا اندیشہ ہے اس الزام کو دور کرنے کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔"

امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے تعلیمی تصورات (جن کی بنیاد مضبوط و مستحکم اسلامی عقائد وتعلیمات پر ہے) کو مقصدیت سے جوڑ کر تعمیر شخصیت کا واضح اصول مقرر فرمادیا وہ یہ کہ علوم جدیدہ ہوں یا دیگر علوم وفنون وہ اسلامی فکر خیال کو پروان چڑھاتے ہوں اور حق شناسی کا جوہر عطا کرتے ہوں ان کا حصول بلاشبہ کیا جانا چاہیے۔ آج ضرورت ہے کہ امام احمد رضا کی پیش کردہ تجاویز وتعلیمی افکار کو فروغ دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے تعلیمی انحطاط و زوال کی تیرگی دور ہو اور سویرا نمودار ہو۔



مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

فخر ہندوستان

چودھویں صدی عیسوی کے مابعد زمانہ کو دور جدید اور اس میں فروغ پانے والے علوم وفنون کو جدید علوم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مغربی دنیا اسی عہد میں علم وفن سے آشنا ہونی شروع ہوئی اور آج اس کو ناز ہے کہ اس نے بے شمار ایسے سپوتوں کو جنم دیا ہے جنھوں نے چہار دانگ عالم میں علم وفن کے جھنڈے گاڑ دیے۔

پولینڈ کے زیر حکمرانی پرشیا کو ناز ہے کہ اس نے 1473ء میں کوپرنیکس جیسے شخص کو پیدا کیا، جس نے دنیا کو سورج کے گرد زمین کی گردش کا نظریہ دیا، جو آج تقریباً پوری دنیا کی مسلمہ حقیقت ہے۔ اٹلی کو فخر ہے کہ اس کے شہر پیسا میں 1564ء کو گلیلیو نے جنم لیا، جس نے دوربین ایجاد کر کے اس کی مدد سے کوپرنیکس کے نظریہ کی مزعومہ صداقت کو لوگوں سے تسلیم کرایا، اور گرتے ہوئے جسم کی ہیئت پر موجودہ تحقیق کا سہرا بھی اسی کے سر ہے۔ جرمن کے لیے سرمایۂ افتخار ہے کہ اس کے اندر 1571ء کو کیپلر نے پیدا ہو کر ستاروں کی حرکت کا جدید نظریہ پیش کیا اور نظام شمسی سے متعلق اصول وقوانین متعین کیے۔

برطانیہ بھی کسی سے کم نہیں، اس نے بھی 1642ء کو آئزک نیوٹن جیسا سائنس دان پیدا کر کے کلاہ افتخار میں چار چاند لگا لیے، جس کے پیش کردہ نظریۂ حرکت اور نظریۂ کشش ثقل آج سائنسی دنیا کا ناقابل تردید کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ یونہی 1791ء میں مائیکل فریڈ نے بھی اسی دھرتی پر جنم لیا جو برقی عہد کا پیش رو کہلاتا ہے۔

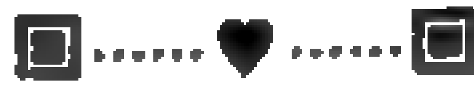
سوئیڈن اپنے لیے یہی کافی سمجھتا ہے کہ اس کی سرزمین پر 1707ء کو لیناۓوس پیدا ہوا، جسے سائنسی دنیا علم نباتات کا موجد کہتی ہے۔ پھر 1743ء کو انطون پیدا ہوا، جس نے باقاعدہ آکسیجن کی دریافت کی، اور جسے لوگ جدید علم کیمیا کا بانی بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح 1744ء میں علم حیوانیات کا ماہر جین انطون نے جنم لیا۔ کمبرلینڈ کے لیے نشان امتیاز ہے کہ 1766ء کو اس میں جون ڈارٹن جیسا ماہر علم وفن پیدا ہوا، جس نے جوہر کی تشخیص کی۔ اسکارٹ

لینڈمگن ہے کہ اس میں چارلس لائٹر نامی ماہر ارضیات پیدا ہوا جس سے جدید دنیا اس فن کا بانی کہتی ہے۔ مغربی جرمنی کا سر افتخار سب سے بلند ہے کہ اس کے اندر 1879ء کو البرٹ آئن اسٹائن جیسا سائنس دان وجود میں آیا، جس نے نظریۂ اضافت وغیرہ پیش کر کے دنیا کو محو حیرت کر دیا۔ مگر مشرق کے ہندوستان میں 1856ء کو ایک ایسا بچہ پیدا ہوا، جس نے آنکھ تو کھولی خالص اسلامی گھرانے میں، اور تعلیم بھی پائی خالص دینی۔ اس نے اپنا مطمح زندگی بھی مذہبی علوم وفنون ہی کی خدمت کو بنایا۔ لیکن جب اس نے اپنا رخ بدلا اور جدید علوم وفنون کی طرف توجہ کی، وہ بھی اس لیے کہ اس کی چھٹی حس نے محسوس کیا کہ مغربی دنیا کے ماہرین اپنے ان جدید علوم وفنون کی آڑ میں غیر محسوس طور پر اسلامیات کی رگ کاٹنا چاہتے ہیں، تو پندرہویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی عیسوی تک کے ان الگ الگ فنون میں ماہرین: کوپرنیکس، گلیلیو، نیوٹن، آئن اسٹائن، البرٹ آف پورٹا کا نام لے لے کر خود انھیں فنون کی روشنی میں ان کا رد کیا اور ان کے خلاف اسلام نظریات کے تار و پود بکھیر دیے۔

تاریخ کو حیرت ہے کہ اس نے عہد جدید کی اس چھ سو سالہ مدت میں علم وفن کی الگ الگ فلک آسا شخصیتیں تو دیکھی تھیں، مگر ایسا کبھی نہیں دیکھا تھا کہ خالص اسلامی ماحول میں جنم لے کر اسی ماحول میں تربیت پانے والا بچہ، جس نے بڑے ہو کر بھی محض دین ہی کو اپنا نصب العین بنائے رکھا ہو، وہ بیک وقت جدیدیت کے بھی تمام شعبوں میں ایکسپرٹ ہو۔ اسلامیات کی جملہ شاخوں میں داد تحقیق دینے کے ساتھ ساتھ حیاتیات (Biology) حیوانیات (Zoology) نباتات (Botany) جغرافیہ (Geography) طبقات الارض (Geology) ہیئت (Astronomy) ارثما طیقی (Arithmetic) اسٹیٹکس (Statistics) ریاضی (Mathematics) لوگارثم (Logariphm) اقلیدس (Gemetry) مثلث مسطح (Plane Trigonometry) مثلث کروی (Spherecal Trigonometry) طبعیات (Physics) کیمیا (Chemistry) صوتیات (Sound waves) اشعیات (Radiology) مناظر ومرایا (Optics) توقیت (Timings) موسمیات (Meterology) موجودات (Natural Science) وغیرہ پر بھی ایسی مکمل دسترس رکھتا ہو کہ ان میں سے ایک ایک فن پر زندگی تج دینے والے افراد اس کے علم کے آگے بونے نظر آئیں۔

وہ بچہ کون تھا؟ اتر پردیش کے شہر بریلی میں مولانا نقی علی ولد مولانا رضا علی ولد حافظ کاظم علی صاحب کے گھر میں پیدا ہونے والا احمد رضا، جسے دنیا اپنے ادراک کے مطابق فقیہ بے نظیر، مجدد اعظم اور امام علم وفن کی حیثیت سے جاننے ماننے پر مجبور ہوتی چلی جارہی ہے۔

میں یہ باتیں محض عقیدت کی بنا پر نہیں کہہ رہا ہوں۔ میری ان باتوں پر ان کی تقریباً ایک ہزار مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف شاہد عدل ہیں۔ مطبوعہ تصانیف میں فتاویٰ رضویہ جلد اوّل، جلد چہارم، فوز مبین اور کشف العلۃ کو اس سلسلے میں خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کے مندرجات سے نئے انداز میں دنیا کو روشناس کرائیں، تاکہ ایک طرف امام احمد رضا کی شناخت کی راہ ہموار ہو، تو دوسری طرف اسلام کی حقانیت بھی سر چڑھ کر بولے۔



محمد آفتاب عالم زاہد مظفر پوری (داراپٹی مرون، مظفر پور، بہار)

اعلیٰ حضرت اپنی تصانیف کے آئینے میں

اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو جن علوم وفنون میں مہارت تامہ اور یدطولیٰ حاصل تھا ان میں سے چند علوم وفنون کے نام ذیل میں بالترتیب دیے جاتے ہیں:

علم قرآن، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، فلسفہ، منطق، مناظرہ، تصوف، سلوک، اخلاقیات، ہیئت، جدل، نجوم، اوقاف، حساب، ہندسہ، جبر و مقابلہ، ارثماطیقی، لوگارثم، توقیت، جفر، تاریخ، سیر، فن اعداد، علم الفرائض، لغت، شعر وادب، صرف ونحو، علم بیان، علم بدیع، علوم عروض وقوافی اور ریاضی۔

آپ کی تصانیف مبارکہ جو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ہیں، اعداد وشمار سے تقریباً 1300 تک ہیں۔ بہت ہی افسوس ناک اور المناک بات ہے کہ آج تک آپ کی تصانیف کا ایک حصہ بھی چھپ کر منظر عام پر نہ آسکا۔ اب ذیل میں آپ کی تصانیف کردہ کتابوں کے نام بالترتیب فن کے اعتبار سے لکھے جاتے ہیں۔

علم الاعتقاد: "الاعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفے والآل و الاصحاب، حیاۃ المواۃ فی بیان سماع الاموات، مبین الھدی فی نفی امکان مثل المصطفے، الفیوض الملکیۃ لحب الدولۃ المکیہ، فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین، لمعۃ الشمعہ لھدی لشیعہ الشنعہ، جزاء اللہ عدوہ بانہ ختم النبوہ.

علم التفسیر: "النفیحہ الفاتحہ من مسک سورۃ الفاتحہ، تاثل الراح فی فرق الریح والریاح، انوار الحلم فی معانی میعاد الستجیب لکم. **علم الکلام**"ضوء النھایہ فی الاعلام الحمد و الھدایہ، سل السیوف الھندیہ علی کفریات ابی الوھابیہ، الجرح الوالج فی بطن الخوارج، رد الرفضہ، چابک لیث براھل حدیث.

علم تجوید"نعم الزاد لروم الضاد، الجام الصاد عن سنن الضاد.

علم اصول حدیث: "الھاد الکاف فی حکم الضعاف، مدارج طبقات

الحدیث

علم الحدیث: اسماع الاربعین فی شفاعت سیدالمرسلین، الھدایه المبارکه فی خلق الملائکه، الروض البھیج فی آداب التخریج.

علم اصول فقه: التاج المکلل فی انارره مدلول کان یفعل، اطائب الصیب علی ارض الطیب، الامه القاصفه لکفریات الملاظفه.

علم فقه: بذل الصفا لعبد المصطفےٰ، الامر بالحترام المقابر، معدل الزال فی اثبات الھلال، انوار الانتباه فی حل نداء یا رسول الله، مجمل المسددان ساب المصطفےٰ مرتد، اعلا الاعلام بان ھندوستان دارالاسلام، الامن و علےٰ لنا عتی المصطفےٰ بدافع البلاء، طریق اثبات الھلال، جد الممتار من رد المحتار، فصل القضاء، فی رد و د الافتاء، العطایا النبویه فی الفتاویٰ الرضویه.

علم الفرائض: "المقصد النافع فی عصوبه النصف الربع، عدم النصرانی و التقسیم الایمانی.

علم رسم خط قرآن: "جالب الجناب فی رسم من القرآن.

علم الادب العربی: "صنائع بدیعه، شرح مقامه مذاقیه، امام الابرار والام الاشرار.

علم لغت: "احسن الجلوة فی تحقیق المیل الذراع الفرسخ، واغلوه، فتح المعطی بتحقیق معنی الخاطی والمخطی.

علم سیر: "جھال التاج فی بیان الصلاة قبل المعراج، نطق الھلال بارخ ولاد الحبیب والوصال، عتبه المبینه بوصول الحبیب الی العرش الاویه.

علم تاریخ: "اعلام الصحابه الموافقین للا میر معویه ام المومنین، جمع القرآن وبم عزوه العثمان.

علم الفصائل: "نقی الفی عمن بنوره انار کاشئی، شمول الاسلام لاباء الرسول الکرام، مالی الحبیب بعلوم الغیب، الدوله المکیه بالمادة الغیبیه، حدائق بخشش، الجلاء لا کامل لعین قضاء الباطل، بدر الانوار فی اداب لاثار.

علم المناقب: "الکلام البھی فی تشبه الصدیق بالنبی، مجیر معظم

شرح قصیدہ اکسیر اعظم، انجاء البری عن وسواس المفتری۔

علم تکسیر: "اطائب الاکسیر فی علم التکسیر۔

علم سلوک: "الیاقوتہ الواسطہ فی قلب عقد الرابطہ، نقاء السلافہ فی البیعہ والخلافہ۔

علم الاخلاق: "شرح الحقوق مشعلہ الارشاد الی حقوق الاولاد۔

علم التصوف: "کشف حقائق و اسرار و دقائق، بوارق تلوح من حقیقہ الروح، التلطف بجواب اللتصواف۔

علم اذکار: "ازھار الانوار من صباء صلاہ الاسرار، ماقل وکفی من ادعیہ المصطفی۔

علم ترغیب و ترھیب: " اعزالاکتناہ فی رد صدقہ مانع الزکوہ۔

علم مناظرہ:"النذیر الھامل لکل حلف جامل، صمصام سنیت الاسئلہ الفاضلہ علی الطوائف الباطلہ،

علم الوفق،"الفوز بالآمال فی الاوفاق والاعمال۔

علم التوقیت:"الانجیب الانیق فی طرق التعلیق، سر الاوقات، تاج توقیت۔

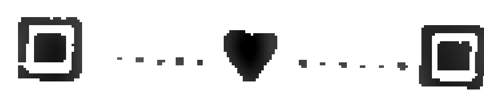
علم ھیئت:"اقمار الانشراح لحقیقہ اللصباح، جادہ الطلوع والحمر للسیارہ والنجوم والقمر۔

علم الحساب، کلام الفھیم فی سلاسل الجمع والتقسیم۔ علم ارشما طبقی:"الموھبات فی المربعات، کتاب الارثما طبقی۔

علم ریاضی،"علم الیازی فی جواھر الریاضی جداوہ الریاضی۔

علم الھندسہ: الاشکال الاقیدس لنکس اشکال اقلیدس، الجمل الدائرہ فی خطوط الدائرہ۔ علم جبر و مقابلہ حل المعذلات لقوی المکعبات

علم الجفر: الثواقب الرضویہ علی الکواکب الدیہ، الاجوبہ الرضویہ للمسائل الجفریہ



مشرف علی رضوی مصباحی

اعلیٰ حضرت کی علمی کاوشیں

اللہ رب العزت کو جب کسی بندے سے دین کا کام لینا مقصود ہوتا ہے تو وہ اس کو اپنے حفظ و امان میں لے لیتا ہے اور مہد سے لحد تک اس کی کرم فرمائیاں شامل حال ہوتی ہیں۔ انہیں خاص بندوں میں ایک نام اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے جنہیں اللہ عزوجل نے بہت سے علوم وفنون سے نوازا تھا۔ چند ملاحظہ ہوں:

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن جملہ تراجم پر فوقیت رکھتا ہے۔ باوجود اس کے کہ نہ اس کے لیے باقاعدہ تیاری کے ساتھ کام کیا گیا بلکہ قیلولہ ورات کے سونے کے اوقات میں صدر الشریعہ قلم، کاغذ و دوات لے کر حاضر ہو جاتے اور ترجمہ کا کام چلتا رہتا اس طرح قرآن پاک کا ترجمہ پورا ہو گیا۔

فتویٰ نویسی

اعلیٰ حضرت کے مجموعہ فتاوی ''فتاوی رضویہ'' کی بارہ جلدیں ہیں،۔ اس میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی بہ مسائل کو جمع کیا ہے، یہ اردو زبان میں علوم دینیہ کا ایسا انسائیکلو پیڈیا ہے کہ اردو زبان میں اسکے مقابل کی کوئی کتاب ہی نہیں۔ فتاوی رضویہ کے تعلق سے چند ارباب علم و دانش کے نوک قلم سے نکلے ہوئے تاثرات مندرجہ ذیل ہیں۔ سید اسماعیل خلیل مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر امام اعظم ابو حنیفہ ان فتاوی کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان فتاوی کے مولف یعنی امام احمد رضا کو اپنے تلامذہ میں شامل کر لیتے''۔ حضرت محمد میاں مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں'' اعلیٰ حضرت کو میں علامہ ابن عابدین شامی پر فوقیت دیتا ہوں، کیوں کہ جو جامعیت اعلیٰ حضرت کے یہاں ہے وہ ابن عابدین کے یہاں نہیں پائی جاتی۔'' شاعر مشرق علامہ اقبال کے مطابق ''ہندوستان کے دور

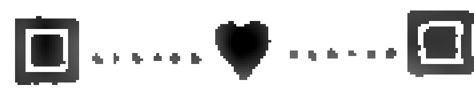
آخر میں اعلیٰ حضرت ﷫ جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا، میں نے ان فتوی کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے اوران کے فتاوی ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت، علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد و عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر کے کہتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں، انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاوی میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی، ان کے مزاج میں شدت تھی اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خان اپنے دور کے امام ابوحنیفہ ہوتے۔'' مولوی نظام الدین احمد پوری (وہابی) کے قول کے مطابق ''علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں، یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں۔'' ابو الاعلیٰ مودودی کے مطابق ''مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے، فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے ہیں، ان کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں''۔ مولانا عبدالحی لکھنوی والد مولوی ابو الحسن علی ندوی کے مطابق ''بیشتر علوم اور فنون خصوصاً فقہ اور اصول میں اپنے معاصرین پر فائق تھے۔'' مولوی سید سلیمان ندوی کے مطابق ''اس احقر نے جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی چند کتابیں دیکھیں تو میری آنکھیں خیرہ کی خیرہ رہ گئیں۔ حیران تھا کہ یہ واقعی مولانا بریلوی کی ہیں؟ جن کے متعلق کل تک یہ سنا تھا کہ وہ صرف اہل بدعت کے ترجمان ہیں اور صرف چند فروعی مسائل تک محدود ہیں، مگر آج پتا چلا کہ نہیں، یہ اہل بدعت کے نقیب نہیں، بلکہ یہ تو عالم اسلام کے اسکالر اور شاہکار نظر آتے ہیں، جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے اس قدر گہرائی دیگر کتابوں میں نظر نہیں آتی۔''

اعلیٰ حضرت کی شاعری

آپ شعر گوئی میں کافی مہارت رکھتے تھے اکثر علماء اور اسلاف میں شاعری اور نعت گوئی کا رجحان نہیں ملتا، موجودہ دور کے علم میں بھی شاعری بہت کم پائی جاتی ہے، لیکن جب اعلیٰ حضرت ﷫ نے عشق رسول میں سرشار ہو کر نعت گوئی شروع کی تو شاعری کا رخ ہی بدل کر رکھ دیا اور عشق رسالت میں ایسے ایسے نعتیہ اشعار پیش کیے کہ سننے والے عشق رسول میں خود رفتہ ہو گئے۔ آپ کے مشہور و معروف سلام نے سابقہ تمام سلام کو ماند کر دیا۔ آپ کے سلام کو اتنی شہرت ہوئی کہ ہر جگہ ہر مجلس میں جہاں دیکھیں اسی کی دھوم مچی ہوئی ہے۔

علم ریاضیات

ڈاکٹر ضیا الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ یورپ سے علم ریاضی میں ڈاکٹریٹ کی امتیازی ڈگری حاصل کیے ہوئے تھے اور علم ریاضی میں پورے ہندوستان میں یگانہ روزگار تھے۔ ایک مرتبہ ریاضی کے کسی مسئلے میں الجھ گئے ہزار کوششوں کے باوجود مسئلہ حل نہ ہوسکا تو اس کے لیے جرمنی جانے کا عزم مصمم کرلیا اور اس تعلق سے انہوں نے اپنے ایک دوست مولوی حشمت اللہ صاحب رضوی بریلوی سے سفر جرمنی کا ارادہ ظاہر کیا اور اپنا مقصد بھی بتایا، ان کی بات سن کر ان کے دوست نے اس سلسلے میں انہیں اعلیٰ حضرت سے ملنے کو کہا، پہلے تو انہوں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی مگر اصرار بسیار کے بعد اعلیٰ حضرت کے پیرزادے سید مہدی حسن میاں صاحب مارہروی کے ساتھ بریلی گئے اور مولوی حشمت اللہ بریلوی کے یہاں قیام کیا انہوں نے موقع دیکھ کر ان کی ملاقات اعلیٰ حضرت سے کروائی، اسی دوران اصل موضوع ان کے درمیان چھڑ گیا۔ ڈاکٹر ضیاء یہ دیکھ کر حیران و پریشان رہ گئے کہ ان کی تمام ریاضی الجھنوں کو اعلیٰ حضرت نے چٹکیوں میں حل کردیا۔



محمد توفیق برکاتی مصباحی (الجامعۃ الغوثیہ، بمبئی)

فتاویٰ رضویہ کا علمی مقام

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان (1272ھ-1340ھ) کی بلند پایہ قابل قدر اور ہمہ جہت شخصیت نہ صرف برصغیر ہندو پاک بلکہ پورے عالم اسلام میں کسی تعارف و تبصرے کی محتاج نہیں، آپ کی ذات بلا شبہہ برہان الٰہی ہے، معجزہ رسول ہے، وہبی معلوم وفنون کا ایک ایسا بحر زخار ہے جس کی گہرائی، وسعت اور گیرائی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، حکمت و دانائی کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جس کی قیمت نہیں لگائی جاسکتی، علم و مشاہدہ، فقہ و تدبر کا ایسا عمیق سمندر ہے جس میں غوطہ لگانے والا "ہل من مزید" کا نعرہ بلند کرتا دکھائی دیتا ہے اور ایسے نادر و نایاب موتی لے کر نکلتا ہے جس سے آنکھیں خیرہ ہوتی، قلوب واذہان کو روشنی ملتی، اہل اسلام کے ایمان وایقان کو جلا ملتی اور عقائد و اعمال کی تزئین کاری ہوتی ہے۔ اللہ عزوجل نے آپ کو حرارت ایمانی، استقامت علی الدین، تصلب فی الدین اور عشق رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایسا وافر بیش بہا خزانہ عطا فرمایا، بلا شبہہ جو تائید ربانی اور خالص عطائے الٰہی کا مظہر اتم ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے تقریباً 54 سال تک مسند افتا کو رونق بخشی، ایک ہزار سے زائد کتب و رسائل تحریر فرمائے، 55 سے زیادہ علوم وفنون میں تبحر حاصل کیا، ان گنت تحقیقات علمیہ داد بیہ پیش کیے، بے شمار فتاویٰ لکھے اور اس قدر باریک بینی اور دقت نظر سے لاینحل مسائل کا تصفیہ فرمایا کہ اپنے وقت کا بڑے سے بڑا تنقید نگار بھی قلم ہاتھ میں لیے سوچتا رہ گیا، وقت کے مقتدر علماء وفقہا نے جن چار شخصیات کے بارے میں متفقہ طور پر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلم کو خطا سے محفوظ رکھا ہے امام احمد رضا کی ذات ان میں ایک ہے۔ آپ کے فتاویٰ کا خوب صورت مجموعہ "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" کے مبارک نام سے نہ صرف یہ کہ مشہور ہے بلکہ علماء وفقہائے ومفتیان کرام کے لیے ایک ضرورت ہے، ہر کوئی ان کی اہمیت وافادیت تسلیم کرتا ہے۔

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے ایسوسی ایٹ پروفیسر سید عبد الرحمن بخاری:

لکھتے ہیں:

''لوگ احمد رضا کو اپنے عہد کا مجدد کہتے ہیں اور میں اسے آنے والے ہر دور کے لیے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ سمجھتا ہوں۔ لوگ اسے فاضل بریلوی پکارتے ہیں اور میں اسے آیت الٰہی دیکھتا ہوں۔ لوگ اسے فقیہ و عالم ٹھہراتے ہیں اور میں اسے فہم دین میں ''حجت'' گردانتا ہوں'' (سہ ماہی افکار رضا ممبئی شمارہ اپریل تا جون 2000ء ص 57)

امام احمد رضا بلا شبہ اپنے دور میں پوری دنیا کے لیے مرجع فتاویٰ تھے۔ آپ کے دارالافتا میں براعظم ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ سے استفتا آتے تھے اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے تھے اور سب کے جواب اسی شرح و بسط کے ساتھ مجتہدانہ شان سے دیے جاتے لیکن امام اعظم ابو حنیفہ کی تقلید سے سرمو انحراف نہیں ہوتا بلکہ اپنے مسلک حنفی پر شدت سے کار بند رہتے، آپ کے فتاویٰ سے عوام و خواص، علماء صلحا اور مفتیان دین متین و قاضیان عدالت بھی مستفید ہوتے تھے اور آج بھی ہو رہے ہیں، آپ کی اس شان فقاہت اور تبحر علمی سے متاثر ہو کر ہی علمائے عرب و عجم نے بالاتفاق چودھویں صدی کا مجدد تسلیم کیا اور علمائے حرمین شریفین زاد ہما شرفاً و تعظیماً تو کثیر تعداد میں آپ کے سامنے زانوے ادب تہ کرتے نظر آئے، آپ سے سندیں حاصل کیں'' (مقدمہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص 7)

حافظ کتب حرم شریف مکہ حضرت علامہ سید اسماعیل خلیل مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کی علمی تحقیقات اور فقہی جواہر پاروں کو دیکھ کر پکار اٹھے: (ترجمہ) ''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان فتاویٰ کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان فتاویٰ کے مؤلف یعنی امام احمد رضا کو اپنے تلامذہ میں شامل کر لیتے'' (الاجازاۃ المتینیہ لعلماء بکۃ والمدینہ ص 22)

تاج العلماء اولاد رسول حضرت محمد میاں مارہروی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''اعلیٰ حضرت کو میں علامہ ابن عابدین شامی پر فوقیت دیتا ہوں، کیوں کہ جو جامعیت اعلیٰ حضرت کے ہاں ہے وہ ابن عابدین شامی کے ہاں نہیں'' (امام احمد رضا کی فقہی بصیرت ص 46)

فتاویٰ رضویہ کے علمی مقام اور جامعیت، آپ کی شان فقاہت، علمیت اور محققانہ قدر و وقار کا آپ سے نظریاتی اختلاف رائے رکھنے والوں نے بھی اعتراف کیا۔ ماہ نامہ ''معارف'' اعظم گڑھ کا فتاویٰ رضویہ پر یہ تبصرہ پڑھیے۔

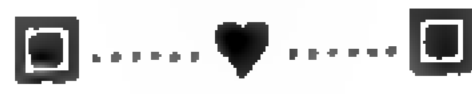
''مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم اپنے وقت کے زبردست عالم، مصنف اورفقیہ تھے، انہوں نے چھوٹے بڑے سینکڑوں فقہی مسائل سے متعلق رسالے لکھے ہیں، قرآن کا ایک سلیس ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان علمی کارناموں کے ساتھ ساتھ ہزارہا فتووں کے جوابات بھی انہوں نے دیے ہیں، ان کے بعض فتاوے کئی کئی صفحے کے ہیں، فقہ اور حدیث پر ان کی نظر بڑی وسیع ہے، دو جلدیں اس سے پہلے شائع ہو چکی ہیں اب تیسری جلد دارالاشاعت مبارک پور اعظم گڑھ نے شائع کی ہے، اس جلد میں 842 مسائل ہیں، ابھی ان کے فتاوے کی آٹھ جلدیں اور باقی ہیں ان فتاویٰ میں بعض پیدا شدہ مسائل کے متعلق بھی فتوے ہیں جن کا جواب مولانا نے بڑی وسعت نظر سے دیا ہے۔ بہرحال مولانا کے مخصوص خیالات (مسئلہ تکفیر) سے قطع نظر ان کے فتاویٰ اس قابل ہیں کہ ان کا مطالعہ کیا جائے، ان سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔'' (معارف اعظم گڑھ، فروری 1962ء)

ہفت روزہ ''شہاب'' لاہور نے بھی برملا اس حقیقت کا اعتراف کیا، ملاحظہ ہو:

''مولانا غلام علی صاحب نائب مولانا مودودی صاحب نے مولانا احمد رضا خان صاحب کی کتابیں لے کر مطالعہ فرمائیں تو فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد احمد رضا خان صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں، ان کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے یہاں پائی وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشق خدا و رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔ مجھے تو ان سے سوائے مسئلہ تکفیر کے کسی مسئلہ میں کوئی خاص اختلاف نہیں۔ جتنے بھی اختلاف ہیں وہ بہت معمولی ہیں، البتہ علمائے دیوبند کی تکفیر کے بارے میں انہوں نے تشدد برتا ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ اس میں مخلص نظر آتے ہیں تاہم ان کے نتیجے سے ہم متفق نہیں کہ ان کی عبارات کی کوئی قابل قبول تاویل نہیں۔ اگرچہ وہ عبارات قابل اعتراض ہیں مگر ان کی نیت پر شبہ اور تکفیر پر اصرار زیادتی ہے۔ (ہفت روزہ شہاب لاہور 25 نومبر 1962ء)

فتاویٰ رضویہ کی ایک بہت بڑی خصوصیت اور امتیاز یہ ہے کہ سوالات کا جواب دینے میں سائل کی نفسیات کا بھرپور خیال ملحوظ رکھا گیا ہے، قدرتی طور پر امام احمد رضا کو احساس ہو جاتا تھا کہ مستفتی کی اپنی علمی قابلیت ولیاقت کس معیار کی ہے، اس کا تعلق عوام سے

ہے یا خواص سے؟ تفصیلی جواب کا طالب ہے یا اجمالاً نفس جواب کا متمنی ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا اسلوب تحقیق بہت بلند ہے، انداز تحریر بڑا دلکش ہے۔ درحقیقت فتاویٰ رضویہ دلائل و براہین، شواہد و نظائر کا ایسا خوب صورت امتزاج ہے کہ قاری کے دل میں شک و شبہہ کی گنجائش یکسر ختم ہو جاتی ہے اور وہ مزید کسی دلیل کا متقاضی نہیں ہوتا، اگر غیر جانب دار اور عناد و عداوت سے پرے ہو کر ان کا مطالعہ کرتا ہے تو حق قبول کرنا اس کی مجبوری بن جاتی ہے، اردو عربی اور فارسی تین زبانوں میں موجود یہ فتاویٰ مسائل شرعیہ کا ایک عظیم شاہکار ہیں، علوم و فنون کا گراں قدر سرمایہ ہیں، تحقیقات و تنقیحات کا حسین گل دستہ ہیں، محققانہ جلال، عالمانہ فقیہانہ جمال کے آبدار موتیوں سے سجے دکھائی دیتے ہیں اور محققانہ شان ٹپکتی ہے۔



نفیس احمد رضوی مصباحی (مصطفیٰ آباد بہرائچ، یوپی)

علوم وفنون کے بادشاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت 10 شوال المکرم 14 جون 1272ھ/ 1856ء کو محلہ سوداگران بریلی شریف میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد غزالی زماں مولانا نقی علی خاں اپنے دور کے اکابر علماء واولیا میں سے تھے۔ تمام مروجہ علوم وفنون اپنے والد گرامی سے تقریباً چودہ سال کی عمر میں حاصل کر کے سند فضیلت سے نوازے گئے اور مسند تدریس وافتا پر فائز ہوئے۔ والد ماجد کے علاوہ حضرت شاہ آل رسول مارہروی، علامہ احمد بن زینی دحلان مفتی مکہ مکرمہ، علامہ عبد الرحمٰن مکی، علامہ حسین بن صالح مکی اور حضرت مولانا شاہ ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی استفادہ کیا۔ اپنی عمر کے آٹھویں سال میں بزبان عربی ہدایت النحو' کی شرح تحریر فرمائی۔ بے شمار تلامذہ نے آپ کے دربار سے اکتساب فیض کر کے ایک عالم کو منور کر دیا اور آپ کے نوک قلم سے ہزار سے زائد کتب تقریباً پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں سرزد ہوئیں بلکہ ہر فن میں آپ نے یادگار تصانیف چھوڑی ہیں، یہاں تک کہ چودہ سال کی عمر سے لے کر 68 سال کی عمر تک جو 55 سال کا طویل عرصہ ہے اگر اسے آپ کی پوری تصنیفات پر منقسم کر دیا جائے تو روزانہ کی اوسط تحریر ساڑھے تین جز ہوتے ہیں جن کے 56 صفحات بنتے ہیں، آخری عمر تک مسلسل فتویٰ نویسی کا فریضہ انجام دیتے رہے اور فتاوی رضویہ جیسی تحقیقی کتاب بارہ ضخیم جلدوں میں امت مُسلمہ کے سپرد کر گئے، علامہ شامی کی ردالمحتار پر جدالممتار کے نام سے پانچ جلدوں میں قابل قدر حاشیہ لکھا، ایمان کی حفاظت وصیانت کے لیے سنت نبویہ کے مطابق قرآن پاک کا مقبول انام ترجمہ 'کنز الایمان' لکھا۔

آپ مروجہ علوم دینیہ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، تاریخ، سیرت، معانی، بیان، بدیع، عروض، ریاضی، توقیت، منطق، اور فلسفہ وغیرہ کے یکتائے عصر فاضل تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ طب، علم، جفر، تکسیر، زیجات، جبر ومقابلہ، لوگارثم، جیومیٹری اور مثلث ... دی وغیرہ جیسے نادر علوم میں بھی کامل دستگاہ ومہارت رکھتے تھے۔ جبکہ یہ وہ نادر علوم ہیں جن سے علما عام

طور پر تعلق ہی نہیں رکھتے۔ قرآن فہمی کے لیے جن علوم کی ضرورت پڑتی ہے ان پر بھی امام کو گہرا عبور حاصل تھا جیسے شان نزول، ناسخ و منسوخ، تفسیر بالحدیث، تفسیر صحابہ اور استنباط کے مسائل کے اصولوں پر مہارت تامہ رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کا ترجمہ قرآن 'کنزالایمان' دیگر تمام تراجم پر فائق و غالب نظر آتا ہے۔ علم حدیث اور اس کے متعلقات جیسے طرق حدیث، مشکلات حدیث، راجح و مرجوح، طرق تطبیق، وجہ استدلال اور اسماء الرجال وغیرہ پر وسیع اور گہری نظر رکھنے والے تھے۔ عربی لغات پر اس قدر عبور تھا کہ علامہ شامی نے لفظ 'طف' بہ پڑنے کے معنی میں استعمال کیا اور فرمایا 'حتی طف من جوانبہا' اس پر امام احمد رضا فاضل بریلوی نے فرمایا۔

''مجھے یہ فعل اور اس کا مصدر صحاح، صراح، مختار، قاموس، تاج العروس، مفردات، نہایہ، درمنثور، مجمع البحار اور مصباح میں نہیں ملا ہاں قاموس میں صرف اتنا ہے کہ طف المکوک والاناء وطففہ وطفافہ وہ چیزیں جو اس برتن کے کناروں کو بھر دیں'' (جدالممتار بحوالہ کلمات آغاز از علامہ عبدالحکیم شرف قادری فتاوی رضویہ جلد اول رضا اکیڈمی ممبئی)

علم طب میں آپ کے جلوؤں کا مشاہدہ حکیم محمد سعید دہلوی کے الفاظ میں کیجیے۔ فرماتے ہیں۔ ''فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائی تک پہنچنے کے لیے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لیے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے اس لیے ان کے فتاویٰ میں بہت سے علوم کے نکات نکلتے ہیں، مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً کیمیاء اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں اس سے ان کی دقت نظر اور طبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں، ان کے تحقیقی اسلوب و معیار سے دین و طب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔'' (معارف رضا کراچی نہم 1989، ص100، بحوالہ مذکور)

شعر و ادب میں بھی وہ قادرالکلام اور سرفہرست ہیں، اصناف شعر و سخن میں سے حمد باری تعالیٰ، نعت اور منقبت کو منتخب فرمایا، قصیدۂ نور، قصیدۂ معراجیہ اور ''مصطفیٰ جان رحمت''

والا سلام ایسے ادب پارے ہیں، جن پر شعر و ادب کو ہمیشہ ناز رہے گا، ان کے عشق مصطفیٰ اور مدینہ طیبہ سے عقیدت دیکھنی ہو تو "حدائق بخشش" کا مطالعہ کریں۔

ان کے مشہور زمانہ سلام "مصطفیٰ جان رحمت" کو منظوم عربی قاہرہ (مصر) سے 1999 میں "المنظومۃ السلامیۃ فی مدح خیر البریۃ" کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم فرماتے ہیں۔ "ان کے مشہور زمانہ سلام کا عربی میں ترجمہ ہو کر انتہائی اہتمام کے ساتھ دارالثقافۃ قاہرہ سے 1999 "المنظومۃ السلامیۃ فی مدح خیر البریۃ" کے نام شائع ہو چکا ہے، اس ترجمہ کی سعادت شعبہ زبان و ادب جامعہ از ہر کے استاذ دکتور حازم محمد احمد محفوظ کو حاصل ہوئی ہے۔" (سہ ماہی افکار رضا، ص18، جولائی تا ستمبر 2001)

تعجب کی بات یہ ہے کہ کسی مخصوص زبان میں نعتیہ شاعری کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے مگر ایسا شاعر جس کی شاعری میں مختلف زبانوں کی آمیزش ہو صرف امام احمد رضا ہی ہو سکتے ہیں۔ ان کی مشہور زمانہ چہار لسانی نعت

لم یأت نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کا تاج تورے سر سو ہے، تجھ کو شہ دوسرا جانا

اس کا واضح ثبوت ہے آپ کی ریاضی دانی کا یہ عالم ہے کہ ملک العلماء مولانا ظفر الدین صاحب رضوی حیات اعلیٰ حضرت میں فرماتے ہیں ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب جو ریاضی میں تقریباً ولایت کی ڈگریاں اور تمغہ جات حاصل کیے ہوئے تھے، عرصہ سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ملاقات کے مشتاق تھے مگر انگریزی وضع ہونے کی وجہ سے ملاقات کرنے کی ہمت نہیں کر پاتے تھے بالآخر ملک العلماء مولانا ظفر الدین کی آمادگی پر اعلیٰ حضرت سے ان کو شرف لقاء حاصل ہوا۔ امام اہلسنت سے گفتگو کا سلسلہ جاری تھا اسی اثنا میں اعلیٰ حضرت نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں اکثر اشکال مثلث اور دوائر کے بنے تھے ڈاکٹر صاحب کو دکھایا تو ڈاکٹر صاحب حیرت و استعجاب کے سمندر میں غرق ہو گئے بالآخر فرمایا میں نے اس علم کو حاصل کرنے میں غیر ممالک کے اکثر سفر کیے ہیں مگر یہ باتیں ابھی تک کہیں سے بھی حاصل نہیں ہوئیں اب تو میں اپنے آپ کو طفل مکتب سمجھ رہا ہوں۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے استفسار کیا کہ مولانا اس فن میں آپ کا استاذ کون ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا کوئی استاذ نہیں

ہے۔(ماخوذ از حیات اعلیٰ حضرت، ج 1،ص 151، قادری بکڈپو بریلی)

یہ تو جزئی متفرقات تھے۔ اگر ان کی زندگی کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو ہر فن میں ان کی بے شمار یادگار تصانیف ملتی ہیں ایسا لگتا ہے کہ وہ ہر فن کے علیحدہ امام ہیں۔اب آیئے اجمالی طور پر مختلف فنون میں ان کی تصنیفات کا جلوہ ملاحظہ فرمایئے۔

علم عقائد میں ان کی 31 کتابیں ہیں، علم کلام میں 17، علم تفسیر میں 6، علم اصول حدیث میں 2، علم حدیث میں 11، علم اصول فقہ میں 9، علم فقہ میں 150، علم الفرائض میں 4، علم رسم خط قرآن مجید میں 1، علم الادب العربی میں 6، علم لغت میں 2، علم سیر میں 3، علم الفضائل میں 30، علم المناقب میں 18، علم سلوک میں 2، علم الاخلاق میں 2، علم تصوف میں 3، علم اذکار میں 5، علم ترغیب وترہیب میں 1، علم تاریخ میں 3، علم مناظرہ میں 18، علم تکسیر میں 1، علم الوفق میں 1، علم التوقیت میں 6، علم ہیئت میں 3، علم الحساب میں 1، علم ارثماطیقی میں 3، علم ریاضی میں 3، علم الہندسہ میں 3، علم جبرو مقابلہ میں 1، علم الزیجات میں 1، علم الجفر میں 3، علم النجوم میں 1، علم تجوید میں 2 کتابیں ہیں۔

اس کے علاوہ موضوع کے اعتبار سے بہت سی کتابیں ہیں۔طوالت کے خوف سے درج نہیں کیا جارہا ہے۔ ان تمام حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد عقل یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ اس قدر علوم وفنون کا خزانہ جس ذات میں موجود ہو وہ اپنے وقت کا اعلیٰ حضرت ہی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عرب وعجم کے علماء ومشائخ نے متفقہ طور پر آپ کی امامت اور علمی سیادت کو تسلیم کیا ہے۔ اس قدر علوم کا حاصل کرنا اور ان پر نادر کتب تصنیف کرنا صرف درسگاہوں سے اکتساب فیض کے ذریعہ بہت مشکل ہے۔ضرور تائید الٰہی اور علم لدنی کی دولت بے بہا سے وہ متصف تھے۔ اسی لیے ان کے عصر کے علماء ومشائخ نے دل کھول کر ان کی عظمتوں اور علمی کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ مذاہب اربعہ کے مفتیان کرام ومشائخ عظام اور اپنے دور کے مرجع العلما اکابرین کی امام سے والہانہ وابستگی اور عقیدت مندی ملاحظہ فرمایئے۔

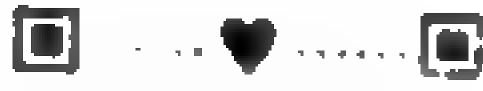
شوافع کے مفتی اور امام نقیب الاشراف اور شیخ السادۃ فی المدینۃ المنورۃ سیدی السید علوی بن السید احمد بافقیہ ارشاد فرماتے ہیں:

افضل الفضلاء انبل النبلا فخر السلف قدوۃ الخلف الشیخ احمد رضا

احناف کے مفتی و امام سید اسماعیل بن خلیل مدنی فرماتے ہیں۔

شیخنا العلامۃ الحبر و شیخ اساتذہ علی الاطلاق الشیخ احمد رضا حنبلیوں کے امام و مفتی اور مسجد نبوی میں مدرس امام عبداللہ النابلسی الحنبلی ارشاد فرماتے ہیں۔ العالم العامل الفاضل محرر المسائل وعویصات الاحکام و محکم بروج الادلۃ بمزید اتقان وزیادۃ احکام سید الشیوخ والفضلاء الکرام قاضی القضاۃ الشیخ احمد رضا خان۔ مالکی حضرات کے امام و مفتی مدینہ منورہ میں دار الافتاء کے اعلیٰ نگراں و حاکم سید احمد الجزائری ابن السید احمد المدنی ارشاد فرماتے ہیں۔

علامۃ الزمان و فرید الاوان و منبع العرفان و ملحظ النظار سید عدنان حضرت مولانا الشیخ احمد رضا خان۔



محمد صابر رضا رہبر مصباحی (تنظیم ربناء اشرفیہ، مبارک پور)

امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری قرآن حکیم کی روشنی میں

نعت گوئی کی روایت بہت ہی قدیم ہے جس کا رواج بالکلیہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہوا۔ اور سب سے پہلے نعت گوئی کا سہرا جدِ حضور حضرت عبدالمطلب کے سر جاتا ہے۔ لیکن جب ہم قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں مدح سرائی کرنے والا خود خالق ارض وسما ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے اس حقیقت کو اپنے اس شعر میں یوں اجاگر کیا ہے:

اے رضا خود صاحبِ قرآں ہے مداحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

پھر یہیں سے نعت گوئی کے اس لامحدود سلسلے کا آغاز ہوتا ہے اور اب تک اس کی حد کا متلاشی منزل سے محروم رہا ہے۔ فن نعت گوئی میں امام احمد رضا بریلوی کی عبقری شخصیت دیگر فنون کی طرح ایک اعلیٰ وارفع مقام رکھتی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی کی نعت گوئی کا محور و مرکز قرآن مقدس ہے اور قرآن مقدس سے ہی آپ نے نعتیہ شاعری سیکھی ہے۔ اس فن کے لیے آپ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، جب ہی تو اپنے اس قطعہ میں اس کی وضاحت کرتے ہیں:

ہوں میں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

امام احمد رضا بریلوی نے علوئے فکر اور حزم و احتیاط کے ساتھ ساتھ جس خوش اسلوبی اور انوکھے انداز سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف جمیلہ پر مشتمل قرآن کریم کی آیات کے مطالب کو نظم کی لڑی میں پرو دیا ہے یہ انھیں کا حصہ ہے۔ میں اپنی کم علمی کے

باوجود امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے چند قرآنی اشعار بطور نمونہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں:

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
''نہیں'' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

اے حبیب دو جہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے جود و سخا کا کیا کہنا۔ آپ کی سخاوت کا یہ عالم ہے کہ کبھی کوئی آپ کے دربار سے لفظ ''نہیں'' سنا ہی نہیں، جوابا بلا امتیاز نسل ونسب وہ اپنے خالی دامن کو بھر کر ہی لوٹا۔ ''اے محبوب! جو مانگنے آئے اسے مت جھڑکیے۔''
(سورہ ضحیٰ 93، آیت 10)

معلوم ہوتا ہے کہ سب کے معاملات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست ہمت و کرامت کے سپرد ہیں جو چاہتے ہیں جسے چاہتے ہیں اپنے پروردگار کے اذن سے عطا فرماتے ہیں:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

یعنی اے حبیب خالق ارض وسما! وہی دونوں جہان کا پالن ہار ہے جس نے آپ کو سراپا رحم و کرم بنا کر اس خاک دان گیتی پر مبعوث فرمایا اور ہمیں اپنی حاجت روائی کے لیے آپ کے آستانہ اقدس کا پتا بتایا۔ اے مالک دو جہاں! تیرے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں۔

اللہ رے تیرے جسم منور کی تابشیں
اے جانِ جاں میں جانِ تجلی کہوں تجھے

یعنی اے محبوب دو جہاں! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے جسد مبارک کے نور کی شعاعیں کیا ہی خوب ہیں۔ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میری جان کی بھی جان ہیں مگر اے حبیب خدا! جی تو یہی چاہتا ہے کہ آپ کو میں نور الٰہی کی جان کہوں۔

واضح ہو کہ اس شعر میں امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کو نورانی اور نور الٰہی کی جان فرمایا۔ ملاحظہ ہو مفسرین قرآن کریم کے اقوال: ''بیشک اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔'' (سورۃ مائدۃ: 5، آیت 15)

مفسرین کرام نے اس آیت میں نور سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مراد لیا ہے۔

حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس آیت میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نور فرمایا گیا ہے کیوں کہ آپ سے تاریکیٔ کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان) ''بیشک اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور وہ نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہے۔'' (تفسیر جلالین ص 97)

''بے شک اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور کتاب سے قرآن مقدس۔'' (تفسیر کبیر جلد 3/صفحہ 384)

''بے شک اللہ کی طرف سے ایک نور آیا یعنی نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جن کے طفیل اللہ نے کائنات میں حق کو روشن کیا اور جن کے صدقے اسلام کو چار دانگ عالم میں ظاہر فرمایا اور کفر و شرک کو مٹایا بے شک آپ نور ہیں اس کے لیے کہ جو آپ سے نور حاصل کرتا ہے۔'' (تفسیر ابن جریر الطبری جلد 6، ص 161)

وصف رخ ان کا کیا کرتے ہیں شرح والشمس الضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں

یعنی اے لوگو! ہم لوگ جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رخ انور کی تعریف اور مدح سرائی کیا کرتے ہیں حقیقت میں ہم لوگ قرآن مقدس کی آیت کریمہ والشمس اور والضحیٰ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ چاشت کی قسم اور رات کی، جب وہ پردہ ڈالے۔ سورج اور اس کی روشنی کی قسم۔ (سورہ شمس، 91 آیت 1) اس آیت کریمہ میں مفسرینِ کرام نے ''شمس'' سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رخ انور اور ''لیل'' سے مراد زلف عنبریں لیا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''شمس'' سے اشارہ ہے نور جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف اور ''لیل'' سے کنایہ ہے گیسوئے عنبر کی طرف۔ (تفسیر روح البیان)

حضرت شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''وبعضے گویند کہ مراد از ''ضحیٰ'' روئے پیغمبر است صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واز ''لیل'' موئے او کہ در سیاہی ہمچو شب است۔'' (تفسیر عزیزی ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ص 586 ج 5)

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماویٰ ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم، جدّ اعلیٰ ہے ہمارا

یعنی ہم سارے انسان مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور مٹی ہی ہماری آخری منزل اور ٹھکانہ ہے کیوں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ السلام جو ہمارے جد اعلیٰ ہیں وہ بھی مٹی سے ہی پیدا کیے گئے ہیں۔

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ کہ تمہیں پیدا کیا مٹی سے پھر جبھی تم انسان ہو دنیا میں پھیلے ہوئے۔'' (سورہ روم: 30 آیت 20)

''وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے بنایا۔'' (سورہ مومن آیت: 66)

''اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔'' (سورہ طٰہٰ 20، آیت 55)

ہے کلام الٰہی میں شمس و ضحیٰ تیرے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

یعنی یا رسول اللہ! (ﷺ) قرآن کریم میں سورۂ شمس اور سورۂ ضحیٰ کا جو ذکر ہے دراصل وہ آپ کے رخ زیبا کی قسم ہے اور اندھیری رات کی قسم جو رب کائنات نے قرآن مقدس میں کھائی ہے دراصل آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیسوئے عنبریں کی قسم ہے۔

تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا تیری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا تیرے خالق حسن وادا کی قسم

یعنی اے محبوب! (ﷺ) خداوند قدوس نے آپ کے خلق کو عظیم فرمایا ہے اور آپ کی شکل نورانی کو جمیل کیا ہے۔ اے دو عالم کے حبیب آپ کے خالق حسن وادا کی قسم! آپ جیسا اس دنیائے آب و گل میں کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ آپ کے مثل کوئی تا قیامت پیدا ہو گا۔

''بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔'' (سورہ قلم 68 آیت 4)

جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی اکرم (ﷺ) کے خلق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''خلقه القرآن) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق قرآن ہے۔

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

یعنی اے نبی پاک! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر دو جہاں قربان! پروردگار عالم نے جو رفعت و بلندی آپ کو عطا فرمائی ہے وہ بلندی نہ آپ سے پہلے کسی کو نصیب ہوئی نہ آپ کے بعد کسی کو مل سکے گی اس لیے کلام مجید نے آپ کے شہر کی اور آپ کے کلام اور آپ کی عمر کی قسم کھائی ہے۔ اور جن کے شہر و کلام اور عمر کی قسم قرآن مقدس کھا لے، بھلا اس کے بھی مرتبہ و رفعت کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے؟

شہر کی قسم

"میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی دراں حالانکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں۔"

(سورہ بلد، 9 آیت 2,1)

کلام کی قسم

"مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم کہ میرے رب! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔"

(سورۃ دخان 44 آیت 88)

بقا کی قسم

"اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔"

(سورہ حجر 15، آیت 72)

نہ رکھی گل کے جوش حسن نے گلشن میں جاں باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغ رسالت کا

یعنی گلشن رسالت و نبوت میں نہ جانے کتنے گل کھلے مگر دائمی ثابت نہ ہو سکے بلکہ یکے بعد دیگرے اس گلشن سے رخصت ہوتے گئے مگر اس چمنستان رسالت و نبوت میں ایک ایسا بھی پھول کھلا ہے جس کی معطر خوشبو اور اس کے انوکھے حسن و جمال نے گلشن کی جان کو باقی رکھا ہے۔ اب اس گلشن میں مزید پھول کھلنے کی ضرورت کو محسوس نہ ہونے دیا، اب اس باغ رسالت میں کوئی پھول کھل ہی نہیں سکتا کیوں کہ وہی (حضور ﷺ) باغ نبوت و رسالت کے آخری گل ہیں۔ "محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ ہاں! اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔" (سورہ احزاب 33 آیت 40) "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا

دین کامل کر دیا۔" (سورہ مائدہ 5، آیت 3)

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

یعنی دو جہاں میں زندگی بسر کرنے والی مخلوق خدائے واحد کی رضا چاہتی ہے۔ مگر اے محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خدائے تبارک وتعالیٰ تیری رضا چاہتا ہے۔ "تو ہم ضرور پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں (اے محبوب) تمہاری خوشی ہو۔"

(سورہ بقرہ، 2 آیت 144)

"اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔"

(سورہ ضحیٰ 93، آیت 4)

میں دور ہوں تم تو ہو مرے پاس
سن لو میری پکار آقا

یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں بظاہر آپ سے دور ہوں، مگر آپ اے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ آپ میری پکار کو سن سکتے ہیں آپ میری دست گیری فرمایئے: "نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل ایمان کے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔" (سورہ احزاب، 33 آیت 6)

حسن یوسف پہ کٹی مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

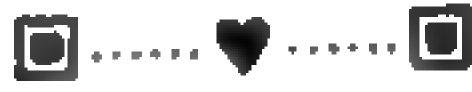
یعنی اے نبی کریم! (ﷺ) مصر میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن و جمال کی رعنائی کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں مگر اے میرے آقا! تم پر میری جان فدا تمہارے نام پر مردان عرب اپنے سر کٹاتے رہے ہیں، اگر آپ کے حسن و جمال کو دیکھ لیتے تو نہ جانے ان کا کیا حال ہوتا؟ بلکہ وہ اپنے دل کو نکال کر رکھ دیتے۔

"مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور نہ ذرا بدلے۔"

(سورہ احزاب 33، آیت 23)

شانِ نزول

حضرت عثمان اور حضرت طلحہ اور حضرت سعید بن زید حضرت حمزہ حضرت مصعب و غیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے نذر کی تھی کہ وہ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کا موقع پائیں گے تو ثابت قدم رہیں گے یہاں تک کہ شہید ہو جائیں گے۔ ان کی نسبت اس آیت میں ارشاد ہوا کہ انہوں نے اپنا وعدہ سچا کر دیا، ان میں حضرت مصعب وحمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما جہاد پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ جام شہادت نوش فرمایا اور حضرت عثمان غنی اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما جہاد پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ جام شہادت کا انتظار کر رہے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان)



محمد ادریس رضوی ایم اے (سنی جامع مسجد پتری پل، کلیان)

امام احمد رضا خاں کی سخن ہائے گفتنی کی حقیقت

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

مولانا احمد رضا خان بریلوی متوفی 1921ء مطابق 1340ھ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "حدائق بخشش" 1325ھ کی ایک نعت "رسول مقبول ﷺ" جو عوام و خواص میں کافی معروف ہے کے مذکورہ مقطع کے شعر کو خودستائی اور شاعرانہ تعلّی پر محمول کر کے ان پر طنز کیا جاتا رہا ہے۔ علم و ادب پر دسترس رکھنے والی بعض شخصیتیں تحقیق کی زحمت اٹھائے بغیر معترض و راست جواب دینے کی بجائے سنی سنائی بات کو دہرا کر تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ مولانا کے برادر حقیقی حسن رضا، داغ دہلوی، کے شاگرد تھے۔ ایک بار انھوں نے ان کے سامنے مولانا کی ایک نعت کے مطلع کا شعر ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

پڑھا تو داغ دہلوی عش عش کر اٹھے اور کہا کہ مولوی ہو کر اتنے اچھے شعر کہتا ہے اور ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

کہہ کر مولانا احمد رضا کی سخن دانی کی داد دی۔

حقیقت سے بعید تذکرہ کو سند کا درجہ دے کر کے اس کو لکھا جاتا، چھاپا جاتا اور دہرایا جاتا ہے۔ استاد زمن حضرت حسن نے اپنے بھائی مولانا احمد رضا کا کلام داغ دہلوی کو سنایا اور داغ کلام سن کر عش عش کر اٹھے اور کہا مولوی ہو کر اتنے اچھے شعر کہتا ہے جس کا ثبوت تاریخ و ادب کی کتابوں میں ملتا ہے مگر! ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم الخ کو داغ دہلوی کی طرف

منسوب کرنا لغو اور احمد رضا پر بہتان باندھنا ہے، اگر سچ مان لیا جائے تو احمد رضا کے سر، سرقہ خوئی کا الزام اور ان کی سخن فہمی پر داغ لگتا ہے کہ داغ دہلوی نے شعر پڑھا اور حسن رضا نے اس کو قلم بند کر کے مولانا احمد رضا کی خدمت میں پیش کر دیا اور مولانا نے مفت ہاتھ لگنے والی دولت کو اپنے دیوان میں شامل کر لیا۔ ستم کے باب کو وا کرتا ہے کہ مولانا احمد رضا اپنے ہم عصر علماء میں سب سے ممتاز اور منفرد ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے جس فن میں قلم اٹھایا اس کو تمام کر کے ہی دم لیا۔ لاینحل مسائل کو دم کے دم میں سلجھانے والا، معدوم ہونے والے علوم کو از سر نو تازہ کر کے ان میں کثیر تصانیف چھوڑنے والا جس کی ذات گونا گوں خوبیوں کا مرقع تھی جس کی ذہانت و فطانت، طباعی و درا کی دیکھ کر استاد نے کہا تھا "صاحبزادے سچ سچ بتا دو میں کسی سے کہوں گا نہیں، تم انسان ہو یا جن۔"

قوت حافظہ کا عالم یہ تھا کہ تیس دن میں پورا قرآن پاک حفظ کر لیا، علم قرآن میں "کنز الایمان" کی شکل میں بیش بہا ترجمہ موجود ہے، واعظ ایسا کہ محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عرس شریف میں بدایوں تشریف لے گئے وہاں نو بجے صبح سے تین بجے تک کامل چھ گھنٹے سورۂ والضحیٰ پر تقریر فرمائی، مفسر ایسا کہ اسی والضحیٰ سورہ مبارکہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ کچھ آیات کریمہ کی تفسیر میں 80 جز رقم فرما کر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے کلام پاک کی تفسیر لکھ سکوں۔

علم حدیث کا ایسا ماہر کہ شیخ یٰسین احمد الخیاری المدنی نے علم حدیث میں مولانا بریلوی کے تبحر کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ "وہ محدثین کے امام ہیں۔ علم فقہ کا ایسا فاضل کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے، ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں، شاہد ہیں، منجم ایسا کہ امریکی پروفیسر البرٹ کی پیشین گوئی کو دلائل کی روشنی میں غلط ثابت کر دیا۔ علم ریاضی سے واقفیت کے بارے میں ڈاکٹر ضیاء الدین کہتے ہیں "میرے سوال کا جواب بہت مشکل اور لاینحل تھا ایسا فی البدیہہ جواب دیا گویا اس مسئلے پر عرصہ سے ریسرچ کیا ہے اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں۔"

شعر و ادب کے متعلق ادیب و شاعر اور محقق کالی داس گپتا رقم طراز ہیں "نہیں معلوم انہوں نے کسی سے باقاعدہ اصلاح لی تھی کہ نہیں تاہم ان کے کلام سے ان کے کامل صاحب فن اور مسلم الثبوت شاعر ہونے میں شبہہ نہیں اور ان کی نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ

رکھتی ہیں۔ کہیں تشبیہ ہے کہیں خیال گوئی، عاشقانہ رنگ جو تغزل کی جان ہے، اس کا مرتبہ ہے کہ اگر نعت کے مخصوص رنگ کے اشعار الگ کر دیے جائیں تو بقیہ اشعار ایک بہترین غزل کی شان کے حامل ہوں گے"۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان سندھ یونیورسٹی حیدر آباد رقم کرتے ہیں "اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں ان کے فضل و کمال و فطانت طباعی و دراکی کے سامنے بڑے بڑے علماء فضلاء یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے، مختصر یہ کہ وہ کونسا علم ہے جو انہیں نہیں آتا تھا، وہ کونسا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے؟ شعر و ادب میں بھی ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ اگر صرف محاورات، مصطلحات، ضرب الامثال اور بیان بدیع سے تمام الفاظ ان کی جملہ تصانیف سے یک جا کر لیے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتی ہے"۔

ڈاکٹر حامد علی خان لیکچرار شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تحریر کرتے ہیں، علامہ رضا کی شاعری وہبی تھی، شاعری میں آپ کو کسی کا تلمذ نہیں تھا، خلاق عالم نے آپ کی طبیعت میں ایسی موزونیت ودیعت فرمائی تھی کہ آپ سخن فہمی، سخن سنجی اور سخن گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ اس لیے آپ کے کلام میں آمد ہی آمد ہے آورد کا نام نہیں"۔

امام احمد رضا نے فن سخن کی مختلف اصناف حمد، نعت، منقبت، قطعات، قصیدہ، غزل، مثنوی، رباعیات کے علاوہ مستزاد، صنعت اتصال تربیعی، صنعت تجنیس، تجنیس مماثل، تجنیس مستوی، صنعت تلمیح، صنعت طباق و تضاد، لف ونشر اور تنسیق الصفات وغیرہ میں طبع آزمائی کر کے ید طولیٰ حاصل کیا تھا۔ داغ دہلوی کے ایک شعر پر کیوں کر فریفتہ ہو گئے؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو مقطع کے شعر کو خود ستائی اور شاعرانہ تعلّی پر محمول کر کے لوگ اپنا دامن بچانے اور خجالت مٹانے کے لیے افسانہ گڑھتے ہیں اس سے چاہے علامہ رضا کی شخصیت مجروح کیوں نہ ہو جائے، حقیقت کی تلاش میں نکلنا اور جہد کرنا شرط ہے جب سراغ مل جائے گا تو لوگ خود کہہ اٹھیں گے کہ مذکورہ شعر کو داغ دہلوی کی طرف منسوب کرنا، امام احمد رضا کی شخصیت پر داغ لگانا ہے۔ مقطع میں تعلّی یا تحدیث نعمت کے طور پر جو کچھ کہا گیا ہے اس کو خود ستائی سمجھ کر لوگ شک میں پڑ جاتے ہیں کہ یہ انداز اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا ہے۔ امام احمد رضا اپنے تئیں ایسا نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا اس مقطع کا خالق داغ دہلوی ہے جس نے

علامہ رضا بریلوی کے اشعار سے محظوظ ہو کر بطور خراج عقیدت ان کی شان میں کہا تھا اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ مقطع ؎

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخی طبع رضا کی قسم

کو کس جانب منسوب کیا جائے؟ کیونکہ اس شعر میں علامہ رضا بریلوی نے اپنے تئیں کہا ہے کہ ہند میں ان کے جیسا جادو بیاں واصف کوئی اور دوسرا نہیں ہے ایک اور مقطع دیکھیے ؎

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اسے پیش جلوہ زمزمہ رضا کہ یوں

''لا اسے پیش جلوہ'' کس بات کا پتا دیتا ہے؟ علامہ رضا بریلوی اپنی بے مثالی کے متعلق خود اپنی زبان سے یوں کہتے ہیں ؎

محصور جہاں دانیٔ و عالی میں ہے
کیا شبہ رضا کی بے مثالی میں ہے

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب تحریر کرتے ہیں کہ شاعری میں مولانا بریلوی شہید آزادی مولانا کفایت علی کافی سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ مولانا غلام رسول مہر نے لکھا ہے کہ ''کافی کی غزلیں بہت پسند کرتے تھے ان کو سلطان لغت کہتے تھے'' مولانا بریلوی کے دیوان ''حدائق بخشش حصہ سوم'' میں یہ رباعی ملتی ہے

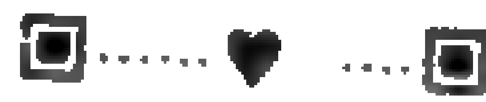
مہکا ہے میرے بوئے دہن سے عالم
یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
''کافی سلطان نعت گویاں'' ہے رضا
ان شاء اللہ میں وزیر اعظم

رباعی کے پہلے اور چوتھے بند میں علامہ رضا بریلوی نے جن باتوں کا اظہار کیا ہے ان کا خلاصہ ہے کہ ان کی نعت گوئی کی خوشبو سے پوری دنیا مہک اٹھی اور وہ اس فن کے وزیر اعظم ہیں ان اشعار کو ہم خوشی سے قبول کر لیتے ہیں تو پھر ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

کو تسلیم کرنے میں لیت و لعل کیوں؟

امام احمد رضا بریلوی کو بسیار جہتی پر مکمل عبور اور زبان و بیان پر ملکہ حاصل تھا آپ کے فن نعت گوئی اور شاعرانہ کمال کا اعتراف اہل علم اور اساتذۂ فن نے کیا ہے اس کے پیش نظر اگر وہ ملک سخن کی مسلم سلطانی اور زبان دانی کے سکے بٹھانے کی بات کہتے ہیں تو شاعرانہ تعلّی نہیں بلکہ حقیقت واقعہ کی عکاس ہے۔



محمد اشرف القادری مصباحی (اوجھا گنج بستی)

امام احمد رضا کا تبحر علمی

دروس نتائج پر نظر رکھنے والا، حالات زمانہ سے باخبر، قوم کی ڈوبتی کشتی کو ساحل مراد سے لگانے والا، علوم عقلیہ ونقلیہ کا جامع، شریعت وطریقت کا پاسبان، اوصاف حمیدہ کا حامل، اخلاق جمیلہ کا پیکر، عشق رسالت میں سرشار، دینی حمیت رکھنے والا، سیاسی مدبر، سماجی مفکر، دینیات کے ہر شعبے سے کامل آگاہ یہ تمام اوصاف اگر کسی شخصیت پر چسپاں کیے جائیں تو اعلیٰ حضرت احمد رضا فاضل بریلوی پر صحیح معنوں میں سب سے زیادہ موزوں لگیں گے، آپ نے جس میدان میں بھی قدم رکھا اسے اپنی انتہا تک پہنچانے کی کوشش کی ہے علم وفضل کے سمندر، جس علم کی جانب توجہ کی اسے غیر معمولی تقویت دے دی، اس میں کئی ابواب کا اضافہ کر دیا، زبردست ذہنی قوت کے مالک، جس چیز کا ایک بار مطالعہ کر لیتے عمر بھر کے لیے محفوظ ہو جاتی یہی وجہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ میں حوالہ جات کی ایسی کثرت ہے جو کسی دوسرے فقیہ کے یہاں دیکھنے میں نہیں آتی۔ اصابت رائے کا یہ حال کہ کبھی کسی فتوے پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت نہ پڑی جو بھی لکھ دیتے وہ حرف آخر کی حیثیت رکھتا۔ عموماً یہ دیدہ وشنیدہ ہے کہ جو ایک فن یا علم میں مہارت رکھتا ہے وہ دوسرے سے ناآشنا ہوتا ہے لیکن مجدد اعظم کی ذات گونا گوں خصوصیات سے لبریز تھی، آپ جس طرح علم فقہ میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ اسی طرح علم تفسیر میں بھی یکتائے روزگار ہیں۔ آپ کا ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' تمام تفاسیر کا عطر مجموعہ ہے جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ آپ کی تفسیری نگاہ بہت وسیع ہے، اگر ایک طرف علم حدیث میں منفرد المثال ہیں تو دوسری طرف علم اللغات میں آپ کا پایہ بہت اونچا ہے، اگر علم کلام میں آپ کا معیار بلند وبالا ہے تو نعتیہ شاعری میں بھی آپ نے ایک نئی طرح ڈالی ہے، چھوٹی سے چھوٹی بحر میں آپ نے نعت رسول مقبول گنگنائی ہے شاعری آپ کے عشق صادق کے سبب وجود پذیر ہوئی ورنہ وہ آپ کے لیے باعث افتخار نہیں نہ ہی اس کو بطور فن اختیار کیا یہی وجہ ہے کہ شاعری میں آپ کا کوئی استاذ نہیں، شاعروں اور سخن وروں کی طرح دن ورات

اشعار کے زیر و بم میں نہیں الجھتے تھے بلکہ جب اپنے آقا تاجدار مدینہ سرور قلب وسینہ کی یاد دل کو تڑپاتی اور سوز عشق بیتاب کرتا از خود عرب کے چاند کی مدح وثنا زبان پر جاری ہو جاتی اور یہی عاشق رسول کے درد کی دوا بن جاتی، تسکین خاطر کا سامان ہو جاتی، آپ اکثر فرماتے "جب سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد تڑپاتی ہے تو میں نعتیہ اشعار سے بے قرار دل کو تسکین دیتا ہوں ورنہ شعر وسخن میرا ذوق نہیں" اس دیوانگی کا جو موجزن دریا ہے اسے "حدائق بخشش" کہتے ہیں۔

علوم وفنون میں گہرائی وگیرائی کا یہ حال تھا کہ ہر علم کا ماہر آپ کی جانب رجوع کرتا تھا، علم اللغات میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے اگر کوئی اردو زبان میں استفتا کرتا تو اردو میں اس کا جواب دیتے، اگر فارسی زبان میں سوال آتا تو اسی زبان میں جواب دیا جاتا، عربی زبان میں کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو عربی زبان جواب میں بھی استعمال کی جاتی اور انگریزی زبان میں آئے ہوئے سوالات کے جوابات میں انگریزی عبارت لکھواتے، حد تو یہ ہے کہ نظم عربی یا نظم فارسی میں کیے گئے استفتا کے جوابات بھی نظمی لبادہ اوڑھے نظر آتے ہیں، جس کا مشاہدہ فقہی انسائیکلوپیڈیا "فتاوی رضویہ" میں کیا جا سکتا ہے، اس علمی وفنی کمال کی بدولت آپ کو "اعلیٰ حضرت" کے عظیم لقب سے نوازا گیا۔

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد اہل دنیا کو یہ تاثر دیا تھا "ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع وذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا، میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کے فتاویٰ ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عدل ہیں، حضرت ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے تھے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے، یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور وفکر کے بعد کرتے تھے، لہٰذا انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

علوم جدیدہ وقدیمہ پر مکمل عبور حاصل تھا، کچھ تو استاد کی رہنمائی کے بغیر ہی اپنی خداداد صلاحیت وذہانت سے حاصل کر لیے وہ علوم وفنون جو آپ کی تصانیف میں جا بجا دیکھنے کو ملتے ہیں جدید تحقیق کے مطابق ان کی تعداد 71 ہے ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن سے بڑے بڑے علما ودانشوروں کے کان شناسا نہیں جن کی فہرست اس مضمون کے جدول میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

یہ اسلوب افتا اس میں انوکھا طرز استدلال آپ کا طرۂ امتیاز اور انہیں کا حصہ ہے،

ان میں اکثر ایسے علوم وفنون ہیں جنہیں فراموش کر دیا گیا ہے لیکن اس ذات والا نے ان میں گل افشانیاں کر کے پورا حق ادا کر دیا ہے اعلیٰ حضرت کی اتنے علوم وفنون میں استعداد نے یہ واضح کر دیا ہے کہ کوئی علم کسی قوم یا قبیلہ کی ذاتی ملکیت نہیں جو چاہے اس کی تحصیل کرے علم و دانش کی ہر نہر میں غوطہ زن ہو کر ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے۔ آج کے پر آشوب دور میں جب کہ مسلمان ہر محاذ پر پسپا ہو رہے ہیں، زندگی کے ہر شعبے میں پیچھے ہوتے نظر آتے ہیں ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھل جائیں علم کے ہر میدان میں کود پڑیں، اپنی ایک شناخت بنائیں قوم کو علمی طبقوں کی صف میں کھڑا کرنے کی جدو جہد کریں سماج کے روشن وتابناک مستقبل کے لیے آمادہ ہو جائیں۔

نمبر	علوم و فنون	نمبر	علوم فنون
1	علم قرآن	2	علم تفسیر
3	علم قرأت	4	علم کلام
5	علم حدیث	6	اصول حدیث
7	فقہ	8	اصول فقہ
9	فقہ حنفی	10	علم فرائض
11	علم معانی	12	علم بدیع
13	علم مناظرہ	14	علم نحو
15	علم صرف	16	تصوف
17	سیر	18	لغت
19	ادب	20	علم افلاک
21	علم حساب	22	علم تکسیر
23	سلوک	24	تجوید
25	اسماء الرجال	26	تواریخ
27	علم ہندسہ	28	علم ہیئت

29	فلسفہ	30	منطق
31	علم بیان	32	جدل مہذب
33	جبر و مقابلہ	34	مربعات
35	مثلث مسطح	36	زیجات
37	مناظر و مرایا	38	لوغارثمات
39	جفر	40	ہیئت جدیدہ
41	مثلث کروی	42	علم الاکسر
43	علم التوقیت	44	حساب سینی
45	ارثماطیقی	46	اخلاقیات
47	علم بین الاقوامی امور	48	علم جغرافیہ
49	علم شماریات	50	اقتصادیات
51	علم الادویہ	52	علم کیمیا
53	علم صوتیات	54	خط نستعلیق
55	نثر عربی	56	نظم عربی
57	نثر فارسی	58	نثر ہندی
59	نظم ہندی	60	زائچہ
61	خط نسخ	62	تلاوت مع تجدید
63	علم طبیعیات	64	علم نور
65	علم طب	66	علم معاشیات
67	علم تجارت	68	علم ارضیات
69	علم سیاسیات	70	علم معدنیات
71	نظم فارسی		

محمد شہاب الدین مصباحی

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا نثری اسلوب

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ (متوفی 1340ہجری/1921عیسوی) کا شمار چودہویں صدی کے نابغۂ روزگار کی حیثیت سے ہوتا ہے جس کا علمی شہرہ ہر چہار جانب پھیلا ہوا ہے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ کے بحر زخار امام احمد رضا تقریباً 55 علوم وفنون پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ ایک بالغ نظر عالم دین اور بلند پایہ مفکر ہونے کی حیثیت سے جہاں فقہ وافتا، حدیث وتفسیر وعلوم دینیہ کے بحر ناپیدا کنار تھے وہیں پر اردو ادب کے ایک ایسے عظیم صاحب قلم بھی تھے جنہوں نے اس فن کو سیکھنے کا نہ کوئی خاص اہتمام کیا نہ ہی اس کی مشق ومہارت میں وقت لگایا اور نہ ہی خاص اس موضوع پر کوئی کتاب تصنیف فرمائی لیکن انصاف پسند ارباب قلم اس کے معترف ہیں کہ امام احمد رضا جہاں دیگر علوم وفنون پر عبور رکھتے تھے وہیں اردو ادب کے ایک ماہر ادیب بھی تھے۔ ان کی اردو تصانیف اس بات پر گواہ ہیں اور نعتیہ دیوان، حدائق بخشش اس پر شاہد عدل ہے جس کے مطالعہ کے بعد یہ کہنا پڑے گا کہ

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

چونکہ بحث ان کی نثری اسلوب سے ہونی ہے اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلوب کسے کہتے ہیں؟ اسلوب کے لغوی معنی طرز اور پیرایہ کے ہیں۔ اصطلاح میں اسلوب کسی ادیب کے انفرادی انداز بیان یا طرز اظہار کو کہتے ہیں جو اس ادیب کی پہچان بن جاتی ہے۔ ارباب علم وادب نے اسلوب کی کئی قسمیں بیان کی ہیں، جیسے سادہ اسلوب، شگفتہ اسلوب، مرصع اسلوب، طنزیہ اسلوب، مخلوط اسلوب، محاوراتی اسلوب، پرشکوہ اسلوب وغیرہ۔

امام احمد رضا جو صرف ایک ادیب ہی نہیں بلکہ محدث، مفسر، فقیہ، متکلم اور منطقی بھی تھے بلکہ سیاسی بصیرت بھی خوب رکھتے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ کہاں؟ کب؟ کس طرح

کی عبارت؟ کیسا اسلوب؟ استعمال کرنا مناسب ہوگا۔ اردو زبان پر قدرت اور ان کی موزوں طبیعت نے انہیں یہ صلاحیت عطا کی تھی کہ وہ موضوع کے مطابق اسلوب کا استعمال کر سکتے تھے کیوں کہ ہر موضوع ایک خاص اسلوب چاہتا ہے۔ تحقیقی مباحث کے لیے جو اسلوب مناسب ہوگا تنقید اور جواب کے لیے وہ اسلوب موزوں نہیں ہوگا۔ فتویٰ کے لیے جو اسلوب درکار ہے دعوتی خطوط کیلیے وہ اسلوب مناسب نہیں ہوگا۔ اس لیے مختلف موضوعات پر ان کی تصانیف پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہوگا کہ ان کا انداز بیان ہر ایک میں مختلف ہے۔ لیکن ان کی تمام تحریریں ادبی چاشنی، بیان کی لطافت، الفاظ کی بندش اور حسین پیرایۂ بیان سے مملو ہیں۔ ان کو زبان پر اس قدر عبور تھا کہ خواہ کسی بھی موضوع پر وہ لکھ رہے ہوں موقع و محل کے لحاظ سے ایسی چست اور دلنشیں زبان استعمال کرتے ہیں کہ لگتا ہے الفاظ وصفات قطار در قطار آپ کے قلم کی جولانی کے آگے انتظار میں کھڑے ہیں اور امام احمد رضا ان میں سے چن چن کر نہایت احتیاط کے ساتھ اپنے مضمون میں ان کا انتخاب کرتے جا رہے ہیں۔ درج ذیل تحریر میں سلاست و روانی کے ساتھ استعمال محاورات کی بہار دیکھیں:

جب بفضل اللہ تعالیٰ ان کے زور بازو نے دین الٰہی کی بنیاد مستحکم کر دی اور مشارق و مغارب میں ملت حنفیہ کی جڑ جم گئی اس وقت ائمہ وعلمائے مابعد نے تخت و بخت سازگار پا کر بیخ و بن جمانے والوں کی ہمت بلند کے قدم لیے اور باغبان حقیقی کے فضل پر تکیہ کر کے اہم فالاہم کاموں میں مشغول ہوئے۔ اب تو بے خلش صرصر واندیشۂ سموم اور ہی آبیاریاں ہونے لگیں۔ فکر صائب نے زمین تدقیق میں نہریں کھودیں۔ ذہن رواں نے زلال تحقیق کی ندیاں بہائیں، علما و اولیا کی آنکھیں ان پاک مبارک نونہالوں کے لیے تھالے بنیں۔ خواہان دین و ملت کی نسیم انفاس متبرکہ نے عطر بیزیاں فرمائیں۔ یہاں تک کہ مصطفےٰ کا باغ ہرا بھرا پھولا پھلا لہلہایا۔ اور اس کے بھینے پھولوں، سہانے پتوں نے چشم وکام و دماغ پر عجب ناز سے احسان فرمایا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اب اگر کوئی جاہل اعتراض کرے کہ یہ کنچھیاں جواب پھوٹیں جب کہاں تھیں؟ یہ پتیاں جواب نکلیں پہلے کیوں نہاں تھیں؟ یہ پتلی پتلی ڈالیاں جواب جھومتی ہیں نو پیدا ہیں۔ یہ ننھی ننھی کلیاں جواب مہکتی ہیں تازہ جلوہ نما ہیں۔ اگر ان میں کوئی خوبی پاتے تو اگلے کیوں چھوڑ جاتے؟ تو اس کی حماقت پر اس الٰہی باغ کا ایک ایک پھول قہقہہ لگائے گا کہ او جاہل!

اگلوں کو جڑ جمانے کی فکر تھی ،، فرصت پاتے تو یہ سب کچھ کر دکھاتے آخر اس سفاہت کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ نادان اس باغ کے پھل پھول سے محروم رہے گا۔

(اقامۃ القیامۃ علیٰ طاعنِ القیام لنبی تھامۃ صفحہ 57,56 مطبوعہ حیدر آباد پاکستان)

اس اسلوب میں شگفتگی بھی ہے سلاست وروانی بھی ہے۔ ایسی لطافت اور چاشنی بہت کم مصنفین کے یہاں ملتی ہے۔ یہی اسلوب کہیں چل کر بالکل بدل جاتا ہے۔ عبارت کی رنگینی اور ساخت میں نمایاں فرق آجاتا ہے۔ عبارت بالکل سادہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک رسالہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

یہ بات اسی سے صادر ہوگی جو تقدیر کو بھول کر تدبیر پر اعتماد کر بیٹھا۔ شیطان اسے ابھارتا ہے۔ اگر یہ بن پڑی جب تو کار برآری ہے ورنہ مایوسی وناکامی۔ ناچار سب این وآں سے غافل کر کے لہو پانی ایک کر دیتا ہے اور خوشامد وچاپلوسی مکر ودغا بازی جس طرح بن پڑے اس کی راہ لیتا ہے۔ حالانکہ اس حرص سے کچھ نہ ہوگا۔

(تقدیر وتدبیر، صفحہ 17 مجمع الاسلامی مبارک پور، اعظم گڑھ)

اسلوب کی اس سادگی میں زبان کی لطافت کے ساتھ بیان کا طریقہ کتنا نرالا ہے۔ مترادفات اور محاورات کے استعمال سے عبارت میں مزید دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔ ایسے اسلوب کے لیے حسن ادا، سادگی، اختصار، زور بیان ناگزیر ہے۔ امام احمد رضا کی تحریروں میں لفظوں پر گرفت عبارت کو دلنشین بنا دیتی ہے۔ ان کی تحریروں میں ہر ہر قدم پر ان کے چھوٹے چھوٹے جملے متوازن فقرے الفاظ کی تکرار توازن وخوش بیانی کی دلیل ہیں۔ بہت مختصر لفظوں میں دل کو چھونے والی باتیں کہنے کا فن انہیں خوب آتا ہے۔ اپنی ایک تصنیف میں لکھتے ہیں۔

اللہ! اللہ! یہ قوم۔ یہ قوم سرا سر لوم، یہ لوگ، یہ لوگ جنہیں عقل سے لاگ جنہیں جنون کا روگ۔ یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کے لغویات پر کان دھریں۔

(الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام صفحہ 19، مطبوعہ لاہور)

اس انداز بیان میں الفاظ کی تکرار ہے لیکن وہ بھی مقصد سے خالی نہیں ہے بلکہ اس سے زور بیان مقصود ہے۔ ارباب قلم اچھی طرح جانتے ہیں کہ قلم میں یہ روانی اور سلاست برسوں کی مشق ومہارت کے بعد کہیں جا کر پائی جاتی ہے مگر امام احمد رضا کا حال یہ ہے کہ نہ کبھی اس کو مستقل فن کی حیثیت سے پڑھا اور نہ ہی اس کا اہتمام کیا بلکہ اپنی خداداد صلاحیت

سے ادب کے وہ جواہر پارے بکھیرے جو آنے والوں کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امام احمد رضا کو آج پوری دنیا میں جو اعلیٰ مقام حاصل ہوا ہے وہ ان کے ادب کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کی علمی گہرائی اور گیرائی کی بنا پر ہے۔ عبارت کو کئی رنگوں میں پیش کرنے کا ملکہ رکھنے والے امام احمد رضا یہود و نصاریٰ پر اپنے قلم کا نشتر لگاتے ہوئے طنزیہ اسلوب میں فرماتے ہیں:

اے سبحان اللہ! اچھا خدا جسے سولی دی جائے، عجب خدا جسے دوزخ جلائے، طرفہ خدا جس پر لعنت آئے، جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے۔ اے سبحان اللہ! باپ کی خدائی بیٹے کی سولی، باپ خدا بیٹا کس کھیت کی مولی؟ باپ کے جہنم کو بیٹے ہی سے لاگ، سرکشوں کی چھٹی، بے گناہوں پر آگ، امتی ناجی رسول ملعون، معبود پر لعنت بندے مامون، تف تف! وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں، اس کے گوشت میں دانت رکھیں، اُف اُف! وہ گندے جو انبیا و رسل پر وہ الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن کھائیں، سخت فحش بیہودہ کلام گڑھیں اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں۔ زہ زہ! بندگی۔ خہ خہ تعظیم۔ بہ بہ تہذیب۔

(الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام صفحہ 18، رضا اکیڈمی ممبئی)

یہ ہے امام احمد رضا کے فتاویٰ اور تردید کا اسلوب جس میں احکام شرعیہ کے آگے مخالف کا ذرا بھی لحاظ نہیں۔ پھر بھی ادبی چاشنی ان کی تحریروں میں خوب پائی جا رہی ہے۔ عبارت کی سجع بندی اور معنی کی رعایت قابل صد تحسین ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ جب کسی کو دین کی دعوت دیتے ہیں تو ان کا انداز تحریر بالکل بدلا ہوا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک خط کا اقتباس پیش ہے:

حضرات! اہل سنت حفظہم اللہ ونصرہم میں جو ذی علم ہیں جو ذی فہم ہیں سب سے دست بستہ مذہبی اخوت کا واسطہ دے کر یہی معروض کہ للہ چند ساعت کے لیے ایک کی ہمراہی یا دوسرے کی غلبہ خواہی سب سے درگزر کریں، سچے پاک دل سے جو ان کے لیے سینوں میں تمیز حق و باطل کے لیے رب العزت جل جلالہ کی بھاری ودیعت، گراں بہا امانت ہے اوّل تا آخر بغور کامل نظر کریں اگر نیت صاف اور مقصود انصاف ہو تو ان شاء اللہ العزیز دم کے دم میں حق ظاہر و واشگاف ہے۔ ان ذالک علی اللہ یسیر۔ ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر۔

(کلیات مکاتیب رضا از شمس مصباحی پورنوی، جلد 2 صفحہ 108 مطبوعہ کلیر شریف (یو پی)

کس جذبۂ اخلاص، عاجزی و انکساری کے ساتھ امام احمد رضا نے مکتوب تحریر کیا

ہے کہ بڑے بڑے سخت دلوں کے دل موم کی طرح نرم ہو جائیں۔ دست بستہ مذہبی اخوت کا واسطہ دے کر حق کی طرف ان کے دلوں کو مائل کرنا چاہا ہے۔ خط کا انداز کتنا دلنشیں و دل پذیر اور ادبی محاسن سے لبریز ہے۔

ترجمہ نگاری میں بھی آپ نے حسین اسلوب کا انتخاب کیا ہے۔ آپ کا ترجمہ قرآن پاک، کنز الایمان، فنی خصوصیات کے لحاظ سے دیگر تراجم میں ممتاز ہے جو لفظی ترجمہ کے نقائص اور بامحاورہ ترجمہ کی کمزوری سے پاک وصاف ہے۔ ان کے ترجمہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اختصار و جامعیت کے ساتھ قرآنی مفہوم کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری ہر ہر لفظ کا معنی بآسانی سمجھ جاتا ہے۔ لفظی اور معنوی پیچیدگی سے منزہ ہے۔ اس میں لفظی ترجمہ کی جھلک اور بامحاورہ ترجمہ کی چمک دونوں باقی ہیں۔ ذیل کی مثال ملاحظہ فرمائیں:

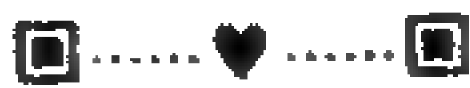
(1) قَالَ وَ مَن كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیلًا (126/2)

ترجمہ: فرمایا اور جو کافر ہوا تھوڑا برتنے کو اسے بھی دوں گا۔

ترجمہ ملاحظہ فرمائیں کتنی جامعیت اور اختصار کے ساتھ مفہوم کو واضح کر دیا ہے اور فامتعہ قلیلاً کا ایسا سلیس ترجمہ کر دیا جس کے مفہوم میں کوئی پیچیدگی نہیں رہ گئی۔ ساتھ ساتھ لفظی رعایت بھی ملحوظ ہے۔

(2) فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (23/2) ترجمہ: تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ۔

امام احمد رضا نے روح قرآن کو سمجھ کر قرآن کا ترجمہ کیا اور اسی اسلوب میں کیا۔ ایک سورت تو لے آؤ۔ یہ قرآن کے انداز بیان کی کتنی سچی عکاسی ہے۔ اسی لیے 'کنز الایمان' کی پذیرائی اتنی عام ہو رہی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت ساری مثالیں ہیں جن کے بیان کی گنجائش نہیں۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو اردو زبان پر جو قدرت حاصل تھی اور زبان کی چاشنی، بیان کی شگفتگی کا جو وہ ملکہ رکھتے تھے بڑے بڑے نامور ادیبوں میں وہ عنقا ہے۔



محمد غضنفر حسین رضوی (صدر مدرس دارالعلوم انوار الٰہی سہوا، مدھوبنی بہار)

امام احمد رضا بحیثیت شاعر

مجدد دین وملت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ جن کے کارنامے غیر معمولی ہیں۔ عالم اسلام کو آپ کے تجدیدی وعلمی کارناموں سے بخوبی واقفیت ہے۔ جب نمرودی فتنہ نے سر اٹھایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بشکل بشر صفت نبوت سے سرفراز فرما کر بھیجا، جس وقت فرعونی فتنہ نے جنم لیا تو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو صفت نبوت سے متصف کر کے مبعوث فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فلک نشیں ہو جانے کے تقریباً 570 برس بعد جب ابوجہلی و بولہبی، عیسائی و یہودی فتنہ نے جنم لیا اور اکناف عالم کا ذرہ ذرہ بت پرستی اور توہم پرستی میں مشغول ہو گیا تو بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا حبیب بنا کر جلوہ گر فرمایا۔ گویا کہ جب کبھی کسی شیطانی فتنہ نے جنم لیا اس کے خاتمہ کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کرام کو دنیا میں مبعوث فرمایا، اپنے حبیب صاحب لولاک جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد باب نبوت بند فرما کر اولیائے کرام مشائخ عظام کو تبلیغ رشد و ہدایت کے لیے منتخب فرمایا۔ فتنۂ یزیدیت کو امام عالی مقام سیدنا سرکار امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ختم فرمایا۔ اسی طرح فتنۂ اکبری کو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کو بھیج کر نیست و نابود فرمایا، اسی طرح جب 1272ھ اور 1856ء میں دیگر اسلام دشمن طاقتوں نے اسلام وسنت کے خلاف مکروفریب کا جال بچھا کر شیرازۂ اسلام کو منتشر کرنے کی سعی نابلیغ کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کو العلماء ورثۃ الانبیاء کا تاج زریں پہنا کر شہر بریلی میں 10 شوال المکرم کو شنبہ کے دن بوقت ظہر مبعوث فرمایا۔ سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ کے ساتھ شعر گوئی میں یدطولیٰ

رکھتے تھے۔ یوں تو شعر گوئی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی سرشت میں ملی ہوئی تھی۔

زحسنت تا بہار تازہ گل کرد
رضایت را غزل خواں آفریدند

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے شعر و شاعری کسی شاعر سے نہیں سیکھی بلکہ قرآن حکیم سے سیکھی اور اپنی شاعری میں احکام شریعت کا پاس رکھا اور فکر و خیال کو غلبۂ نفس سے محفوظ رکھتے ہوئے عشق مصطفیٰ کو پامال نہ ہونے دیا، فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جان سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

حضرت فاضل بریلوی کی شاعری لغویات و خرافات سے دور اور عشق شافع محشر سے بھرپور ہوتی۔ آپ کی شاعری میں حمد خدائے تعالیٰ نعت سرور کونین اور اولیائے کرام کی تعریف و توصیف پائی جاتی ہے:

سب سے اعلیٰ واولیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و والا ہمارا نبی
قطب ابدال بھی ہے محور ارشاد بھی ہے
مرکز دائرۂ سر بھی ہے عبدالقادر

حضرت فاضل بریلوی کی شاعری سوز و گداز، بلندیٔ فکر، بندش مضمون، درد دل، سوز جگر، آرزو و اسلاف سے معمور تھی، فرماتے ہیں:

مہکا ہے میرے بوئے دہن سے عالم
یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاق طبع، لذت سوز جگر کی ہے
پرواز میں جب مدحت شہ کے آؤں
تا عرش پر فکر رسا سے جاؤں

مضمون کی بندش تو میسر ہے رضاؔ
کافی کا دردِ دل کہاں سے لاؤں

سادگی اور روانی فاضل بریلوی کے کلام کی خاص پہچان تھی، خیال کی لطافت ان کے کلام کا خاص جوہر تھا۔ فاضل بریلوی کی شاعری اور کلام میں عربی و فارسی، اردو و ہندی زبان بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ضم تھی، فرماتے ہیں:

لم یأت نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

حضرت فاضل بریلوی کا ذوق شاعری بڑا پاکیزہ اور نکھرا ہوا تھا۔ فاضل بریلوی کی شاعری میں مشرقی فن وادب کے اثرات، ہندی و فارسی و عرب کلچر کی لطافتیں بڑی خوش آہنگی سے پروئی ہوئی تھیں جو مندرجہ بالا شعر سے ظاہر و باہر ہے۔

فاضل بریلوی کے کلام میں تغزل و خیالات میں بلندی ہے۔ فاضل بریلوی کا کلام فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی، تشبیہات و استعارات، جدت و ندرت، صنائع و بدائع سے لبریز لذیذ جام، ترجمانی قرآن و حدیث کا حسین و جمیل پیکر ہے۔ قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''**والضحیٰ والیل اذا سجی**'' دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے ''**لا اقسم بھذا البلد**''۔

فاضل بریلوی نے کچھ اس طرح اس کی ترجمانی کی ہے:

''ہے کلام الٰہی میں شمس وضحیٰ
تیرے چہرۂ نور افزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا
کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم
وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا
نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا
ترے شہر و کلام و بقا کی قسم''

فاضل بریلوی اپنے دور کے اردو شعراء میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے کیونکہ فاضل

بریلوی کی فکری بلندیوں، خیال کی وسعتوں، جذبات واحساسات کی سرمستیوں کا یہ عالم تھا کہ وہاں دوسرے اردو شعراء دور دور تک بھٹکتے ہوئے بھی نظر نہیں آتے اور اس امتیازی حیثیت کا (بطور فضل خدا) یوں اظہار فرماتے ہیں جس کا داغ دہلوی نے بھی اقرار کیا ہے:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شاعری میں تخیل کی عظمت، نظر کی وسعت، فکر کی رفعت، ترجمانی حقیقت کے ساتھ زور اثر بھی پایا جاتا تھا، فرماتے ہیں:

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے
کہہ لے گی سب کچھ ان کے ثنا خوانوں کی خامشی
چپ ہو رہا ہے کہہ کے میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

فاضل بریلوی کے اشعار میں سوز وگداز، کیف وجذب، جوش بیان، پاس شریعت غرض کہ آپ کے کلام میں ہر طرح سے حسن صوری ومعنوی بدرجہ اتم موجود ہے۔ فاضل بریلوی کے نعتیہ کلام کو جام کوثر کہا جائے تو بجا ہوگا اس لیے کہ جنتی جام کوثر کو جب جب نوش کریں گے تو ہر مرتبہ اس جنتی کو جام کوثر کی نئی اور الگ الگ لذتوں کا احساس ہوگا بالکل اسی طرح فاضل بریلوی کے کسی ایک کلام کو کسی محفل میں بار بار پڑھا جاتا ہے تو فاضل بریلوی کا کلام ہر بار ایک نیا وجد وسرور سامعین کے قلب وجگر میں پیدا کرتا ہے اور مجمع عشق نبی میں سرشار ہو جاتا ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے اشعار کے اندر جو کیف وسرور ہے خود اس کے متعلق بطور تحدیث نعمت ارشاد فرماتے ہیں:

"یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں
کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ
مجھے شوخی طبع رضا کی قسم"

کسی موقع پر حفیظ جالندھری نے آپ کی لکھی ہوئی نعت پاک سماعت کی تو کچھ اس طرح اپنا اظہار خیال پیش کیا تھا ''یہ تو کوئی استاذ الاساتذہ معلوم ہوتے ہیں۔ شاعری اسی کا نام ہے۔'' فاضل بریلوی کا مندرجہ بالا مقطع کوئی شاعرانہ تعلی نہیں ہے بلکہ حقیقت واقعہ کا عکاس ہے کیونکہ آپ نے طبع آزمائی ہزلیات ولغویات سے بہت دور رہ کر تمام اصناف میں کی ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے عام شاعروں کی طرح کبھی بھی دنیوی حاکموں کی تعریف میں کوئی شعر نہیں کہا بلکہ فاضل بریلوی کا خاص موضوع عشق رسول تھا۔ ایک مرتبہ نانپارہ کے حاکم کی شان میں قصیدہ لکھنے کو کہا گیا تو آپ نے عشق رسول میں ڈوب کر کچھ اس طرح فرمایا:

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

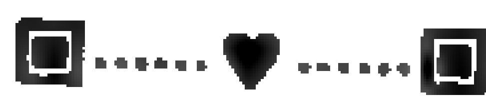
وہ ایک دور تھا جب آپ انقلاب برپا کر رہے تھے۔ زور بیان الفاظ کی سحر کاری، جدت مضامین، افکار کی نزاکت، تخیل کی پرواز ان کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا۔ ان کی ذات اپنوں کے لیے ریشم سے بھی زیادہ ملائم اور غیروں کے لیے شمشیر برہنہ تھی لیکن واحسرتا عظیم المرتبت شخصیت اب ہمارے درمیان نہ رہی۔ دنیا کی یہ ریت ہے کہ جب کوئی کلی کھلتی ہے تو خزاں اسے تاڑ لیتا ہے۔

پژمردگی گل پہ ہنسی جب کوئی کلی
آواز دی خزاں نے کہ تو بھی نظر میں ہے

مگر کسی کو کیا پتا کہ وہ مایۂ ناز مفکر و مدبر، محرر و مصلح 1340ھ، 1921ء میں 25 صفر المظفر کو جس وقت پورا ملک ہفتہ کی عید یعنی نماز جمعہ ادا کرنے میں مشغول تھا کہ امام احمد رضا نے تمام عقیدت مندوں کو چھوڑ کر پیغام الٰہی پر لبیک کہتے ہوئے بارگاہ خداوند قدوس میں حاضری دی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

عاشق خاتم الانبیاء کہوں تجھے
واصف خیر الوریٰ کہوں تجھے



ڈاکٹر فرمان فتح پوری

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ شاعری

حقیقت یہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری بنیادی طور پر فلسفیانہ موشگافیوں یا علم وفن کی بھول بھلیوں کی شاعری نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات وصفات سے گہری وابستگی اور شدید جذباتی لگاؤ کی شاعری ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری پر معصومیت، شیفتگی، سادگی اور عاشقانہ سرمستی کی جو چاندنی چھٹکی ہوئی ہے اور یہ چاندنی قاری کے درونِ خانہ میں جس قسم کا مدوجزر پیش کرتی ہے وہ بے سبب نہیں ہے۔ جذبات اپنے اظہار وابلاغ میں کسی خاص قسم کی لغات، تراکیب اور استعارات کا سہارا نہیں لیتے بلکہ فطری انداز میں روزمرہ کی زبان میں انتہائی سادگی سے خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں۔

حقیقی جذبہ، خواہ اس کا تعلق محبت سے ہو یا نفرت سے، خوف سے ہو یا جستجو سے، غم سے متعلق ہو یا خوشی سے، مصنوعی سہاروں کا محتاج نہیں ہوتا۔ اپنے نمود واظہار کی راہ خود پیدا کر لیتا ہے بلکہ بعض اوقات تو جذبے کے اظہار کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آدمی کے چہرے بشرے، رفتار، حرکات وسکنات اور نشست وبرخاست سے جذبات خود بخود نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس لیے گہرے اور سچے جذبات کی عشقیہ شاعری خواہ اس کا تعلق مجاز سے ہو یا حقیقت سے، اپنی تفہیم ترسیل سے کسی لغت یا شرح کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ خود بخود عام وخواص ہر قسم کے قاری اور سامع کے ذہن وقلب میں اتر جاتی ہے۔ مجازی سطح پر اردو شاعری کی تاریخ میں میر تقی میر کی عشقیہ شاعری اس کی ایک واضح مثال ہے۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور نعت گوئی کے حوالے سے یہی صورت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی شاعری کی ہے۔ جس طرح ان کے جسم کا رواں رواں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت سے سرشار ہے، اسی طرح ان کی نعتیہ شاعری کا ایک ایک لفظ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ڈوبا ہوا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے گہرے

جذباتی لگاؤ کا مظہر ہے۔ اس لیے حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری جتنی زیادہ سادہ ہے، اتنی ہی زیادہ پرکار ہے اور اپنے قاری اور سامع کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی۔ رئیس المتغزلین مولانا حسرت موہانی خود عاشقانِ رسول میں سے تھے۔ انھوں نے اچھے شعر کے متعلق حکم لگایا ہے کہ:

شعر در اصل ہیں وہی حسرت
دل میں سنتے ہی جو اتر جائیں

'مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری اس معیار پر پوری اترتی ہے کہ جو شخص ان کے اشعار سنتا ہے سر دھنتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ اپنے ذوقِ سخن کا مذاق اڑاتا ہے۔

عاشقانہ جذبات کے اظہار میں سادگی اور پاکیزگی کا جو رچاؤ شروع سے آخر تک حضرت رضا بریلوی کے مجموعۂ نعت "حدائق بخشش" میں نظر آتا ہے وہ اردو کے دوسرے نعت گوشعرا کے یہاں بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ ان کے یہاں غزل کے پیرائے میں لمبی لمبی نعتیں ملتی ہیں اور بعض نعتوں میں بڑی مشکل زمینوں اور ردیفوں میں طبع آزمائی کی گئی ہے۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا تیز دھارا سنگلاخ زمینوں کو چیرتا ہوا اس طرح گزر گیا ہے کہ شادابی اور زرخیزی کے جو آثار مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی ان نعتوں میں پیدا ہو گئے ہیں وہ دوسروں کے ہاں نرم اور ہموار زمینوں میں بھی نظر نہیں آتے۔ میری مراد ایسی نعتوں سے ہے جن میں بعض کے مطلعے اس انداز کے ہیں کہ:

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

......

عارضِ شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں

......

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پَر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

......

یادِ وطن ستم کیا دشتِ حرم سے لائی کیوں
بیٹھے بٹھائے بد نصیب سر پہ بلا اٹھائی کیوں

......

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

ان زمینوں میں اچھے شعر کہنا وہ بھی نعت میں، جس میں قدم اٹھانا بقول عرفی تلوار کی دھار پر چلنا ہے، ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس میں وہی کامیاب ہوسکتا ہے جسے توفیقِ الٰہی میسر ہو اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرشاری و سرمستی کے ساتھ زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت بھی رکھتا ہو۔

برصغیر پاک و ہند کے علمائے دین میں بڑے بڑے صاحب علم و دانش اور علوم دینی و دنیوی کے فاضل گزرے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو ایک معتبر و متبحر عالم و فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ صف اوّل کا شاعر بھی ہو، یا جس نے نعت گوئی میں کوئی ممتاز مقام پیدا کیا ہو۔ اس اعتبار سے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی شخصیت بالکل منفرد اور یکتا ہے۔ برصغیر کے ایک ایسے جید عالم ہیں جن کا حلقۂ اثر دوسرے علماء کے مقابلے میں سب سے بڑا ہے اور ایک ایسے نعت گو شاعر ہیں جن کی نعتیں نہ صرف یہ کہ سب سے زیادہ مقبول ہیں بلکہ ان کی شاعری اس پایہ کی ہے کہ ان کا نام صرف اردو کے ممتاز ترین شاعروں کے نام کے ساتھ لیا جانا چاہیے۔

جہاں تک خالص نعتیہ شاعری کا تعلق ہے اردو میں جو قبول عام مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی شاعری کو ملا کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ ان کے ہم عصروں میں محسن کاکوروی کا نام یقیناً ایسا ہے جن کا معیارِ نعت گوئی کم و بیش وہی ہے جو رضا بریلوی کی نعتوں کا ہے۔

لیکن محسن کاکوروی کے مجموعۂ نعت میں سے صرف ایک ''قصیدہ لامیہ'' اور ایک ''مثنوی ابرِ کرم'' ہی کو مقبولیت حاصل ہوسکی۔ ان نظموں سے بھی صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ ہی متعارف ہے۔ بات یہ ہے کہ ان میں زبان و بیاں کے سلسلے میں علامات و استعارات کا جو اہتمام اور معیار پیش نظر رکھا گیا ہے اس سے خاص خاص لوگ ہی لطف اٹھا سکتے ہیں۔

اس کے برعکس حضرت رضا بریلوی کی نعتیں اپنی مخصوص محفلوں سے لے کر سیرت

النبی کے عام جلسوں تک بڑے ذوق وشوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا با ذوق مسلمان ہوگا جسے رضا بریلوی کی کے مندرجہ ذیل نعتوں کے دو چار شعر نہ یاد ہوں۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

......

لم یأت نظیرک فی نظر مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

......

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

......

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

......

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

......

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

نعتیہ غزلوں سے قطع نظر مولانا احمد رضا خاں صاحب کے سلام جس کا مطلع ہے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

کو بھی غیر معمولی مقبولیت حاصل ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ اکبر وارثی میرٹھی کا سلام

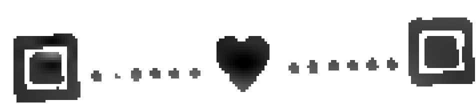
یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک

یا حبیب سلام علیک
صلوٰۃ اللہ علیک

بھی حد درجہ شہرت رکھتا ہے۔ عورت، مرد، بچے، جوان بھی اسے بلند آواز سے پڑھنا پسند کرتے ہیں لیکن اس کے بعد اگر کسی سلام کو قبولِ عام کا درجہ ملا ہے تو مولانا احمد رضا صاحب کا سلام ہے۔

حفیظ جالندھری کے شاہنامے کا ایک ٹکڑا جس میں ولادتِ نبوی کا ذکر ہے اور ماہر القادری کی نظم "حدیث قدسی" جس میں آں حضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجا گیا ہے، کو بھی خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ بہت دنوں تک وہ ہر محفل اور ہر جلسے میں پڑھے گئے۔ لیکن نہ جانے کیوں جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ان کی مقبولیت کم ہوتی گئی۔ اب وہ کسی محفل میں شاذ ہی سننے میں آتے ہیں۔

اس کے برعکس مولانا احمد رضا خان صاحب کا سلام اگرچہ ڈیڑھ سو سے زائد اشعار پر مشتمل ہے اور حفیظ جالندھری اور ماہر القادری کے سلاموں سے قدیم تر اور طویل تر ہے، پھر بھی آج تک بڑے اہتمام اور کثرت سے پڑھا جاتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس کی مقبولیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب ممتاز ترین نعت گو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ مقبول ترین نعت گو شاعر بھی ہیں۔



مصباح احمد صدیقی (گھیر مناف امروہہ، یوپی)

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی
حدائق بخشش کے آئینے میں

برصغیر ہند و پاک کی سرزمین ایسی مردم خیز زمین ہے جہاں ہر ہر فن کے عالم، اپنے وقت کے امام ہوئے ہیں، ایسی ہی ایک کثیر الجہات ذات گرامی حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ (متوفی 25 /صفر 1340ھ 1921ء) کی تھی جنھوں نے علوم معقول و منقول میں اپنے قلم جوہر رقم سے وہ درِ نایاب اپنی یادگار چھوڑے جو آج بھی ان کی عظمت و رفعت سے دل و جان کو روشن کرتے ہیں۔ مولانا موصوف حدیث و تفسیر، کلام وفقہ، اُصول معانی و بیان، تاریخ ،فن اسماء الرجال ،جغرافیہ، علم حساب، منطق وفلسفہ، علم ہیئت، فن تعبیر الرویا، سخن سنجی وسخن گوئی غرض ہر فن میں ایک شانِ امتیاز رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں ایسے قادر الکلام استاد شاعر تھے کہ جو اظہار بیان اور زبان پر قدرت کے لحاظ سے اپنے دور کے تمام شعراء میں ممتاز مانے جاتے تھے۔ بالخصوص نعتیہ ادب کے فروغ و ترویج میں فاضل بریلوی کا بڑا ہاتھ ہے۔ ان کا نعتیہ مجموعہ کلام ''حدائق بخشش'' زبان و بیان کی استادانہ قدرت، شاعرانہ چابکدستی کے ساتھ ساتھ عظمت و کمالات آقائے نامدار کا ایک بہترین شاہکار ہے۔

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی پیدائشی طور پر ایک شاعرانہ رچا بسا ذہن و مزاج لے کر پیدا ہوئے تھے بلکہ شعری اصطلاح میں وہ ایک ''وہبی'' شاعر تھے مگر انھوں نے شاعری کی دیگر اصناف کی طرف توجہ کرنا محض دنیا داری اور تضیع اوقات جانا۔ صرف اور صرف اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف کو ہی وسیلہ نجات بنایا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

کروں مدح ذوِل رضا، پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرادین پارۂ ناں نہیں

اس لیے مولانا کی نعتیہ شاعری عشق و محبت اور عقیدت رسول اکرم ﷺ کا وہ جیتا

جاگتا شاہکار ہے کہ جس کے ایک ایک لفظ میں ذوق و شوق، سوز و گداز اور کیفیاتِ سرمدی کا شعری حدود و قیود کے ساتھ ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی تمام زندگی محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گزری۔ انھوں نے نعت گوئی کے ذریعہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ہر ادا پر جان نثار کی اور اپنے محبوب آقاؐ کے حسن و جمال، زلف و رخسار، خدوخال، سیرت و کردار و گفتار کے ایسے والہانہ اور سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے انداز میں تعریف و توصیف کی ہے جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے کہ وہ کس طرح عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمندر میں غوطہ زن رہتے ہیں۔ اس پر خوبی یہ کہ کہیں بھی ادب و تعظیم سے سرِ مو انحراف نہیں کیا یعنی حدود شریعت کا پوری طرح لحاظ رکھا ہے۔

قبر کی تنگی و تاریکی کے بارے میں بہت سی احادیث کتب حدیث میں وارد ہوئی ہیں۔ انھیں کے پیش نظر مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سُنی تھی چراغ لے کے چلے

ایک دوسری جگہ آپ کس طرح اپنے محبوب آقاؐ کے حسن و جمال کا ذکر کرتے ہیں، دیکھیے:

وہ کمال حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور سہل ممتنع کی ایک بہترین مثال دیکھیے۔

حسن تیرا سا نہ دیکھا نہ سنا
کہتے ہیں اگلے زمانے والے

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی اُردو زبان و ادب کے ان چند باکمال نعت گو شعراء میں ہیں جنھوں نے نعت گوئی کا ایک اعلیٰ، صاف ستھرا اور پاکیزہ رجحان بخشا اور آپ کے بعد اکثر شعرائے اردو نے ان کی روش و تقلید میں اچھی نعتیں کہی ہیں۔ ان کی نعت گوئی کے اثر سے ایک منفرد نعتیہ دبستان وجود میں آیا اور آج بھی آپ کی نعت گوئی کا سلیقہ عاشقان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مشعل راہ کا کام دیتا ہے۔ ''حدائق بخشش'' کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس درجہ محبت و عقیدت اور شیفتگی تھی کہ لحہ لحہ علمی و دینی مصروفیات کے باوجود ان کا قلم معجز رقم کیسے کیسے آبدار

موتی نعتیہ سرمایہ میں اضافہ کرتے رہے ہیں۔ تبحر علمی، شائستگی و شیفتگی، زور بیان، فصاحت و بلاغت اور محبت و عقیدت کے جذبات ان کی نعتوں میں اس طرح رچ بسے ہیں جن کی مثال دوسری جگہ کم ہی ملتی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے ایک شارح علامہ محمد فیض احمد اویسی نے ''الحقائق فی الحدائق'' کی جلد چہارم میں بہت ہی خوبصورت اور عالمانہ انداز میں مولانا کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

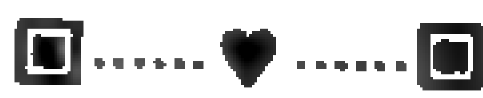
''آپ کا مجموعہ نعت ''حدائق بخشش'' نہ صرف عشق حبیب کی شعری تصویر ہے بلکہ نعت حبیب کا وہ مشرق ہے جس سے آفتابِ عرب (حضرت محمدؐ) کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں جو آنکھوں کے راستے دل میں اتر کر کائنات حیات کو منور کر دیتی ہیں۔ سوز و درد اور جذب و اثر نے الفاظ کو گویا زبان دے دی ہے اور وہ کوئے حبیب کی حدیث عشق سنا رہے ہیں۔ یہ خصوصیت، یہ انداز بیان، یہ سلیقۂ نعت آپ کے علاوہ اور کسی کے یہاں نظر نہیں آتا۔ آپ نے الفاظ میں عشق حبیب کا وہ طلسم پھونک دیا ہے کہ مفاہیم کی پرت پرت کھولتے چلے جایئے مگر شاعر کے جذبے کی گہرائی ہاتھ نہیں آنے پاتی۔''

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعت گوئی پر اس قدر لکھا گیا ہے کہ شاید اردو فارسی کے کسی بھی نعت گو شاعر پر اتنا نہیں لکھا گیا ہوگا۔ بعض شعراء کے چند شعروں کے چند الگ الگ مصرعے اس قدر مشہور ہو جاتے ہیں کہ ان کی مثال مشکل ہے۔ جیسا کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مصرعہ

''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''

اس طرح مولانا کے بھی بہت سے مصاریع ایسے ہی مشہور ہیں اس وقت ان کے صرف ایک شعر پر اکتفا کر کے اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں، کیونکہ مولانا فاضل بریلوی پر لکھنا یا کچھ کہنا مجھ جیسے بے بضاعت کا کام نہیں تھا۔ لیکن ان کے کلام اور مولانا کی عالمانہ شخصیت نے اس درجہ متاثر کر رکھا ہے کہ میں نے اپنی تمام تر بے سروسامانی اور علمی تہی دستی کے باوجود یہ چند سطریں لکھ کر حضرت فاضل بریلوی کے عقیدت مندوں میں اپنا نام شامل کرنے کی جرأت کی۔ مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا وہ پسندیدہ شعر یہ ہے:

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے



محمد عارف رضا مصباحی (دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو یوپی)

امام احمد رضا کا سلام تأثرات کے آئینے میں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ (وفات ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) جہاں عظیم المرتبت فقیہ اور محدث تھے وہیں ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے، لیکن آپ کی تمام تر شاعری حمد ونعت اور مناقب اولیا میں محدود ہے۔ آپ کے بعض نعتیہ کلام کو بڑی مقبولیت ملی۔ جیسے ''کعبے کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں دُرود''، لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا''، ''سب سے اعلیٰ واولیٰ ہمارا نبی'' وغیرہ۔

انھیں مقبولِ عوام وخواص کلام میں آپ کا شہرۂ آفاق سلام ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' ہے۔ جو مقبولیت کی اوج ثریا تک پہنچا ہوا ہے۔ مجھے یہاں آپ کی نعتیہ شاعری پر کوئی بحث نہیں کرنی ہے بلکہ آپ کے ''قصیدۂ سلامیہ'' پر چند اہل علم کے تأثرات پیش کرنے ہیں، تاکہ اس سلام کے علمی وفنی مقام پر بھی روشنی پڑے اور اس کی مقبولیت کا بھی اندازہ ہو۔

کالی داس گپتا رضاؔ

اردو ادب کے محقق اور شاعر، کالی داس گپتا رضاؔ اپنے احساسات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''بے شک حسن بریلوی مرحوم نہایت اچھے شاعر تھے، مگر حیرت ہے کہ اس ضخیم تذکرے (یعنی خمخانۂ جاوید) میں ان کے بڑے بھائی اور عالمِ اہل سنت اور نعت گوئی میں ان کے استاذ جناب احمد رضا خاں صاحب کے تذکرے نے جگہ نہ پائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خطا اس پاکیزہ مسلک کی بھی ہے جس کے زیر اثر مولانا نے اپنی شاعری کو قطعاً نعتوں اور سلاموں تک محدود رکھا۔ اور باقاعدہ شاعری سے احتراز کیا۔ اس طرح عوام نے انھیں ایک شاعر کی حیثیت سے جانا ہی نہیں، تاہم نعتیں اور سلام میں ہی سہی ذرا غور وفکر کے بعد ان کے اشعار ایک ایسے شاعر کا پیکر دل ودماغ پر مسلط کر دیتے ہیں جو محض ایک سخن ور کی حیثیت سے

بھی اگر میدان میں اترتا تو کسی استاذِ وقت سے پیچھے نہ رہتا۔ ان کے کلام سے ان کے کامل صاحب فن اور مسلم الثبوت شاعر ہونے میں شبہہ نہیں اور ان کی نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں۔" (ص 474۔ امام احمد رضا نمبر۔ ماہنامہ المیزان ممبئی 1976ء)

پروفیسر سلیم چشتی

مولانا احمد رضا بریلوی نے سرکار ابد قرار، زبدۂ کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جو منظوم سلام پیش کیا ہے اسے یقیناً شرف قبولیت حاصل ہوگا، کیوں کہ ہندو پاک میں شاید ہی کوئی عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا ہو جس نے اس کے دو چار شعر حفظ نہ کر لیے ہوں (ایضاً، ص 562)

نظیر لدھیانوی

ہر نعت گو شاعر جب تک ایک سلام نہ لکھ لے اپنے مجموعۂ نعت کو نامکمل سمجھتا ہے۔ معراج اور درود وسلام، نعت کے ضروری مضامین ہیں۔ ان کے بغیر شاعری نامکمل رہی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے جو سلام لکھا ہے وہ اردو اور فارسی کے نعتیہ ادب میں منفرد حیثیت رکھتا ہے، یہ صرف سلام ہی نہیں اس میں حضور کا سراپا بھی بیان کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک عضو مبارک کی مدح وستائش والہانہ انداز میں کی گئی ہے اور اکثر اشعار میں زبان اور فن کی خوبیاں موتیوں کی طرح بکھری ہوئی ہیں۔ اگر مولانا احمد رضا خاں "قصیدہ شادی اسریٰ" اور اس سلام کے سوا نعت میں اور کچھ نہ کہتے، تب بھی نعتیہ ادب میں ان کا پلہ بہت بھاری تھا۔ (کلام رضا، ص 77، المجمع الاسلامی مبارک پور)

ڈاکٹر نسیم قریشی

ہادی برحق، مقتدائے انسانیت، شفیع محشر کا ذکر پاک روحانی خوشی کی ایک جوئے حیات افزا تھی کہ بہ رہی تھی۔ اس عالم کیف ومستی میں عرض نیاز، سرشاری، سپردگی، الفت و عقیدت کا ایک ترانۂ شوق تھا کہ بلند ہوا۔ ع

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

طبیعت بے اختیار وجد کر اٹھی، ذہن کے دریچے بہارِ ابد کی جاں فزا ہواؤں کے لیے کھل گئے۔ وجود کا ذرہ ذرہ سحابِ سرمدی کی سرشاریوں میں ڈوب گیا۔ کیا نغمہ، کیا نظم، کیا والہانہ سلام۔ لفظ و بیان کے پیچ وخم ہیں کہ نیاز مندی کی تہِ در تہ کیفیتوں میں مہک اٹھے ہیں حسنِ معنیٰ ہے کہ حسنِ عقیدت میں سمو کر زمزمۂ داؤدی کے پیکر میں ڈھل گیا ہے۔

(امام احمد رضا نمبر، ماہنامہ المیزان ممبئی 1976ء)

مولانا کوثر نیازی

مولانا کوثر نیازی ہندو پاک کے مشہور عالم و مفکر اور سیاسی مبصر ہیں وہ رقم طراز ہیں:

''آپ سب جانتے ہیں میں ادب کا طالب علم ہوں۔ برا بھلا شعر بھی کہہ لیتا ہوں۔ اردو فارسی عربی تینوں زبانوں کا نعتیہ کلام میں نے دیکھا ہے اور بالاستیعاب دیکھا ہے۔ میں بلا خوف تردید کہتا ہوں کہ تمام زبانوں اور تمام زمانوں کا پورا نعتیہ کلام ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام، ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' ایک طرف۔ دونوں کو ایک ترازو میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی جھکا رہے گا۔ میں اگر یہ کہوں کہ یہ سلام اردو زبان کا ''قصیدۂ بردہ'' ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ جو زبان و بیان، سوز و گداز، معارف وحقائقِ قرآن و حدیث اور سیرت کے اسرار و رموز، انداز و اسلوب اور جو قدرت و ندرت اس سلام میں ہے وہ کسی زبان کی شاعری کے کسی شہ پارے میں نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اہل قلم نے اس جانب توجہ نہیں دی، ورنہ اس کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ (امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت۔ رضا اسلامک مشن، بنارس)

ڈاکٹر فرمان پوری

مولانا (احمد رضا خاں) صاحب شریعت بھی تھے اور صاحب طریقت بھی۔ صرف نعت وسلام اور منقبت کہتے اور بڑی دردمندی و دل سوزی کے ساتھ کہتے۔ بے تکلف و برجستہ اور شگفتہ بیان ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار اور سلام سیرت کے جلسوں میں عام طور پر پڑھے اور سنے جاتے ہیں۔ ان کا سلام ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' ''شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام''۔ بہت مقبول ہوا ہے۔

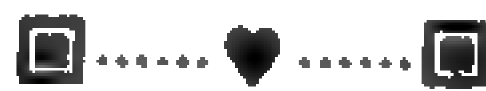
(اردو کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ص 86۔ لاہور)

پروفیسر منیر الحق کعبی

پروفیسر منیر الحق کعبی لکھتے ہیں:

سلامِ رضا ایک عظیم فن پارہ ہے جس میں جلال و جمال اپنے حسین ترین امتزاج کے ساتھ ارفع ترین صورت میں موجود ہے۔ پورے کا پورا قصیدہ ایک فنی وحدت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ سرتاسر انتخاب، کسی ایک شعر کو، کسی شعر کے ایک لفظ کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ الفاظ و معانی میں ارتباط کی ایک خوبصورت مثال۔ تشبیہات و استعارات سے جو امیجری تخلیق کی گئی ہے طبیعیات سے مابعد الطبیعیات تک دونوں کو محیط ہے۔ مجرد تصورات کی تجسیمی صورت گری بھی ہے اور جو پیکر تراشے گئے ہیں متحرک اور جاندار بھی ہیں۔ ذہن مسلسل ایک طلسماتی کیفیت میں اسیر رہتا ہے اور اس پر تقدس کی ایک فضا تا دمِ آخر مسلط رہتی ہے اور یوں مسحور و مسرور، شاعر کے ساتھ محوِ سفر رہتا ہے۔

سلامِ رضا میں خامہ رضا ابلقِ الفاظ و تراکیب پر سوار ندرتِ فکر اور جدتِ مضامین کے اقالیم سر کرتا چلا جاتا ہے۔ تشبیہات و استعارات کے لشکر اس کے آگے دست بستہ ایستادہ رہتے ہیں اور ایک پر شکوہ اسلوب، ظہور میں آتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مغلق یا مبتذل الفاظ سے فضا کو بوجھل بنا دیا گیا ہے، ایک ایک مصرع سے فصاحت و بلاغت اور سلاست و روانی ٹپک رہی ہے۔ سادگی، خلوص اور جوشِ بیان نکھر کر سامنے آ رہا ہے، اور ان سب کے پیچھے شاعر کی علمی وجاہت، یقین کی پختگی، جذبۂ محبت کی شدت اور ایمانی صداقت کام کر رہی ہے۔ (سلامِ رضا: تضمین و تفہیم اور تجزیہ از پروفیسر منیر الحق کعبی، ص 25-22، زجاج پبلی کیشنز، گجرات (پاکستان 1416ھ) دارالعلوم قادریہ چریا کوٹ، مئو، یوپی۔



محمد ناظم علی رضوی مصباحی (جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی)

امام احمد رضا خان اور علوم طبیعیات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ علم وفضل کے ایسے روشن آفتاب تھے جس کی ضو بار شعاعوں سے عالم اسلام مستنیر وفیض یاب ہو رہا ہے۔ آپ نے ریاضی وطبعی علوم کے مسائل پر ایسی بیش بہا تحقیقات پیش فرمائی ہیں جنھیں دیکھ کر ارباب علم ودانش اور اصحاب فکر ونظر ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔ آپ نے ریاضی وطبعی کے محققین علمائے فن کی بحثوں پر کلام فرمایا اور روشن دلیلوں کے ذریعہ ان کے اقوال اور ان کی پیش کردہ دلیلوں کو باطل فرمایا۔

پانی کے متعلق علمائے طبیعیات کا اختلاف ہے کہ اس کا کوئی رنگ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو سفید ہے یا سیاہ؟ یا میلا مائل بیک گونہ سواد خفیف ہے؟ بعض علما کا خیال ہے کہ پانی کا کوئی رنگ نہیں جیسا کہ فاضل احمد ابن ترکی مالکی نے مقدمۂ عشماویہ کی شرح جواہر زکیہ میں اس کی تعریف کی کہ:

"پانی ایسا لطیف بہنے والا جوہر ہے جس کا اپنا کوئی رنگ نہیں بلکہ برتن کے رنگ سے رنگ دار دکھائی دیتا ہے۔"

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس تعریف پر کلام اور وارد ہونے والے اعتراض کا جواب تحریر فرما کر رقم فرمایا:

"اور صحیح یہ کہ وہ (پانی) ذی لون (رنگ والا) ہے۔ یہی امام فخر رازی وغیرہ کا مختار ہے، جو کلام فقہا مسائل آب کثیرہ آب مطلق وغیرہما میں ذکر لون متواتر ہے۔

ابن ماجہ نے ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "بے شک پانی پاک ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں بناتی مگر وہ چیز جو پانی کی بو اور ذائقہ اور رنگ پر غالب آجائے۔" (ابن ماجہ باب الماء الذی لا ینجس، ص 40)

سنن دار قطنی میں ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم فرماتے ہیں:

''ہر پانی پاک کرنے والا ہے مگر وہ جس کا ذائقہ اور رنگ و بو مغلوب ہے۔''

(سنن دار قطنی باب الماء المتغیر 28/1)

امام طحاوی مرسلاً راشد ابن سعد سے راوی کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''پانی کو کوئی چیز نجس نہیں بناتی مگر وہ چیز جو پانی کے رنگ و بو یا ذائقہ پر غالب آجائے۔'' (شرح معانی الآثار، باب الماء یقع فیه النجاسة 18/1)

مذکورہ احادیث مبارکہ سے پانی کے ''ذی لون'' ہونے کی روشن تائید پیش کرنے کے بعد فرمایا:

''اقول اور اصل حقیقت ہے ''فلا تردالریح'' ''مع ہذا مقرر ہو چکا کہ ابصار عادی دنیوی کے لیے مرئی کا ذی لون ہونا شرط ہے بلکہ مرئی نہیں مگر لون وضیا۔ تو پانی بےلون کیوں کر ہوسکتا ہے؟ ولہذا ابن کمال پاشا نے اس کے حقیقۃً ذی لون ہونے پر جزم کیا۔''

(فتاویٰ رضویہ مترجم 237/3 رضا اکیڈمی ممبئی)

مذکورہ دلیلوں کے ذریعہ پانی کے ذی لون ہونے کی تحقیق فرما کر پانی کے رنگ میں علما کا اختلاف تحریر فرمایا کہ:

بعض علمائے طبیعیات نے یہ کہا کہ پانی کا رنگ سفید ہے۔ فاضل یوسف ابن سعید اسماعیل مالکی نے حاشیہ عشماویہ میں یہی اختیار کیا۔ اور اس پر تین دلیلیں لائے (1) اول مشاہدہ (2) دوم حدیث کہ پانی کو دودھ سے زیادہ سفید فرمایا (3) سوم برف جم کر کیسا سفید نظر آتا ہے۔

حاشیۂ مقدمۂ عشماویہ میں ہے کہ:

''(پانی کا) جو رنگ نظر آتا ہے وہ سفید ہے، اور (2) اس پر شاہد وہ حدیث ہے جس میں پانی کے بارے میں ہے کہ ''وہ دودھ سے زیادہ سفید ہے، اور (3) اس حقیقت پر یہ امر بھی دلیل ہے کہ پانی جم کر جب برف کی صورت زمین پر گرتا ہے تو اس کا رنگ انتہائی سفید نظر آتا ہے۔''

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے روشن دلیلوں کے ذریعہ اس قول کا رد فرمایا

کہ ''پانی کا رنگ سفید ہے'' جیسا کہ فرماتے ہیں:

''اقول اولاً بلکہ مشاہدہ شاہد کہ وہ سپید نہیں ولہذا آبی اس رنگ کو کہتے ہیں کہ نیلگونی کی طرف مائل ہو۔

ثانیاً: سپید کپڑے کا کوئی حصہ دھویا جائے جب تک خشک نہ ہو اس کا رنگ سیاہی مائل رہے گا یہ پانی کا رنگ نہیں تو کیا ہے؟

ثالثاً: دودھ جس میں پانی زیادہ ملا ہو سپید نہیں رہتا نیلا ہٹ لے آتا ہے۔

رابعاً: بحر اسود و اخضر و احمر مشہور، اور اسی طرح ان کے رنگ مشہور ہیں۔ اسود تو سیاہی ہے۔ اور سبزی بھی ہلکی سیاہی، ولہذا آسمان کو خضرا اور چرخ اخضر کہتے ہیں اور خط کو سبزہ۔ سانولی رنگت کو حسن سبز اور سرخی بھی قریب سواد ہے اگر حرارت زیادہ عمل کرلے سیاہ ہو جائے جس طرح بعد خشکی خون۔ گہری سرخی میں بالفعل سیاہی کی جھلک ہوتی ہے۔ انگور سبز، پھر سرخ، پھر سیاہ ہو جاتا ہے۔

خامساً: حدیث مبارک دربارۂ کوثر اطہر ہے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق پانی کا رنگ سپید ہو، اسی حدیث میں اس کی خوشبو مشک سے بہتر فرمائی۔ صحیحین میں عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''میرا حوض ایک مہینے کی راہ تک ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سپید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے بہتر ہے۔'' (بخاری کتاب الحوض 974/2)

دوسری روایت میں فرمایا: ''ابیض من الورق'' چاندی سے بڑھ کر اجلا۔ حالاں کہ پانی اصلاً بو نہیں رکھتا، خود حاشیۂ فاضل سفسطی میں دو ورق بعد ہے:

''ابن کمال پاشا نے کہا:

''پانی کی بو بدلنے والے قول میں مجاز ماننا ضروری ہے کیوں کہ اس کی اپنی کوئی بو نہیں ہے۔ لہذا اس قول سے وہ بو مراد ہے جو پانی پر طاری ہوتی ہے۔''

اس کی ضد جہنم ہے''والعیاذ باللہ تعالیٰ منھا''

جس کی آگ اندھیری رات کی طرح کالی ہے۔

مالک و بیہقی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم فرماتے ہیں:

''کیا تم اسے اپنی اس آگ کی طرح سرخ سمجھتے ہو؟ بے شک وہ تارکول سے بڑھ کر سیاہ ہے۔'' (مؤطا امام مالک۔ ماجاء فی صفۃ جہنم ص 733)

سادساً: بعد انجماد کوئی نیا رنگ پیدا ہونا اس پر دلیل نہیں کہ یہ اس کا اصلی رنگ ہے۔ خشک ہونے پر خون سیاہ ہو جاتا ہے اور مچھلی کی سرخ رطوبت سپید۔ اسی سے اس پر استدلال کیا گیا کہ وہ خون نہیں۔

سابعاً: ہوا کہ ضیا سے مستنیر ہو رہی ہے۔ جب جسم شفاف کے اندر داخل ہوتی ہے، اس کے شفاف اور اس کے چمکدار ہونے سے وہاں ایک ہلکی روشنی پیدا ہوتی ہے جس سے سپیدی نظر آتی ہے۔ جیسے موتی یا شیشے یا بلور کو خوب پیسیں تو اجزا باریک ہو جانے سے ضیا ان کے مابین داخل ہوگی۔ اور وقت فصل کے باعث ان باریک باریک اجزا اور ان میں ہر دو کے بیچ میں اجزائے ضیا کا امتیاز نہ ہوگا اور ایک رنگ کہ دھوپ سے میلا اور ان کے اصلی رنگ سے اجلا ہے محسوس ہوگا۔ یہ وہ سپیدی و براقی ہے کہ ان میں نظر آتی ہے۔ یوں ہی دریا کے جھاگ بلکہ پیشاب کے بھی حالاں کہ وہ یقیناً سپید نہیں اس کی سپیدی تو مرض ہے۔ بلکہ آئینہ میں اگر درز پڑ جائے وہاں سپیدی معلوم ہوگی کہ اب تابندہ ہوا عمق میں داخل ہوئی یہی وجہ جمی ہوئی اس کے سپید نظر آنے کی ہے کہ شفاف ہے اور اجزا باریک اور چمک دار ہوا داخل۔

ان سات دلیلوں کے بعد شفاف اجرام اور شعاع وزوایائے انعکاس کا قاعدہ تفصیل سے ذکر فرما کر آٹھویں دلیل ذکر کی جس کا حاصل یہ کہ:

''برف کے باریک متصل اجزا کہ شفاف ہیں نظر کی شعاعوں کو انھوں نے واپس دیا۔ پلٹتی شعاعوں کی کرنیں ان پر چمکیں۔ اور دھوپ کی سی حالت پیدا کی جیسے پانی یا آئینے پر آفتاب چمکے۔ اس کا عکس دیوار پر کیسا سفید براق نظر آتا ہے۔''

اس کے بعد یہ ذکر فرمایا کہ بعض علما نے پانی کا رنگ سیاہ بتایا اور اس پر اس حدیث سے سند لائے کہ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا:

''اے میرے بھانجے، خدا کی قسم! ہم ایک ہلال دیکھتے پھر دوسرا پھر تیسرا دو مہینوں میں تین چاند اور کاشانۂ نبوت میں آگ روشن نہ ہوتی۔ عروہ نے عرض کی: اے خالہ! پھر اہل

بیت کرام مہینوں کیا کھاتے تھے؟ فرمایا: بس دو سیاہ چیزیں چھوہارے اور پانی''۔
(بخاری کتاب الھبہ 342/1 کراچی)

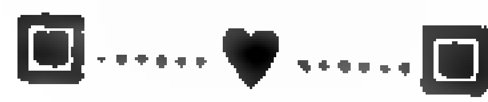
اس کے بعد فرمایا: احادیث اور عربوں کے کلام میں یہ مضمون بکثرت موجود ہے۔
سفسطی نے ام المومنین کی مذکورہ مضمون کی حدیث ذکر کر کے کہا:
''اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھجور کو غالب قرار دے کر پانی کو سیاہ فرمایا کیوں کہ کھجور خوراک ہے اور پانی مشروب ہے اور خوراک کو مشروب پر فضیلت ہونے کی وجہ سے کھجور کو پانی پر غلبہ ہے، یا (2) اس لیے پانی کو سیاہ فرمایا کہ اس وقت ان کے پانی والے برتن گہرے رنگ دار ہونے کی بنا پر غالب طور پر سیاہ ہوتے تھے۔

سفسطی کی ذکر کردہ دلیل پر کلام فرما کر ارشاد فرمایا:
اولاً: اَقول تغلیب کا حکم مجازاً ہے جب تک پانی کا سیاہ نہ ہونا دلیل سے ثابت نہ ہو اس مجاز (تغلیب) پر حمل نہ ہوگا۔ اور

ثانیاً: تغلیب کا عمل ناموں میں جاری ہوتا ہے جیسے قمرین (چاند وسورج) اور عمرین (عمر فاروق اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) متضاد اوصاف میں تغلیب کا حکم جاری نہیں ہوتا کہ جید اور ردی کو ''جیدان'' اور طویل وقصیر کو ''طویلان'' اور عالم و جاہل کو ''عالمان'' کہا جائے۔ کیا گوشت کھانے اور پانی پینے والے کو یہ کہنا مناسب ہوگا وہ صرف احمران (دو سرخ) ہیں۔ یا کھجور اور دودھ تناول کرنے پر یہ کہنا مناسب ہوگا وہ صرف اسودان (دو سیاہ) ہیں۔
ثالثاً: تم نے خود کہا ہے کہ جب پانی سبز برتن میں رکھا جائے تو سبزی پانی کو نہیں لگتی تو اسی طرح مشکیزہ کا سیاہ رنگ ہو تو اس میں پانی کو کیوں کر سیاہ کہا جا سکتا ہے؟ بغیر دلیل مجاز (حکم تغلیب) کیوں کر ہو سکتا ہے؟

ان تمام اقوال اور ان کی دلیلوں پر روشن کلام فرمانے کے بعد خاتمۂ بحث میں فرمایا:
''اَقول حقیقت امر یہ ہے کہ پانی خالص سیاہ نہیں مگر اس کا رنگ سپید بھی نہیں۔ میلا مائل بیک گونہ سواد خفیف ہے اور وہ صاف سپید چیزوں کے بمقابل آکر کھل جاتا ہے جیسا کہ ہم نے سفید کرتے کا ایک حصہ دھونے اور دودھ میں پانی ملانے کی حالت بیان کی۔''
(فتاویٰ رضویہ 245,244/2 رضا اکیڈمی ممبئی)

بنظرِ اختصار صرف ایک شہادت قارئین کی خدمت میں پیش ہے جو عاقل و ذی فہم، منصف مزاج و صائب الرائے اور دیانت دار کے لیے کافی ہے۔ عالم اسلام میں آج امام احمد رضا کی شخصیت محض ایک مولوی اور فاضل کے دائرہ میں محدود نہیں بلکہ آپ کی شخصیت کے ہمہ جہت مطالعہ نے یہ روشن کر دیا ہے کہ امام احمد رضا کی شخصیت ہمہ جہت شخصیت ہے۔ آپ فقیہ اسلام، عظیم محدث، جلیل الشان مفسر اور محقق اجل ہونے کے ساتھ ساتھ طبیعیات و ریاضیات وغیرہ علوم وفنون میں بھی کامل دسترس اور دستگاہ تام رکھتے ہیں۔



محمد حنیف خاں رضوی مصباحی (جامعہ نوریہ بریلی شریف)

امام احمد رضا اور علم جفر

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی ذات گرامی علم وفضل کے ہر میدان میں عبقری نظر آتی ہے۔ آپ جس علم وفن پر قلم اٹھاتے ہیں خواہ وہ علوم نقلیہ ہوں یا عقلیہ ہر فن میں امامت کے درجہ پر فائز نظر آتے ہیں، آپ کی ہر تصنیف علوم ومعارف کا موجیں مارتا دریا اور لہریں لیتا سمندر ہے۔ کلام وبیان میں ایجاز واختصار کی خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں اور ساتھ ہی رطب ویابس سے منزہ آپ نے پچاس سے زیادہ علوم میں اپنی یادگار تصانیف قوم وملت کو عطا فرمائیں۔

مجتلی العروس و مراد النفوس علم جفر وجامعہ میں سیدنا اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کی ایک شاہکار تصنیف ہے، اس کتاب کا سبب تصنیف آپ نے خود یوں تحریر فرمایا ہے کہ:

''مدینہ منورہ سے ایک فاضل سید حسین بن مرحوم علامہ سید عبدالقادر طرابلسی مدنی خطیب میرے پاس اس علم کی اور دوسرے علوم کی تحصیل کے لیے تشریف لائے اور مجھ سے نہایت اصرار کیا۔ چونکہ سادات کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے نسبت رکھتے تھے لہٰذا میں نے ان کی فرمائش کے احترام میں ان کے لیے اسی علم سے اجازت طلب کی جو اس علم کی تعلیم کے لیے ضروری ہے۔ لہٰذا میں خواب میں حضور نبی کریم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوا اور دیکھا کہ آپ اپنے فرزند کو ایک کتاب عطا فرما رہے ہیں۔ اس بابرکت خواب سے میں نے جان لیا کہ ان کے لیے اس علم کی اجازت ہے۔ لہٰذا میں نے اس فن کے بعض قواعد املا کرائے اور ان کی مشق کرائی، جب ان قواعد کی مشق ہوگئی تو یہ مختصر کتاب ''مجتلی العروس و مراد النفوس'' تحریر کی جس کا سنہ تالیف (1328ھ) ہے۔

پھر اس علم کا قدرے تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

''علم جفر کی تعریف جو اس فن کے امام شیخ اکبر محی الدین بن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی اس طرح ہے کہ: علم جفر وہ علم ہے جس میں حروف مفردہ سے اس حیثیت سے

بحث ہوتی ہے کہ وہ مستقل طور پر حوادث غیبیہ پر دلالت کرتے ہیں۔ یا یوں تعریف ہو: وہ علم جس کے ذریعہ ایسے قوانین کی معرفت حاصل ہو جن کے ذریعہ حروف مفردہ میں تصرفات سے ان پوشیدہ علوم کا استخراج ممکن ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے ان میں ودیعت فرمایا ہے جن کی دلالت مغیبات پر مستقل طور پر ہوتی ہے، اور اس علم کا موضوع حروف ہیں اس حیثیت سے کہ مستقل دلالت کی بنا ہیں"۔

پھر اس علم کی وضع اور اس علم کے سلف سے منقول ہونے کا بیان تفصیلی طور پر ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ اس طرح ہے:

یہ علم علوم انبیائے کرام علیھم التحیۃ والسلام سے ہے جو ان نفوس قدسیہ سے نقل ہوتا ہوا امیر المومنین مولی المسلمین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تک آیا، یعنی اس علم خاص میں آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث و جانشین ہیں، پھر آپ سے ائمہ اہل بیت اطہار میں نقل ہوتا رہا، خاص طور پر سیدنا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فن میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیمات کو قلم بند فرمایا اور ایک کتاب تصنیف کی۔

پھر اس علم میں ائمہ فن کی تحقیقات و تدقیقات اور ان پر آپ (اعلیٰ حضرت) کی تنقید کی تصریحات ہیں جن کو پڑھ کر ان کی خوبیوں کا اندازہ اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔ اس علم میں آپ کا مقام و مرتبہ کتنا بلند تھا اس کا اندازہ خود امام احمد رضا قدس سرہ کے ملفوظات سے لگایا جا سکتا ہے، ملفوظات حصہ دوم میں ارشاد فرماتے ہیں:

میں نے یہ بھی خیال کیا کہ یہ شہر کریم (مکہ مکرمہ) تمام جہان کا مرجع و ملجا ہے اہل مغرب بھی یہاں آتے ہیں ممکن کہ کوئی صاحب جفرداں مل جائیں کہ ان سے اس فن کی تکمیل کی جائے، ایک صاحب معلوم ہوئے کہ جفر میں مشہور ہیں۔ نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ مولانا عبدالرحمٰن دہان حضرت مولانا احمد دہان مکی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ میں نام سن کر اس لیے خوش ہوا کہ وہ اور ان کے بڑے بھائی صاحب مولانا اسعد دہان کہ اب قاضی مکہ معظمہ ہیں مجھ سے سند حدیث لے چکے ہیں میں نے عبدالرحمٰن کو بلایا، وہ تشریف لائے اور کئی گھنٹے خلوت رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاعدہ جو ان کے پاس ناقص تھا قدرے اس کی تکمیل ہو گئی۔

اسی کے قریب واقعہ سرکار مدینہ طیبہ میں واقع ہوا، وہاں بھی ایک صاحب عبدالرحمٰن نام ہی کے ملے، وہ عبدالرحمٰن دہان عربی مکی ہیں اور یہ عبدالرحمٰن آفندی ترکی شامی، کئی روز

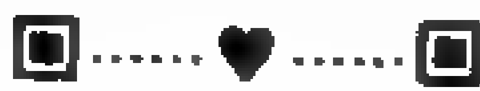
متصل تشریف لاتے اور دیر تک بیٹھ کر چلے جاتے ہجوم حضرات اہل علم و معززین کے سبب انہیں بات کا موقع نہ ملتا، ایک دن میں نے ان سے غرض پوچھی، کہا تنہائی میں کہوں گا۔ دوسرے دن ان کے لیے وقت نکالا، کہا میں جفر میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے فرمایا یہاں نہ میرا اب زیادہ قیام ہے نہ تیرا، میں خاص اس کی تحصیل کو تیرے پاس ہندوستان آؤں گا۔ وہ تو نہ آئے مگر مولانا سید حسین مدنی صاحب زادۂ حضرت مولانا سید عبدالقادر شامی مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے اور چودہ مہینے فقیر خانہ پر قیام فرمایا اور یہ علم اور علم اوفاق و تکسیر سیکھے۔ انہیں کے لیے میں نے اپنا رسالہ "**اطائب الکسیر فی علم التکسیر**" زبان عربی میں املا کیا، یعنی میں عبارت زبانی بولتا اور وہ لکھتے جاتے اور اسی لکھنے میں اسے سمجھتے جاتے۔ علم جفر میں اتنی دستگاہ ہوگئی تھی کہ پانچ سوالوں میں دو کا جواب صحیح نکال لیتے کہ ان کے لیے میں نے اس علم سے اجازت تعلیم کا سوال پہلے کرلیا تھا اور جواب ملا کہ ضرور بتاؤ کہ یہ اسی کے واسطے اتنی دور سے سفر کر کے آئے ہیں، اگر چند مہینے اور رہتے تو امید تھی کہ سب جواب صحیح نکالنے لگتے۔ میں نے جو جداول کثیرہ اس فن کے ترک کا قصد کرلیا تھا اس فن کی تکمیل جلیل کے لیے اپنی طبع زاد ابجاد کی تھیں رخصت کے وقت انہیں نذر کردیں کہ خود اس فن کے ترک کا قصد کرلیا تھا جس کی وجہ سوالوں کی کثرت سے لوگوں کا پریشان کرنا تھا۔

ملفوظات میں مذکور ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اسی قسم کے طوفان بے تمیزی کے سبب میں نے قصد کرلیا کہ اگر یہ جواب غلط ہوگیا تو اس فن پر اتنی محنت کروں گا کہ باذنہ تعالیٰ پھر غلطی نہ ہو۔ یہ علم تمام علوم سے مشکل تر اور سکھانے والے مفقود اور اکابر مصنفین کو کمال اخفا مقصود۔ جو علوم ظاہر ہیں اور مصنفین و معلمین ان کا اعلان چاہتے ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ کتاب کچھ کہتی ہے اور ناظر کچھ سمجھتا ہے۔ تو اس علم میں ناظر کی غلط فہمی کیا تعجب ہے اور وہ بھی مجھ جیسے کے لیے جس نے نہ کسی سے سیکھا، نہ کوئی مشورہ و مذاکرہ کرنے والا ملا۔ صرف ایک قاعدہ "ہدوح بلن" کہ مزدوجات سے ہے، والا حضرت عظیم البرکت حضرت سیدنا سید شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہ العزیز نے بارہ سو چورانوے (1294ھ) میں تذکرہ تعلیم فرمایا تھا۔ اس کے بعد جو کتابیں اس فن کے نام سے مشہور و رائج ہیں ان کی نسبت اسی فن سے سوال کیا اس نے ان پر نہایت تشنیع کی اور کہا کہ یہ سب مہمل و باطل اور جلانے کے قابل ہیں۔ صرف دو کتابوں کی مدح کی جو ان سب رائج کتابوں سے جدا ہیں، ان میں ایک حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی تصنیف ہے۔ وہ دونوں کتابیں مولیٰ عزوجل نے مجھے بہم کرادیں، انہیں مطالعہ کیا، جہاں تک بزور مطالعہ انکشاف ہوا اور جہاں مطلب حضرات مصنفین نے ذہن میں رکھا تھا اس کی نسبت جتنا قاعدہ معلوم ہولیا تھا اس سے سوال کیے، اس نے مطلب بتایا، ایک قاعدہ اور حل ہوا، اب جو آگے الجھا اس سے پوچھا اس نے بتایا اور حل ہوا، اس طور پر اس فن کی قدرے ابجد معلوم ہوئی۔ میری کتاب "سفر السفر عن الجفر بالجفر" انہیں مباحث میں ہے جس میں ساٹھ سوال جواب میں، یعنی جفر سے جفر کو واضح کرنے کی کتاب۔ اس نے ایک دوسرے علم زایرچہ کے ایک عظیم سرمکتوم کو بھی واضح کیا جس کی نسبت حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ زایرچہ میں ہے کہ زمانہ سیدنا شیث علیہ الصلوۃ والسلام سے اس راز کے اخفا کا حلفی عہد ہے۔ رسائل فن میں نہایت غامض چیستاں کی طرح اس کے بارہ پتے دیے گئے ہیں، ازاں جملہ یہ کہ خاتم آدم میں ہے، میں نے اس کی نسبت بھی اس پہلے قاعدہ جفر سے سوال کیا اس نے روشن طور پر بتا دیا۔ اب جو ان بارہ پہیلیوں کو دیکھوں تو سب خود بخود منکشف ہوگئیں۔ میرے جی میں آیا کہ کچھ اس فن کی طرف بھی توجہ کروں کہ اس کا راز پنہاں تو کھل ہی گیا ہے۔ اس پر اقدام کا ائمہ فن نے یہ طریقہ رکھا ہے کہ چند روز کچھ اسمائے الٰہیہ تلاوت کیے جاتے ہیں۔ مدت موعود میں خوش نصیب بندہ بکرم اللہ تعالیٰ زیارت جمال آرائے حضور انور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوتا ہے، اگر سرکار اقدس سے اس فن میں اشتغال کا اذن ملے مشغول ہو ورنہ چھوڑ دے۔ میں نے وہ اسمائے طیبہ تلاوت کیے، پہلے ہی ہفتہ میں سرکار کا کرم ہوا جس کا میں پہلے شاید ذکر بھی کرچکا ہوں اس سے اذن کا استنباط ہوسکتا تھا مگر میں نے ظاہر پر محمول کر کے ترک کردیا۔ غرض جفر سے جواب جو کچھ نکلے گا ضرور حق ہوگا کہ علم اولیائے کرام کا ہے، اہل بیت عظام کا ہے، امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے۔ مگر اپنی غلط فہمی کچھ اچنبھا نہیں تو اگر یہ جواب غلط گیا کافی محنت کروں گا اور صحیح اترا تو اس فن کا اشتغال چھوڑ دوں گا کہ آئے دن سوالوں کی محنت اور الٹے اعتراضوں کی دقت کون سہے؟ جواب بحمد اللہ تعالیٰ پورا صحیح اترا اور میں نے اشتغال چھوڑ دیا۔ (ملفوظات حصہ دوم ص 33)

اس فن پر امام احمد رضا قادری بریلوی کی اس معرکہ آرا تصنیف **مجتلی العروس و مراد النفوس** کے قلمی نسخہ کا عکس امام احمد رضا اکیڈمی بریلی نے 2007ء میں شائع کردیا ہے۔ اہل شوق وہاں سے حاصل کر کے اس علم کے اسرار اور امام احمد رضا کے کمال سے واقف ہوسکتے ہیں۔



ایم حشمت امجدی (مرکز اہلسنت جامعہ حضرت بلال بنگلور)

علم وفن میں امام احمد رضا خاں کی امتیازی کی حیثیت

امام احمد رضا قدس سرہ متوفی 1340ھ چودہویں صدی ہجری کی وہ مقتدر بلند پایہ اور یگانہ روزگار شخصیت ہے، جس کے فکروفن، علم وحکمت اور عشق ومحبت کے پرشوق تذکروں سے عرب وعجم کا چپہ چپہ آج بھی درخشاں ہے۔ مختصر سی مدت میں تنہا آپ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اس کی حیرت انگیز روداد سے اہل علم وخرد کا ایک عالم محو حیرت ہے۔ ان کے پرشوکت سرمایہ قرطاس وقلم اور عشق پرور تحقیقات وایجادات کی بلندیوں کے روبرو مشرق ومغرب کے کسی معاصر محقق کو کھڑا کرنا تو دور کی بات ہے، صدیوں کے دامن پر پھیلی ہوئی منظم اور ہنگامہ خیز تحریکوں کے نتائج بھی ان کے ہم پلہ اور ہم وزن نظر نہیں آتے۔ آپ کی تحریک وعمل اور تجدید، اصلاح کا مرکزی نقطہ نظر اور بنیادی نصب العین توحید اور ناموس رسالت کا تحفظ تھا۔

آپ کی زندگی کا لحہ لحہ ذکر خدا اور یاد مصطفیٰ سے معمور تھا۔ پھیلا تو کائنات کی پہنائیوں کو سرشار کرتا گیا اور سمٹا تو عشق مصطفیٰ بن کر رہ گیا۔ یہی آپ کا ایمان تھا کہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جان ایمان اور روح دین ہیں۔ اسی کی نشریات میں آپ نے ساری عمر صرف کردی، اس کے لیے اپنی ساری صلاحیت اور قابلیت بھی وقف کردی۔

یوں تو آپ کی علمی قابلیت اور دینی فقاہت کو ماضی میں طرح طرح سے علمی ودینی حیثیت کے طور پر عرب وعجم میں خراج عقیدت ومحبت پیش کیا جاتا رہا ہے۔ عالم اسلام میں آپ کی عبقری شخصیت چودہویں صدی کے آغاز میں ہی علم وعمل، حق وصداقت کا معیار سمجھی جانے لگی تھی۔ آپ کی دینی خدمات، تجدیدی کارنامے ساری دنیا پر روز روشن کی طرح درخشاں ہیں۔ باتفاق علماء حق امام احمد رضا کی شخصیت، شریعت وطریقت، حقیقت ومعرفت کی بحر بیکراں ہے کہ جس سے ہر طالب حق نے اپنی تشنگی بجھائی۔ بڑے بڑے صاحب فضل وکمال،

مالک علم وعمل آپ کو مجمع البحرین کہتے اور لکھتے چلے آئے ہیں۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بیشتر علوم وفنون پر اپنے قلمی شاہکار چھوڑے ہیں جو آج تک علمی دنیا سے اس سے فیضیاب ہو رہی ہے۔ آپ جہاں علوم شریعت میں بحر بیکراں ہیں وہیں دانائے رموز معرفت بھی ہیں۔

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسم ہے جام عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو

غرض کہ امام احمد رضا ہر علم وفن میں کامل واکمل تھے۔ معقولات ومنقولات پر آپ کی ایسی ایسی گراں قدر تصانیف ہیں کہ آج بھی اہل علم ان کے مطالعہ سے اپنی اپنی آنکھوں میں نور اور اپنے اپنے دلوں میں سرور پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ایک موقع پر سیدنا محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمۃ نے اپنے انہیں ممدوح کی بارگاہ علم وفضل میں خراج علمی پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ ''یہ روز کا معمول تھا کہ فلکیات وارضیات کے ماہرین اپنی اپنی مشکلات کو لے کر آتے اور سیدنا امام احمد رضا ان کو دم بھر میں حل فرما کر آنے والوں کو شاد شاد رخصت فرماتے۔ میں نے تو یہ بھی دیکھا کہ ماہرین فن نجوم آئے اور فنی دشواریوں کو پیش کیا، تو سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ہنستے ہوئے اس طرح جواب دے کر خوش کر دیا کہ گویا دشواری تھی ہی نہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کسی ایسے نظریہ کو کبھی سلامت نہ رہنے دیا جو اسلامی تعلیمات سے متصادم رہ سکے۔ اگر آپ وجود فلک اور زمین وآسمان دونوں کا سکون سمجھنا چاہتے ہیں اور سیاروں کے بارے میں (**کل فی فلک یسبحون**) کو ذہن نشین کرنا چاہتے ہوں تو ان رسائل کا مطالعہ کریں جو اعلیٰ حضرت کے رشحات قلم ہیں تو یہ راز آپ پر ہر جگہ کھلتا جائے گا کہ منطق وریاضی والے اپنی راہ کے کس موڑ پر کج رفتار ہو جاتے ہیں۔

زمانہ شاہد ہے کہ علوم وفنون کے بحر کرم، ممدوح عرب وعجم، جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ غور تو کیجیے کہ آج علمی دنیا ان پچاس علوم وفنون کے نام سے بے خبر ہے اور امام احمد رضا کے قلم مبارک سے پچاس علوم وفنون کے مبسوط رسائل موجود ہیں۔

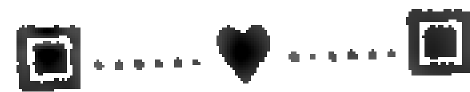
دنیائے اسلام جانتی ہے کہ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا درس نظامی کے ایک کامیاب ومتبحر عالم ہی نہیں بلکہ اپنے عہد کے مجدد کامل تھے۔ دنیائے اسلام کے حق میں وہ ایک نعمت کاملہ تھے۔ ان کی علمی وقلمی خدمات سے دنیائے علم ودانش کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

امام احمد رضا نے جس علمی وفنی عنوان پر قلم اٹھایا اس علم وفن پر ایسے گوہر آبدار بکھیرے کہ علم وفن کے دشمنوں کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ آپ کے عہد کے بڑے بڑے صاحب فضل وکمال نے آپ کی آستانہ بوسی کو فخر ومباہات جانا اور آپ کے حق میں ہر علم وفن کے اندر کامل واکمل ہونے کا اعتراف کیا۔

بہر حال سیدنا امام احمد رضا نے ہر علم وفن پر اپنی گراں قدر تحقیقات چھوڑی ہیں۔ یہ آپ کا علم وفن تھا یا حقائق ومعارف کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، جس فن کی طرف رخ کیا اس کے امام وقائد تسلیم کیے گئے۔ فقہ واصول فقہ، تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، منطق وفلسفہ، سیر وتاریخ، نجوم ہندسہ غرضیکہ ہر فن کی کتاب پر آپ کے حواشی وتعلیقات درخشاں ہیں، جن کو اہل علم آج تک اپنی آنکھوں اور دلوں سے لگائے ہیں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ آپ نے جس کتاب کو اٹھایا اس کے حاشیہ پر اپنی مجددانہ عظمت وعبقریت کے حسین نقش ونگار چھوڑ دیے جو دنیا کے سامنے زندہ جاوید مثال ہے۔

یقین واذعان کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سیدنا امام احمد رضا خداداد صلاحیتوں کی ایسی منفرد مثال تھے کہ جس نے ان کے معاصرین کے درمیان ایک خط امتیاز کھینچ دیا تھا۔ یہی علل و اسباب تھے جن کی بنیاد پر پوری دنیا سے بریلی شریف کے دارالافتاء میں استفتاء آتے اور سیدنا امام احمد رضا بیک وقت مرجع خلائق بن کر سبھی کے جوابات ارسال فرماتے۔ بہرحال بفرمان اولیاء کاملین سیدنا امام احمد رضا اپنی نوع بہ نوع گوناگوں خصوصیات وکمالات کے باعث ایک کرامت تھے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں



مولانا قاری تفضّل رضوی (شیخ التجوید جامعۃ القراء کھدرا، لکھنؤ)

امام احمد رضا اور فن تجوید

رب العزت جل مجدہ کریم نے بے شمار انسانوں کی تخلیق فرمائی۔ اوصاف و کمالات کے اعتبار سے انسانوں کے درجے مختلف ہیں۔ بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جن میں کوئی خوبی نہیں پائی جاتی اور بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جن میں چند خوبیاں نہیں بلکہ بہت سے اوصاف و کمالات پائے جاتے ہیں۔ یہی حال آقائے نعمت، دریائے رحمت، مجدد دین وملت، بانی منظر اسلام امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کا ہے۔ آپ بیک وقت بہت سے اوصاف و کمالات، علوم و معارف کے جامع تھے۔ غرضیکہ جس جہت سے بھی آپ کا مطالعہ کیا جائے تو منفرد المثال اور ممتاز نظر آتے ہیں۔ حدیث و تفسیر، فقہ و کلام، ہندسہ و ریاضی، منطق و فلسفہ، ہیئت و جفر، طبیعیات و کیمیا، اقتصادیات وارضیات، سائنس و طب، جغرافیہ و تاریخ، علم مناظرہ و مقابلہ، نحو و صرف، نعت و شاعری، تصوف و سلوک کم و بیش 60 علوم میں مہارت تامہ و ملکہ ہی حاصل نہیں بلکہ درجۂ امامت پر فائز رہے۔ جہاں آپ دیگر علوم و فنون میں امتیازی مقام رکھتے تھے وہیں آپ فن تجوید و قرأت میں بھی ممتاز تھے۔

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھیے وہ علاقہ رضا کا ہے
ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

اعلیٰ حضرت بانی منظر اسلام نے فن تجوید و قرأت کے تعلق سے نایاب و نادر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں فن تجوید و قرأت کی اہمیت و افادیت پر زور دیا ہے بالخصوص اصعب الحروف ''ضاد'' کی تحقیق پر معرکہ آرا رسالہ ''یسر الزاد لمن ام الضاد'' تحریر فرمایا تھا۔ افسوس کہ اس کا مسودہ مارہرہ شریف کے راستے میں گم ہوگیا تھا۔ کاش کہ آپ کے

فن تجوید وقرأت کے تعلق سے سارے رسالے چھپ کر منظر عام پر آجاتے تو یہی اہلسنت و جماعت کے قراء، علماء، حفاظ عوام کے لیے کافی تھے۔

قاری ومقری امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ تجوید وقرأت کی ضرورت واہمیت پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں کہ "اس قدر تجوید کا سیکھنا ضروری ہے کہ جس کے باعث حرف کو حرف سے امتیاز اور تلبیس اور تبدیل سے احتراز حاصل ہو جو واجبات مبینہ واہم مہارت دینیہ سے ہے۔ آدمی پر تصحیح مخارج میں سعی تام اور ہر حرف اس کے مخرج سے ٹھیک ادا ہونے کا قصد واہتمام لازم کہ قرآن مطابق ما انزل اللہ تعالیٰ پڑھے (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص 97، فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص 107، 106) پر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

رب ذوالجلال نے فرقان حمید کو بزبان عربی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا اور تلاوت وسماع اور افادہ واستفادہ کے لیے حروف واصوات کے ساتھ روشن مجلی فرمایا جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نازل ہوا تھا۔ بعینہ حضور نے صحابہ تک پہنچایا اور صحابہ نے تابعین تک اور تابعین نے تبع تابعین تک اس طرح قرناً بعد قرن نسلاً بعد نسل ہر ہر حرف حرکت وصفت وہیئت کے ساتھ غایت تواتر کے طور پر ہم تک پہنچا۔ "بفضلہ تعالیٰ" جس طرح اس کے کلمات میں کوئی شک کی گنجائش نہیں، اسی طرح اس کے حروف میں کسی قسم کے شک وشبہہ کی گنجائش نہیں، ہم پورے یقین کے ساتھ جانتے ہیں الف، ع دونوں عربی میں الگ الگ حروف ہیں اور قرآن عظیم میں الا، الا، علا کے معنی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اسی یقین کے ساتھ ہمیں اس کا بھی علم ہے کہ عربی زبان میں ض، ظ، د تینوں ایک دوسرے سے الگ ہیں اور قرآن مقدس میں ضل، ظل نیز دل کے مدلولات ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ بس "ض، ظ یا ذ" پڑھنا بعینہ اسی طرح ہیں جس طرح کوئی شخص الف کو "ع" یا "ف" پڑھے۔ "ض" کی جگہ دال پڑھنے پر توارث دعویٰ تو یہ غلط اور بے ہودہ بات ہے اس لیے توارث سے مراد اگر قرأت علماء معتمدین کا تعارف ہے تو یہ بجا ہے خود باطل ومردود ہے اور اگر ہندوستان کے عوام کا توارث مراد ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں اس لیے کہ ہندوستانی عوام تجوید و قرأت سے عموماً غافل ہیں۔

دربھنگہ (بہار) سے مولوی محمد یٰسین نے اسی مسئلہ پر ایک مبسوط اور استثناء کر کے جواب طلب کیا جس کے جواب میں امام القرأت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس

سرہ نے ''الجام الصاد عن سنن الضاد'' نامی رسالہ تحریر فرمایا۔ مسئلہ ''ض'' کی تحقیق و تدقیق اس انداز میں بیان فرمائی ہے کہ اس فن اور خصوصاً اس مسئلہ کے محقق اور اسکالر کے لیے یہ رسالہ درنایاب اور گوہر آبدار کی حیثیت رکھتا ہے۔ رہا سوال یہ کہ ''ض'' مشابہ ''ظ'' ہے یا ''ذ'' تو اس کے متعلق امام احمد رضا قدس سرہ رقم طراز ہیں ''ض'' و ''ظ'' کا مشابہ الصوت ہونا یقینی ہے۔ یہاں تک تمیز دشوار مگر نہ یہ ''ظ'' جو عامۂ عوام نکالتے ہیں نہ یہ ''ذ'' معظم ہے۔ ''ظ'' جب اپنے مخرج سے صحیح طور پر برعایت استعلاء اطباق لسان ادا کی جائے گی تو ضرور مشابہ الصوت بہ ''ض'' ہوگی یہاں تک کہ استطالہ واقع ہو ''ض'' ہو جائے ''ذواذ'' نہ مستحسن بلکہ محض غلط ہے۔ اسی طرح ''دواذ'' اور صحیح ''ظواذ'' بھی نہیں۔ فقہائے کرام سب کا ایک ہی حکم دیتے ہیں کہ بحالت فساد معنی نماز فاسد جیسے ''مغظوب''، ''معذوب'' اور بحالت صحت معنی صحیح جیسے ''ظالین'' ''والین'' کمافی الغنیہ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص 102)

تجوید و قرأت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں۔ تجوید نص قطعی قرآن و اخبار متواتر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واجماع تام صحابہ و تابعین وسائر ائمہ کرام علیہم الرضوان المستد ام حق وواجب وعلم دین شرع الٰہی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ورتل القرآن ترتیلا. اسے مطلقاً ناحق بتانا کلمہ کفر ہے العیاذ باللہ۔

ہاں جو اپنی ناواقفیت سے کسی خاص قاعدے پر انکار کرے وہ اس کا جہل ہے اسے آگاہ و متنبہ کرنا چاہیے واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص 119) ایک دوسری جگہ تجوید کے فرض عین ہونے کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ ایک حرف دوسرے سے تبدیل (بدل دینا) اگر عجزا ہو اور مذہب صحیح و معتمد میں خطا ہو تو ہمارے ائمہ مذہب کے نزدیک مفسد نماز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تبطلوا اعمالکم یعنی اپنے اعمال کو باطل نہ کرو (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص 128) بزازیہ وغیرہ میں ہے: ''اللحن حرام بلا خلاف'' لحن حرام ہے بلا خلاف۔ جو اسے (تجوید کو) بدعت کہتا ہے جاہل اسے سمجھا جائے گا اور اگر دانستہ کہتا ہے تو اس کا یہ کہنا کفر ہے کیونکہ فرض کو بدعت کہتا ہے۔

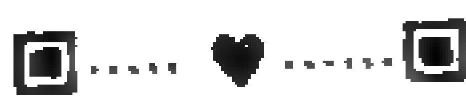
(فتاویٰ رضویہ ص 133، 132)

حروف کو تجوید کے ساتھ پڑھنا اور اس کے ہر امر کا لحاظ رکھنا علماء قراء، حفاظ ہی کے لیے ضروری ہے تاکہ قرآن مقدس نزول و مامور کے مطابق صحیح طریقے سے پڑھا اور

پڑھایا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ اپنے مؤکد الفاظ ورتل القرآن ترتیلا سے قرآن مقدس ترتیل کے ساتھ پڑھنے کو واجب فرما رہا ہے۔ رتل فعل امر ہے وہ امر جو تاکید کے ساتھ استعمال کیا جائے تو وہ وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ ترتیلا مفعول مطلق تاکید کے لیے یعنی ضروری ہے کہ قرآن مقدس ترتیل ہی کے ساتھ پڑھا جائے۔ مامور بہ پہ عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ترتیل کو سمجھا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا ترتیل کیا ہے تو آپ نے فرمایا الترتیل ھو تجوید والحروف و معروفۃ الوقوف ترتیل حروف کو تجوید کی رعایت اور وقوف کا لحاظ کرتے ہوئے ادا کرنے کا نام ہے۔ حروف کو اس کے مخارج اور صفات کے ساتھ ادا کرنے کا باعث سبب حکم الٰہی کی بجا آوری کے لیے تجوید وقرأت کے ساتھ قرآن پڑھنا واجب ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے تجوید وقرأت کی اہمیت وافادیت اور اس کے حصول پر زور دیا ہے جیسا کہ آپ کے ملفوظات سے ظاہر ہے۔ آپ کے فرمودات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ تجوید کا سیکھنا تمام مسلمان مرد اور عورت پر یکساں فرض ہے فی زمانہ تجوید وقرأت کا نہ سیکھنا اور اس سے غافل ہونا کوئی عذر نہیں ہے اس لیے بہت سے ماہرین فن تجوید وقرأت ہر جگہ موجود ہیں اور تعلم وتعلیم کے لیے بہت سی کتابیں وجود میں آچکی ہیں جس سے بسہولت حروف کی ادائیگی ودرستگی سیکھ لیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ کے تجوید وقرأت کی خدمات اور آپ کے اس مشن کو بین العوام پھیلانا ضروری ہی نہیں بلکہ واجب فی العمل ہے اور فن تجوید وقرأت کے تعلق سے تحقیقات وتدقیقات کو عام کیا جائے کیونکہ فن تجوید وقرأت افضل العلوم واہم العلوم میں سے ہے۔ بغیر اس کے لغت وعبادت ناقص اور ادھوری ہے اس لیے کہ نماز میں نفس قرأت فرض ہے اور قرأت میں بلحاظ حروف ومعانی کوئی تبدیلی پیدا ہوجائے تو یہ مفسد صلوٰۃ ہے لہٰذا تجوید کا سیکھنا فرض ہے۔



محمد توفیق راہی مصباحی

امام احمد رضا کا نظریۂ تعلیم، اہمیت، خصوصیت، معنویت

کسی بھی شخص کے نظریہ تعلیم سے آگاہ ہونے کے لیے اس کے دینی، ملی، سیاسی کردار وعمل کو راست ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ جب ہم محدث بریلوی کے احوال وکوائف، علمی خدمات اوران کی یادگار تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دنیا کی کسی بھی تعلیم، یا ذریعۂ تعلیم سے اجتناب کرنے کی تلقین نہیں کی، البتہ آپ نے ہر مقام پہ علوم دینیہ کی تحصیل کو اولیت دی۔

امام احمد رضا قادری (متوفی 1240ھ/ 1921ء) اپنے علمی فضل وکمال کے ساتھ ایک عظیم ماہر تعلیم بھی تھے جس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۸۹۳ء میں ندوۃ العلماء کی نصاب سازی کے لیے آپ کو دعوت دی گئی اور آپ نے نصاب کے تعلق سے اس اجلاس میں اپنا جامع مقالہ بھی پیش فرمایا تھا۔ نیز آپ نے اپنے قائم کردہ منظر اسلام (قائم شدہ ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء) کے لیے جو نصاب نافذ فرمایا تھا وہ بھی آپ کے ماہر تعلیم ہونے کا روشن ثبوت ہے۔

مولانا جلال الدین قادری لکھتے ہیں:

''آپ (امام احمد رضا) ماہر تعلیم بھی تھے، 15 تا 17 شوال 1311ھ/ 22 تا 24 اپریل 1893ء کو ندوۃ العلماء کے جلسہ تاسیس میں شرکت فرمائی اور ''اصلاح نصاب'' پر ایک مفید مقالہ پڑھا۔ اس اجلاس میں ملک بھر کے جلیل القدر علماء و ماہرین تعلیم جمع تھے، ان میں مولانا محمد علی مونگیری، مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا احمد حسن کان پوری، علامہ شبلی نعمانی، شیعہ مجتہد غلام حسین کنتوری، مولوی محمد ابراہیم آروی (اہل حدیث) اور مولوی محمد احسن بہاری (غیر مقلد) کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔''

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا صد سالہ ''منظر اسلام'' نمبر، جلد 2، ص 110)

پروفیسر مسعود احمد (کراچی) آپ کے دور رس اثرات اور تعلیمی نظریات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کسی بھی دینی مدرسے کے بانی کے لیے ضروری ہے کہ اخلاص وفکر صحیح کے ساتھ ساتھ تعلیم کے بارے میں اس کے نظریات واضح اور مفید ہوں۔ اس پہلو سے جب ہم امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے تعلیمی نظریات کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ ایک بے مثال ماہر تعلیم نظر آتے ہیں۔ یہاں چند نکات پیش کیے جاتے ہیں: (1) تعلیم کا محور دین اسلام ہونا چاہیے۔ (2) بنیادی مقصد خداشناسی اور رسول شناسی ہونا چاہیے۔ (3) سائنس اور مفید علوم عقلیہ کی تحصیل میں مضائقہ نہیں مگر ہیئت اشیا سے زیادہ خالق اشیا کی معرفت ضروری ہے۔ (4) ابتدائی سطح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقش دل پر بٹھا دیا جائے اسی کے ساتھ ساتھ آل و اصحاب اور اولیا و صلحا کے نقوش بھی قائم کردیے جائیں۔ (5) جو کچھ پڑھایا جائے وہ حقائق پر مبنی ہو، جھوٹی باتیں انسانی فطرت پر برا اثر ڈالتی ہیں۔ (6) ان علوم کی تعلیم دی جائے جو دین و دنیا میں کام آئیں، غیر مفید اور غیر ضروری علوم کو نصاب سے خارج کردیا جائے۔ (7) اساتذہ کے دل میں اخلاص و محبت اور قومی تعمیر کی لگن ہو۔ (8) طلبہ میں خود شناسی اور خودداری کا جوہر پیدا کیا جائے کہ دست سوال دراز نہ کریں۔ (9) طلبہ میں تعلیم اور متعلقات تعلیم کا احترام پیدا کیا جائے۔ (10) بری صحبت سے طلبہ کو بچایا جائے، (11) مفید کھیل اور سیر و تفریح اس حد تک ضروری ہے کہ طالب علم میں نشاط و انبساط پیدا ہو۔ (12) تعلیمی ادارے کا ماحول پرسکون اور پروقار ہوتا کہ طالب علم کے دل میں وحشت اور انتشار فکر نہ ہو۔''

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا صد سالہ ''منظر اسلام نمبر'' جلد 1 ص 22)

مندرجہ بالا نکات سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ تعلیم و تعلم کے نشیب و فراز سے اچھی طرح باخبر تھے۔

ماقبل میں گزرا کہ امام احمد رضا کسی بھی تعلیم سے منع نہیں فرماتے تھے، ان کا مطمح نظر صرف یہ تھا کہ جو بھی علوم حاصل کیے جائیں ان کا مقصد دین فہمی ہو اور اس سے اشاعت اسلام کا کام لیا جائے۔ ذہن آلودگی کی بجائے صحیح اسلامی فکر کے مطابق پروان چڑھے۔ عصری علوم کی تحصیل و تعلیم کے تعلق سے امام احمد رضا کے آفاقی اور بلند اسلامی فکر سے آراستہ نظریہ کا جائزہ لینا ہے تو اس سلسلے میں 1312ھ/ 1894ء کو مولوی کریم رضا صاحب گنج گیا کے دو سوالات پر مشتمل ایک استفتا کا تفصیلی جواب مطالعہ کیا جائے۔ سردست اس سلسلے میں

امام احمد رضا کا یہ ارشاد پیش کیا جانا زیادہ مناسب ہے تاکہ راقم کے دعویٰ کی صداقت واضح ہو جائے۔

امام احمد رضا تحریر کرتے ہیں:

''ریاضی ہندسہ، توقیت، علم مثلث کردی، علم سطح وسیاست مدن وتدبیر منزل، حریف وفراست وطب وتشریح وبیطرہ دبیرزہ وعلم زیجات واسطرلاب اصدیہ ومواقیت ومعادن ونباتات وحیوانات وکائنات الجو والجغرافیہ وغیرہ بھی شریعت مطہرہ سے متفاوت نہیں رکھتے بلکہ ان میں بعض بلاواسطہ اور بعض بالواسطہ امور دینیہ میں نافع ومعین اور بعض دیگر دنیا میں کارآمد ہیں۔ خصوصاً طب کا مفید ومحمود ومحتاج الیہ ہونا ظاہر ہے یوں ہی فرائض کے لیے ضروری حساب...... اور امور دینیہ ومسائل شرعیہ میں ان کی سخت حاجت عامہ کو بروجہ تحقیق بقدر قدرت بشری بے علم زیجات یا آلات رصدیہ نامتصور، ان کی ناواقفی سے بہت سے لوگ سخت غلطیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔'' (فتویٰ رضویہ جدید ۲۳/ ۶۳۱ تا ۶۳۳ ملخصاً)

امام احمد رضا نے کالج کی تعلیم کی بالکلیہ مخالفت نہیں کی۔ اس سلسلے میں 20 صفر 1339ھ کو آپ سے کیے گئے ایک سوال کے جواب کو پیش کیا جاتا ہے۔

''کالج اور اس کی تعلیم میں جس قدر بات خلاف شریعت ہے اس سے بچنا ہمیشہ فرض تھا اور ہے۔ جہاں تک مخالفت شرع نہ ہو اس سے بچنا کبھی بھی فرض نہیں۔''

ہاں! امام احمد رضا کے نزدیک تحصیل علم کی بنیاد اسلامی تصور پر مبنی تھی۔ اس لیے انہوں نے ہر اس تعلیمی کارروائی کی مخالفت کی جہاں غیر اسلامی افکار کا تسلط ہو اور ایسے تعلیمی ادارے کے وجود کو قوم کے لیے خطرہ سمجھا۔ جناب شاہد اسلم صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اپنے تحقیقی مقالہ میں لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا خاں پاک وہند کے غالباً پہلے دانشور عالم ہیں جنہوں نے اس طرز عمل کے خلاف کہ ''سائنس کی روشنی میں قرآن کو پرکھا جائے'' یہ نظریہ پیش کیا کہ سائنس کو قرآن کی روشنی میں پرکھا جائے۔ کیونکہ یہ ازلی اور ابدی حقیقت ہے۔''

اس فکر کی نشان دہی کرتے ہوئے خود امام احمد رضا اپنے رسالہ ''فوز مبین در رد حرکت زمین (1338ھ)'' میں مولوی حاکم علی کو لکھتے ہیں:

''محب فقیر سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں

تاویلات دوراز کار کر کے سائنس کے مطابق کرلیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے، دلائل سائنس کو مردود و پامال کردیا جائے۔ جابجا سائنس کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو۔ سائنس کا ابطال واسکات ہو، یوں قابو میں آئے گی۔ اور یہ آپ جیسے فہیم سائنس داں کو باذنہ تعالیٰ دشوار نہیں۔ آپ اسے بچشم پسند دیکھتے ہیں۔''

عقلی علوم فلسفہ، منطق، حکمت وریاضی وغیرہ کی تعلیم سے کسی کے منع کرنے کے جواب میں امام احمد رضا نے فرمایا: ''علوم عقلیہ کے لیے تعلیم وتعلم کو ناجائز بتانا یہاں تک کہ بعض مسائل صحیح مفیدہ عقلیہ پر اشتغال کے باعث توضیح وتلویح جیسی کتب جلیلہ عظیمہ دینیہ کے پڑھانے سے منع کرنا سخت جہالت شدیدہ وسفاہت بعیدہ ہے۔''

مذکورہ بالا اقتباسات کی روشنی میں بخوبی واضح ہوگیا کہ امام احمد رضا خاں تعلیم وتعلم کے خدوخال سے بخوبی شناسا و باخبر تھے، بلکہ آپ ہر اس تعلیم کی تحصیل کی ترغیب وحوصلہ افزائی کرتے جو علوم دینیہ کی تفہیم میں ممد ومعاون ہو۔ لیکن چوں کہ امام احمد رضا ذہن کو اسلامی فکر پر ڈھالنا چاہتے تھے۔ اس لیے سب سے زیادہ زور آپ نے ''علم دین'' کی تحصیل پر دیا۔ ایک جگہ فرض عین وکفایہ علوم کی تعیین کرتے ہوئے لکھا:

''علم دین کا سیکھنا اس قدر کہ مذہب حق سے آگاہ ہو۔ وضو، غسل، نماز روزہ وغیرہ ضروری دینی احکام سے واقف ہو۔ تاجر تجارت، مزارع زراعت، اجیر اجارت غرض ہر شخص جس حالت میں ہے اس کے متعلق احکام شریعت سے واقف ہو۔ یہی فرض عین ہے۔ جب تک یہ نہ حاصل کرے کسی دوسرے میں وقت ضائع کرنا جائز نہیں۔ جو فرض چھوڑ کر نفل میں مشغول ہو حدیثوں سے اس کی سخت برائی آئی ہے۔ اس کا وہ نیک کام مردود قرار پائے گا کما بیناہ فی الزکوۃ من فتاونا۔ نہ کہ فرض چھوڑ کر فضولیات میں وقت گنوانا۔

غرض یہ علوم ضروریہ ہیں جن کا حاصل کرنا ہر ایک پر فرض ہے۔ ان علوم میں ارکان اسلام توحید، رسالت، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، طہارت وغیرہ کا علم شامل ہے۔ ان علوم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

جب فرض عین علوم سے فارغ ہوجائے تو پورا علم دین فقہ، حدیث، تفسیر، عربی

زبان، اس کی صرف ونحو، معانی، بیان، لغت، ادب وغیرہ آلات علوم دینیہ سیکھنے کی طرف توجہ کرے ان کا سیکھنا سکھانا فرض کفایہ ہے۔(فتاویٰ رضویہ جدید، ملخصاً 647,244/23)

ہاں! البتہ امام احمد رضا نے ایسے علم سے جو افکار و اذہان میں لادینیت پیدا کرے، جس میں خلاف شرع مواد ہو، یا جس کے پڑھنے سے ایمان متزلزل ہوتا ہو اس سے سختی سے منع فرمایا وہ لکھتے ہیں:

''ان باتوں کی تعلیم جو عقائد اسلام کے خلاف ہیں جیسے وجود آسمان کا انکار، یا وجود جن و شیطان کا انکار، یا زمین کی گردش سے لیل ونہار، یا آسمانوں کا خرق والتیام محال ہونا، یا اعادۂ معدوم ناممکن ہونا وغیرہ ذالک عقائد باطلہ کہ فلسفہ قدیمہ و جدیدہ میں ہیں۔ ان کا پڑھنا حرام ہے خواہ کسی زبان میں ہو۔ اور اگر جملہ مفاسد سے پاک ہو تو علوم آلیہ مثل ریاضی و ہندسہ وحساب و جبرو مقابلہ وجغرافیہ وامثال ذلک ضروریات دینیہ سیکھنے کے بعد سیکھنے کی کوئی ممانعت نہیں، کسی زبان میں ہو اور نفس زبان کا سیکھنا کوئی حرج رکھتا ہی نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جدید 706/23)

اب جہاں تک مختلف زبانوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں بھی امام احمد رضا کے افکار و خیالات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ نفس زبان کی تحصیل کی ممانعت کے کسی طرح قائل نہیں۔ اس سلسلے میں آپ کا واضح نظریہ یہ ہے کہ دینی عقائد کی ضروری معلومات کے بعد کوئی زبان پڑھی جاسکتی ہے۔ وہ دینی مقاصد کے لیے ہو تو بہتر ہے اور اگر دنیاوی منافع کی غرض سے ہو جب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن خیال رہے کہ عصری علوم کی تحصیل میں اپنے مقصد اصلی سے انحراف نہ ہو اور جو مذہبی تقاضے ہیں وہ ملحوظ خاطر رہنا چاہئیں۔

آپ لکھتے ہیں: ''ایسی انگریزی پڑھنا جس سے عقائد فاسد ہوں اور جس سے علمائے دین کی توہین دل میں آئے، ایسی چیز کا پڑھنا حرام ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ قدیم 24/6)

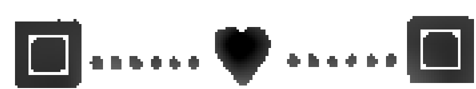
اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی زبان کے سیکھنے سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے بلکہ خود اعتمادی اور خدا اعتمادی کا جذبہ ہمیشہ سلامت رہنا چاہیے۔

امام احمد رضا قادری فتنوں کے دفاع کے لیے اور اسلام کے خلاف سازشوں سے مقابلہ کے لیے دیگر زبانوں کی تعلیم کی ترغیب دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں: ''ذی علم مسلمان اگر بہ نیت رد نصاریٰ انگریزی پڑھے اجر پائے گا اور دنیا کے لیے صرف زبان سیکھنے یا حساب

اقلیدس جغرافیہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں بشرطیکہ ہمہ تن اس میں مصروف ہوکر اپنے دین و علم سے غافل نہ ہو جائے ورنہ جو چیز اپنا دین و علم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے، اسی طرح وہ کتابیں جن میں نصاریٰ کے عقائد باطلہ مثل انکار وجود آسمان وغیرہ درج ہیں ان کا پڑھنا بھی روا نہیں۔" (فتاویٰ رضویہ جلد دوم)

اس نظریہ پر آپ کے پورے فتاویٰ شاہد عدل ہیں کہ جس شخص نے جس زبان میں آپ سے استفادہ کیا اسی زبان میں آپ نے اس کے استفتا کا جواب دیا۔ انگریزی زبان میں امام احمد رضا کے فتاویٰ کے مطالعہ کے شائق حضرات فتاویٰ رضویہ جلد ششم مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی دیکھیں۔

خلاصہ گفتگو یہ کہ امام احمد رضا نے مسلمانوں کی تعلیمی پالیسی کے لیے جو گرانقدر رہنما اصول و ہدایات دی ہیں اگر اخلاص وللہیت کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہو جایا جائے تو مسلم قوم تعلیمی ترقی کے دور میں کسی بھی قوم پر سبقت لے جا سکتی ہے اور انہیں ہدایات کی روشنی میں تعلیم کے ہر شعبے میں خواہ وہ دینی علوم ہوں یا دنیوی، اپنی کامیابی و کامرانی کی منزلیں طے کر سکتی ہے۔ افراد ملت دین کی تبلیغ و اشاعت کے عصری تقاضوں سے آراستہ ہو سکتے ہیں۔ اپنی فکر کو جس قدم اور جس سطح پہ چاہے عام کر سکتے ہیں۔



ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف (علامہ اسٹریٹ، میاں سرائے، سنبھل، ضلع مراد آباد، یوپی)

مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب نگارش

فاضل بریلوی امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہمہ جہت اور آفاقی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے یہاں فکر و خیال کی بلندی اور تحقیق و تلاش کی بے پناہ قوت پائی جاتی ہے، کیوں کہ انہیں صداقت و واقعیت اور سچ سے پیار تھا، وہ حقائق کی تلاش میں پر خار وادی اور تپتی ہوئی زمین سے گزر جاتے تھے اور نتیجہ خیز مادوں کا اکتساب کر کے ہی دم لیتے تھے۔ انہوں نے اپنی تصانیف و تخلیقات میں آسان انداز تحقیق اپنایا ہے۔ زبان تو قدرے دقیق و پیچیدہ ہے مگر ان کے طریقہ استدلال نے اس کو پر لطف بنا دیا ہے، ان کی تحریروں میں قدیم و جدید علوم و فنون کے موضوعات پائے جاتے ہیں۔ اس لیے ان کا اسلوب نگارش بھی ہمہ جہت پہلو لیے ہوئے ہے۔ آپ کی تصانیف پر گہرائی کے ساتھ نظر ڈالنے پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے سائل نے جس زبان و اسلوب میں سوال کیا آپ نے بھی اسی رنگ میں جواب دیا۔ ان کے علمی و تحقیقی کام کو دیکھنے پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کی علمی و ادبی خدمات کا دائرہ بہت ہی اہم و وسیع ہے۔ آپ مختلف اصناف کے صاحب طرز اور صاحب اسلوب محقق تھے۔ آپ کے یہاں زبان کی صحت کے ساتھ سلاست، سادگی، پاکیزگی اور صفائی واضح طور پر نظر آتی ہے۔

تحریر میں زبان و بیان کی گلکاریاں اور معنی و مفاہیم بھی مہکتے نظر آتے ہیں۔ ان کی زبان نہایت سادہ، شستہ اور بامحاورہ ہے۔ ان کے یہاں روزمرہ کا برمحل اور مناسب استعمال ہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود آپ کی تخلیقات علم و عرفان کی عظیم دنیا اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ ان کی تحریر کو دیکھنے پر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ الفاظ و معنیٰ کے بادشاہ تھے۔ انہیں زبان و بیان پر زبردست ملکہ حاصل تھا۔ فارسی و عربی میں مہارت تامہ کے ساتھ ہی مقامی زبانوں کا بھی سنہرا ذوق رکھتے تھے۔ ان کی اردو لکھنؤ کی بامحاورہ ٹکسالی زبان ہے۔ تحریر کی سنجیدگی، لب و لہجہ کی بلند آہنگی مہارت عظمیٰ کی واضح دلیل ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کی نثر میں وہ تمام خصوصیات بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں جو کسی زبان کو شاہکار کے درجہ تک پہنچا سکتی ہیں۔ وہ فنی خوبیوں سے بخوبی آگاہ اور بات کرنے کا سلیقہ جانتے تھے۔ بکھری ہوئی باتوں کو موتی کی مانند پرو کر الفاظ کو موزوں و مناسب جگہ پر سجاتے تھے۔ ان کے بیان میں درد و گداز کی بو تھی، اسی لیے آپ کی تحریروں میں تسلسل و روانی کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں اور شوکت و عظمت کا پھریرہ لہرا رہا ہے۔ آپ کے یہاں صنائع و بدائع کا استعمال بکثرت نظر آتا ہے۔ آپ کے شعری کلام میں تو اس کی بہت عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً صنعت تجنیس، صنعت اقتباس، صنعت تضاد، صنعت تنسیخ الصفات کے علاوہ متعدد صفات و صنعتوں کا استعمال ہوا ہے۔ علم البیان اور بدائع و صنائع کی خوبیاں ان کے کلام میں جابجا دیکھنے میں آتی ہیں۔ جن میں تشبیہ، استعارہ، کنایہ، ایجاز، تلمیح، مجاز مرسل، لف و نشر، حسن تعلیل مراعاۃ النظیر کے عمدہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔

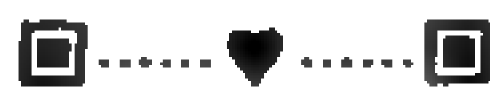
ادیب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے عہد کا ترجمان ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ اور جو کچھ گزرتی ہے اسی کو وہ اپنی زبان، اپنے انداز اور اپنے لب و لہجے میں بیان کرتا ہے۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ اسلوب کے اندر انفرادیت ہوتی ہے۔ یہی انفرادیت مولانا کی تحریر میں بھی نظر آتی ہے۔

آپ کی تصانیف آپ کے عہد کی بچی ترجمان ہیں۔ ان کے اندر آپ کا اسلوب نگارش اور طریقہ استدلال صاف نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ کی تحریروں میں آپ کی شخصیت مکمل طور پر نظر آتی ہے۔ یہ بھی اسلوب کی ایک خصوصیت ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے زمانے میں شاعری کا بڑا غلغلہ تھا، زبان و بیان کی دھوم مچی ہوئی تھی، خصوصاً داغ دہلوی کی شاعری اور ان کی زبان و بیان کی صفائی و ستھرائی، نیز شوخی کلام قبول عام کی سند حاصل کر چکی تھی۔ اور تمام شعرا داغ، میر اور اسیر لکھنوی جیسے اساتذۂ فن کی پیروی کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے، لیکن ایسے وقت میں بھی مولانا نے کسی کا رنگ قبول نہ کرتے ہوئے خود اپنا ایک اسلوب وضع کیا، اور زبان و بیان کی اعلیٰ خوبیوں کی بنا پر اپنے تمام معاصرین پر غالب رہے۔ ان کی زبان کی شستگی، شگفتگی اور سلاست و روانی نے آپ کو اپنے معاصرین پر فوقیت دیدی ہے۔ یہ آپ کا اسلوب نگارش ہی تو ہے، جس کی وجہ سے آپ کی تحریریں حیات جاودانی حاصل کر چکی ہیں۔ آپ کا خلوص، جذبہ صادق، والہانہ عشق،

عقیدت، تبحر علمی، روحانی بلندی، زبان دانی، فصاحت و بلاغت اور تخیل و تفکر نیز انداز بیان یہ سبھی ان کے اسلوب کے عناصر ترکیبی ہیں۔حق کی وجہ سے ان کے اسلوب کے اندر قوس قزح کے حسین رنگ سمٹ گئے ہیں، حضرت امام احمد رضا کے زبان و بیان کی نشستگی مرئی اور غیر مرئی دونوں ہی تھیں۔مرئی اس لیے کہ فنی تحقیقی ذوق نے آپ کو فن کے افکار سے آشنا کیا تھا۔ چونکہ ان کا زمانہ ترقی وارتقاء کے اعتبار سے وہ زمانہ ہے جب بڑے بڑے فنکار اپنی عظمت کا لوہا منوا رہے تھے۔شاعری میں داغ دہلوی کی فصیح البیانی اور سحر طرازی کا طوطی بول رہا تھا تو نثر میں سرسید اور ان کے رفقاء نے دھوم مچا رکھی تھی۔لیکن زبان کی سلاست، بیان کی نیرنگی کے ساتھ ہی مضامین کی عظمت نے بھی مولانا کی نگارشات کو دیگر اہل قلم کی تحریروں پر فوقیت دی ہے۔آپ کی زبان کی سادگی کو غیر مرئی اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کی کچھ تخلیقات میں مضامین کی آورد نہیں بلکہ آمد ہی آمد ہے۔ بیان میں تصنع کی بجائے خلوص کی کارفرمائی ہے۔ فکر کے سوتے ذہن سے نہیں بلکہ قلب کی گہرائیوں سے پھوٹے ہیں۔اپنی شعری تخلیقات میں بھی انہوں نے عروس فن کے لب و رخسار کو خالص اردو الفاظ اور حسین بندشوں کے سامان آرائش سے سجایا ہے۔اور اس طرح اپنی کاوشوں میں ایک ماہر فن کی چابکدستی کا پورا پورا ثبوت فراہم کردیا ہے۔ بالفاظ دیگر آپ کے یہاں فن کے وہ تمام محاسن موجود ہیں جو ایک بہترین صاحب اسلوب میں ہونے چاہئیں۔

مولانا کی تخلیقات علم وعرفان اور زبان و بیان کی ایک عظیم الشان دنیا اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں اور ان کا یہ سارا وصف، یہ تمام خوبیاں کسی استاد کی رہنمائی کی بدولت نہیں، بلکہ مبدء فیاض نے خود اپنی جانب سے آپ کو تبحر علمی کی شکل میں مرحمت فرمائی تھیں۔تبحر علمی نے آپ کے اسلوب نگارش کو اس قدر پختہ بنادیا تھا کہ مضامین کی بلندی کے ساتھ ہی عبارت انشاء پردازی میں بھی کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہیں ملا۔ان کی قادر الکلامی اور زبان و بیان کی قدرت کا عالم یہ تھا کہ جب وہ کسی مفہوم کو تحریر کا جامہ پہنانے کا ارادہ کرتے تو الفاظ و معنی کے تناسب سے خود تحریر کا زریں لباس پہن کر اتر آتے۔ اس لیے آپ کے اسلوب کے اندر جامعیت کے ساتھ ہی انفرادیت بھی ہے، جو بڑے اہم و خاص صاحبان قلم کو ہی نصیب ہوا کرتی ہے۔



محمد ہاشم اعظمی مصباحی (دارالعلوم غوث اعظم بغدادی چوک، کوکنی پور، ناسک سٹی، مہاراشٹر)

امام احمد رضا کے سائنسی نظریات علم الارض والاحجار کے حوالے سے

یوں تو دنیائے اسلام میں ایسی شخصیتوں کی کمی نہیں۔ جنھوں نے اپنے علم وفضل اور عقل وبصیرت سے پوری دنیا کو مستفیض ومستنیر کیا۔ جامی، رومی، غزالی، رازی وغیرہم یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے علمی کارنامے رہتی دنیا تک یاد کیے جائیں گے، کیونکہ ان میں کوئی نحو و صرف کا امام ہے تو کوئی ریاضی وعلم ہیئت کا، کوئی منطق وفلسفہ کا بے تاج بادشاہ ہے تو کوئی علم جغرافیہ کا، لیکن جنت نشاں ملک ہندوستان کی سرزمین اپنی قسمت پر جتنا ناز کرے کم ہے۔ اس مادرعزیز کی گود میں ایسے ایسے جواہر پارے آرام فرما ہیں جن کی بدولت اس کا سرفخر سے ہمیشہ اونچا رہے گا۔ مگر رواں صدی کے اوائل میں اس سرزمین پر علم وحکمت کی ایک ایسی حیرت انگیز شخصیت گزری ہے جس کی حقیقی تصویر کشی تحریر وقلم سے باہر ہے، جسے امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ولادت:

امام احمد رضا 10 شوال المکرم 1272ھ مطابق 14 جون 1854ء کو ہفتہ کے دن ظہر کے وقت بریلی، یوپی کے محلہ جسولی میں ایک پٹھان گھرانے میں پیدا ہوئے، جسے دنیا نے مختلف القابات سے یاد کیا۔

اسم گرامی:

احمد رضا خاں (1342ھ/ 1921ء) بن مولانا نقی علی خان (ولادت 1246ھ/ 1830ء م 1297ھ/ 1880ء) بن مولانا رضا علی خان (ولادت 1224ھ/ 1809ء م 1282ھ) اپنی کتاب حدائق بخشش میں یوں تذکرہ فرماتے ہیں:

احمد ہندی رضا ابن نقی ابن رضا
از اب و جد بندہ و واقف زہر عنواں توئی

علم وفن کا وہ ایسا عبقری تھا کہ فقہ پریشان ہے، عقل حیران ہے کہ کون سا علم ہے جس پر آپ کو عبور نہیں۔ موجودہ ترقی یافتہ دور میں علوم وفنون کے جتنے شعبے اب تک دریافت کیے گئے ہیں ان تمام میں نہ صرف یہ کہ آپ کی دسترس کے شواہد موجود ہیں بلکہ آپ کی تصنیفات میں ان کی اعلیٰ تحقیقات بھی پائی جاتی ہیں۔ آپ دینی و دنیوی علوم وفنون کا حسین سنگم ہیں۔ اگر آپ نے ایک طرف علوم اسلامیہ میں تجدید واحیا کا کام کیا تو دوسری طرف علوم دنیا میں بھی بے مثال کارنامے انجام دیے ہیں۔ آپ کے عظیم کارناموں کو دیکھ کر پروفیسر ڈاکٹر سر ضیاء الدین سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ "امام رضا حقیقت میں عبقری شخصیت ہیں اور آپ صحیح معنوں میں نوبل انعام کے مستحق ہیں۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ ایک بڑی تعداد ایسے علوم وفنون کی ہے جس میں امام احمد رضا کو مہارت تھی اور آج روئے زمین پر اس کا واقف مشکل ہی سے ملے گا۔ تاریخ کی یہ کتنی حیرت انگیز تصویر ہے کہ زمانہ جسے ایک مولوی سمجھ رہا تھا آج کے ماہرین اس کی علمی تحریریں سمجھنے سے قاصر ہیں۔ امام احمد رضا کے دو رسالے "سفر السفر عن الجفر بالجفر" اور "اطائب الاکسیر فی علم التکسیر" (جو کہ علم جعفر وتکسیر کے فن میں ہے) ان کی تحریروں کو آج دنیا سمجھنے سے قاصر ہے، جس کی وجہ سے اب یہ علم معدوم ہوگیا۔ سردست میرا موضوع تو امام احمد رضا کے سائنسی نظریات کو علم الارض والاحجار کے حوالے سے اجاگر کرنا ہے۔ امام احمد رضا کو سائنس میں کتنی دسترس و مہارت تھی، ان کے سائنسی تخیلات کی حد کیا تھی؟ ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کے بجائے اگر میں یہ کہوں کہ "امام احمد رضا ماضی قریب کی کوکھ سے جنم لینے والے ایک ایسے سائنس داں کا نام ہے جس کی سائنسی تحقیقات اور تحریریں ماضی اور حال کے تمام سائنس دانوں کے لیے ایک کھلا ہوا چیلنج ہیں" تو شاید لوگ مجھے غلط تصور کریں۔ میرے اس جملے کو عقیدت پر محمول کر دیں، لیکن اس کے باوجود حقیقت کا انکار کسی کے بس کی بات نہیں، چاہے وہ کھلی ہو یا چھپی۔ یہ اور بات ہے کہ جس شعبہ میں امام احمد رضا کی علمی خدمات سے لوگوں کو واسطہ پڑا، اس شعبہ میں آپ کی شخصیت نکھر کر سامنے آئی اور جس سے واسطہ نہیں پڑا ابھی تک پردہ خفا میں ہے۔ انھیں میں ایک سائنس بھی ہے۔ سائنس دراصل اشیاء کے

حقائق دریافت کرنے کا نام ہے، مگر امام احمد رضا کے سائنسی نظریات ''شتر بے مہار'' کی طرح بے لگام نہیں، بلکہ آپ کے سائنسی نظریات صرف اسلامی نظریات کے محور پر گردش کرتے ہیں۔ یہ اس ایمان و یقین کی بنیاد پر ہے جو اسلامی نظریات کے سلسلے میں آپ کو تھا۔

مسئلہ تیمم

امام احمد رضا کی نظر ہر علم پر یکساں نظر آتی ہے۔ آپ جہاں نقلیہ علوم و فنون کے ماہر ہیں وہیں علوم عقلیہ کے بھی بے تاج بادشاہ ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کو فہم و ذکاوت کا اعلیٰ نمونہ بنایا تھا، آپ سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپ اس کا شرعی جواب دینے کے ساتھ ساتھ اس مسئلے سے متعلق جتنی سائنسی علمی اور فنی توجیہات ممکن ہوتیں آپ وہ بھی تحریر فرماتے۔ مثلاً تیمم یہ ایک شرعی مسئلہ ہے، اسے عبادت کے باب میں بڑی اہمیت اس لیے ہے کہ یہ مخصوص حالات میں وضو کا نعم البدل ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: ''اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو چھوا، پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو، تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو۔'' (النساء:43)

بغرض افادہ قارئین اس آیہ کریمہ کی شان نزول بھی تحریر کی جارہی ہے۔

شان نزول

غزدہ بنی المصطلق میں جب لشکر اسلام شب کو ایک بیاباں میں اترا جہاں پانی نہ تھا اور صبح وہاں سے کوچ کرنے کا ارادہ تھا وہاں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوگیا۔ اس کی تلاش کے لیے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں اقامت فرمائی۔ صبح ہوئی تو پانی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے آل ابوبکر یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے یعنی تمہاری برکت سے مسلمانوں کو بہت آسانیاں ہوئیں اور بہت فوائد پہنچے۔ پھر اونٹ اٹھایا گیا تو اس کے نیچے ہار مل گیا۔ ہار گم ہونے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہ بتانے میں بھی بہت سی حکمتیں پوشدہ تھیں جو آج ظاہر ہیں۔

(1) حضرت صدیقہ کے ہار کی وجہ سے قیام ان کی فضیلت و منزلت کا مشعر ہے

(2) صحابہ کا جستجو فرمانا اس میں ہدایت ہے کہ حضور کی ازواج مطہرات کی خدمت

مومنین کی سعادت ہے۔

(3) اور پھر تیمم کا ہونا معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی ازواج مطہرات کی خدمت کا ایسا صلہ ہے جس سے قیامت تک مسلمان منتفع ہوتے رہیں گے۔

تفسیر

تفسیر مدارک میں ہے کہ حکم تیمم مریضوں، مسافروں، جنابت اور حدث والوں کو شامل ہے، جو پانی نہ پائیں یا اس کے استعمال سے عاجز ہوں۔ (تیمم کے مسائل جاننے کے لیے قانون شریعت، بہار شریعت و دیگر کتب مسائل کا مطالعہ کیجیے۔) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مراد آبادی نے فرمایا: جو چیز مٹی کی جنس سے ہو جیسے گرد، ریت، پتھر وغیرہ ان سب سے تیمم جائز ہے خواہ پتھر پر غبار بھی نہ ہو لیکن پاک ہونا ان چیزوں کا شرط ہے۔ واضح ہو کہ مٹی کا تعلق علم الارض (Geology) سے ہے جو کہ سائنس کا بہت ہی اہم شعبہ ہے۔ مٹی کی متعدد اجناس و اقسام ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مضمون کا ماہر ہی اس کے تمام اقسام سے واقف و آگاہ ہو سکتا ہے۔ مگر حیرت ہوتی ہے کہ امام احمد رضا اس موضوع پر ایسی ماہرانہ نظر رکھتے ہیں جیسے کہ آپ علم الارض کے ماہر ہیں حالانکہ یہ علم آپ نے کسی استاد سے یا کسی یونیورسٹی میں نہیں پڑھا مگر موضوع پر ایسی تحقیق و تدقیق پیش فرمائی کہ بڑے بڑے سائنس دانوں کی گردنیں خم ہو گئیں۔ آپ کی تحقیقات دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا آپ کسی عظیم الشان Laboratory (تجربہ گاہ) میں بیٹھ کر یہ کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ اور اپنے تجربات و نتائج سے قوم کو آگاہ کر رہے ہیں۔ علم ارضیات و حجریات میں تو آپ نے اپنی صلاحیتوں کا خوب مظاہرہ فرمایا۔ فتاویٰ رضویہ جلد اول میں آپ نے ایک رسالہ بعنوان "المطر السعید علی بنت جنس الصعید" 1335ھ میں تحریر فرمایا جس میں آپ کے ماہر ارضیات کی جولانیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس رسالے میں پتھروں کے متعلق انتہائی اہم معلومات تحریر فرمائی ہیں، مثلاً (1) پتھروں کی اقسام اور ہر ایک کی تعریف اور ان کے بننے کا عمل۔ (2) پتھر ایک دوسرے سے کس طرح تبدیل ہوتے ہیں۔ (3) دھات کس طرح بنتی ہے اور کس طرح ان کی اجزائی ترکیب ہوتی ہے؟ (4) معدنیات کی اقسام اور ان کی تراکیب۔ (5) کان کی ہر چیز گندھک اور پارے کی اولاد ہے۔ (علم الارض میں ابھی تک کسی سائنس داں نے ایسی تحقیق

نہیں پیش کی ہے)۔(6) گندھک نر ہے یا مادہ، علم ارضیات کے متعلق تو آپ کی تحقیقات اجتہادی درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے: جب آپ سے تیمم کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں ایک تفصیلی رسالہ بنام "حسن التعلیم لبیان حد التیمم" تحریر فرمایا اور ایسا مدلل اور مبرہن جواب تحریر فرمایا کہ عقل انسانی حیران رہ گئی۔ ایوان سائنس میں ہلچل مچل گئی۔ اس تفصیلی رسالے میں آپ نے مٹی کی جنس سے ہونے کے لیے پانچ صفات جلنا، پگھلنا، نرم پڑنا، راکھ ہونا، آگ سے نرم ہو کر مائل صنعت ہونا، بیان کر کے فرما دیا کہ اصل میں یہ سب تین یا دو ہی کی طرف راجع ہیں۔

مسئلہ تیمم میں متقدمین و متوسطین فقہاء کرام کی صدہا کتابوں میں مٹی و پتھر کی جن اقسام سے تیمم جائز ہے، ان کی اقسام کی مجموعی تعداد 84 تک پہنچتی ہے جو ہزاروں فقہاء کی سال ہا سال سے زیادہ کی محنت شاقہ کا ثمرہ ہے۔ مگر امام احمد رضا کی فقہی بصیرت دیکھیے کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ ان کو جمع کیا۔ (جو بجائے خود ایک بہت مشکل کام ہے) بلکہ اپنی خدا داد صلاحیت و لیاقت کے ذریعہ اپنی تحقیق انیق سے فقہائے کرام کی بتائی تعداد 84 پر 107 قسموں کا اضافہ کر دیا۔ ان تحقیقات میں آپ نے ایسے ایسے پتھروں کا اضافہ کیا ہے جو پوری دنیا میں صرف ایک یا دو ہی خطہ میں پائے جاتے ہیں۔ پتھروں کی جن قسموں کا آپ نے اضافہ کیا ہے ان کی پوری تشریح و تفصیل بھی ہے۔ مشتے از خروارے کے طور پر ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

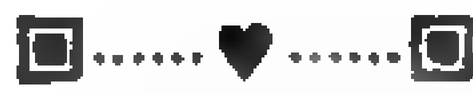
"یوہیں جس در و دیوار یا چھت پر صندلہ پھرا ہو، جس در و دیوار پر بالوتر ہو، جن پر بادامی، لاکھی، سرخ، سبز، زرد، دھانی، آسمانی، کشتئی، زنگاری، خاکی، فاختئی، پیازی، فیروزی، رنگتیں ہوں کہ اگر سرخ میں شنجرف، سبز میں مصنوع توتیا، آم کی چھال، بکائین کے پتے، زرد میں بھی ملتانی کے سوا نیسو کے پھول، دھانی میں کبھی سبز گل کے سوا وہی توتیا چھال، آسمانی میں کولا مصنوع، لاجورد، کشتئی میں ببول کی چھال، زنگاری میں سبز توتیا، خاکی میں کولا، فاختئی میں لاجورد، پیازی میں پیوڑی، فیروزی میں توتیا وغیرہ وغیرہ اشیاء غیر کی آمیزش ہے، مگر بہر صورت اصل گٹی ہے، اس کا حصہ کثیر و غالب اور ان کا خلط اس میں رنگت لانے کے لیے یہی ہوتا ہے، پکی قبر کہ وہاں ظن نجاست نہیں، سنگ مرمر، سنگ موسیٰ، سنگ سپید، سنگ سرخ، چوکا گہرا سبز، سنگ ستارہ، سرخی مائل بہت چمکدار ذرے ذرے نمایاں، گودنتی سپید نیلگوں جھلکدار

اس کے نگینے بھی بنتے ہیں۔ حجر الیہود، مقناطیس، سنگ ساق جس کے کھرل مشہور ہیں، سان، سلی، کرنڈ، کسوٹی، چقماق، ریل کا کولا کہ پتھر ہے، سلیٹ، ترکستان کا وہ پتھر کہ لکڑی سا جلتا ہے، شام شریف کا وہ پتھر کہ آگ میں ڈالے سے لپٹ دیتا ہے، صقلبہ کا وہ پتھر کہ گرم پانی سے مشتعل ہوتا ہے اور تیل سے بجھتا ہے، حجر الفتیلہ جس کی بتی بنا کر جلاتے ہیں، ان چاروں پتھروں کا بیان اوپر گزرا، بلور معدنی پتھر ہے۔"

اسی طرح پتھر اور مٹی کے وہ اقسام جن سے تیمم ناجائز ہے فقہاء کی اجتماعی کوششوں ومحنتوں سے ان کی تعداد 58 تک پہنچتی ہے مگر امام احمد رضا کی بصیرت نے یہ تعداد بڑھا کر 130 تک پہنچا دی۔ فقہاء کرام کی مجموعی تعداد 58 پر 72 اقسام کا اضافہ کر دیا۔ یہ ساری تفصیلیں فتاویٰ رضویہ میں مرقوم ہیں۔

امام احمد رضا نے صرف جواز اور عدم ہی کو نہیں بتایا بلکہ پتھروں کی ماہیت وحقیقت پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے کہ ان پتھروں سے تیمم کیوں جائز ہے اور ان پتھروں سے کیوں ناجائز ہے۔ کسی مفتی کے لیے یہ لکھ دینا تو آسان ہے کہ یہ جائز ہے اور ناجائز ہے، لیکن علم راسخ کا اندازہ تو اسی وقت ممکن ہوگا جب وہ یہ بھی جانتا ہو کہ پتھروں کی ان اقسام سے تیمم کیوں جائز ہے اور ان کی اقسام سے کیوں ناجائز ہے۔ حیرت بالائے حیرت تو یہ ہے کہ امام احمد رضا نے پتھروں کی اقسام اور ان کے جواز وعدم جواز کی نوعیت کے ساتھ ساتھ ان کے عمل وجودی کا بھی شاندار تجزیہ کیا ہے اور دنیا کو بتا دیا کہ جن پتھروں سے تیمم ناجائز ہے ان میں پتھر کی وہ قسم بھی شامل ہے جو اپنی بناوٹ کے اعتبار سے پتھر نہیں مگر عرف اور علم الاحجار (یعنی علم سائنس) میں اسے پتھر کہا جاتا ہے۔ امام احمد رضا نے ان پتھروں کی بنیادی ساخت و بناوٹ پر نظر رکھی کہ پتھر کی وہ قسم جو بعض دفعہ آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے کے بعد ان سے پیدا شدہ گیس کے انجماد کی صورت میں پتھر جیسی شکل اختیار کر لینے کے بعد اسی طرح ٹھوس وسخت ہو جاتی ہے۔ بظاہر تو وہ پتھر ہے لیکن درحقیقت وہ پھر نہیں بلکہ حقیقت میں وہ گیس ہے جو درجہ حرارت کے گر جانے کی صورت میں سخت پتھر جیسی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ لہٰذا پتھر نما گیس سے تیمم جائز نہیں۔ آج تک دنیا میں کسی سائنس داں نے ایسی تحقیق نہیں پیش کی ہے۔ اب امام احمد رضا کی اس تحقیق پر سائنس دانوں کے درمیان بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری ہے کہ اس

طرح کی قسموں کو علم الاحجار میں پتھر کا نام دینا درست ہے یا نہیں۔ فیصلہ سن لیجیے وہی ہوتا ہے جو امام احمد رضا نے بیان فرمایا ہے۔ الغرض سائنس کا کوئی ایسا شعبہ نہیں۔ جس میں آپ کی تحقیقات کے شواہد نہ پائے جاتے ہوں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ آپ کے سائنسی رسائل کو آج کی زبان میں منتقل کر کے ایک عظیم سائنس داں کے افکار ونظریات کو عام کیا جائے۔ خیر وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ آپ کی سائنسی تحقیقات پر بھی کام ہو رہا ہے اور ریسرچ اسکالرس اس سلسلے میں معروف ہیں۔



علامہ شبیر احمد غوری علی گڑھ

برصغیر میں ریاضی و ہیئت کی تاریخ میں فاضل بریلوی کا مقام

برصغیر میں مسلم ریاضی و ہیئت کا آغاز البیرونی نے 408ھ کے قریب کیا۔ اور اس سلسلے کا اختتام مولوی غلام حسین جون پوری کی "جامع بہادر خانی" پر ہوا (1825ء) جو ریاضی و ہیئت کی ایک ضخیم اور انتہائی مخزن العلوم ہے۔ مگر 1857ء کی پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد برطانوی استعمار نے اس ملک کی ریاست پر مضبوطی سے پنجے گاڑ لیے تو پھر اس استعمار کو مزید مستحکم بنانے کے لیے مفتوحین کے علوم کے ساتھ ہمت شکن بے اعتنائی برتی گئی تا کہ وہ اپنے شاندار ثقافتی ماضی سے متاثر ہو کر سر نہ اٹھا سکیں۔

اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مصلحین قوم و ملت کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک جماعت جو قدیم ثقافتی ورثہ کی بقا و تحفظ پر مصر تھی اس نے "مالا یدرک کله لایترک کله" کے اصول پر قدیم علوم متداولہ میں سے قرآن و حدیث کی تعلیم کو باقی رکھنے پر زور دیا، جو دینی نقطۂ نظر سے زیادہ اہم تھے۔ رہے باقی علوم بالخصوص ریاضی و ہیئت ان کو درخور اعتنا نہ سمجھا، پھر ان علوم کی ترقی ایک خاص سیاسی و معاشرتی ماحول میں ہوئی تھی جو نئے نظام میں بھولی بسری داستان بن چکا تھا اور پھر وقت کی اہم ترین ضرورت علوم دینیہ کا تحفظ اور اشاعت تھی بھلے ہی دوسرے علوم کی کیوں نہ قربانی دینی پڑے۔ اور اگر علوم حکمیہ کے ساتھ اعتنا کیا بھی تو یہ اعتنا صرف فلسفہ و معقولات تک محدود تھا، رہے ریاضی و ہیئت تو ان کے ساتھ بے اعتنائی بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی جس کی مثال میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کر چکا ہوں۔

مصلحین ملت کی دوسری جماعت قوم کی دنیوی ترقی پر زور دیتی تھی جس کے لیے علوم جدیدہ میں تبحر ضروری تھا، مگر یہاں بھی ملوکیت اپنی پیشہ کاریوں سے باز نہ آئی اور امت مسلمہ کو اپنے ثقافتی ماضی سے بے تعلق بنانے کے لیے جدید درسگاہوں میں قدیم ریاضی و

ہیئت کے ساتھ بے اعتنائی ہی نہیں برتی گئی بلکہ انھیں تضحیک و تفضیح کا موضوع بنایا گیا اور اس طرح اس خیر الامم کو دنیا کی ناکارہ ترین قوم ہونے کے احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔

غرض دوستوں کی دل سوزی اور بے گانوں کی نیش زنی دونوں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ ان علوم کی تعلیم بمنزلہ صفر ہو کر رہ گئی۔ مدارس عربیہ میں نام کے لیے ریاضی میں ''خلاصۃ الحساب'' اور ''تحریر اصول اقلیدس'' ''مقالہ اولیٰ'' اور ہیئت میں ''تصریح'' اور ''شرح'' چغمنی نصاب میں شامل رہیں مگر عملی تعلیم نہ ہونے کے برابر ہو گئی۔

یہ علمی ماحول تھا جس میں فاضل بریلوی نے آنکھ کھولی۔ مگر بعد کی تفصیل سے پہلے یہ بھی دیکھتے جائیں کہ انھوں نے اپنے اساتذہ سے کیا حاصل کیا؟ ریاضی و ہیئت میں فاضل بریلوی کی تعلیم اپنے پدر بزرگوار کے فیض تلمذ کا نتیجہ تھی جس کی تفصیل انھوں نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''الکلمۃ الملہمہ'' میں دی ہے۔ فرماتے ہیں:

''فقیر کا درس بحمدہ تعالیٰ تیرہ برس دس مہینے چار دن کی عمر میں ختم ہوا۔ اس کے بعد چند سال تک طلبہ کو پڑھایا۔ فلسفہ جدیدہ سے تو کوئی تعلق نہ تھا۔ علوم ریاضیہ و ہندسہ میں فقیر کی تمام تحصیل جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے چار قاعدے کہ بچپن میں اس غرض سے سیکھے تھے کہ فرائض میں کام آئیں گے۔ اور صرف شکل اول تحریر اقلیدس کی وبس جس دن یہ شکل حضرت اقدس حجۃ اللہ فی الارضین، معجزہ من معجزات سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، خاتم المحققین سیدنا الوالد (علامہ نقی علی خاں) قدس سرہ الماجد سے پڑھی اور اس کی تقریر حضور میں کی، ارشاد فرمایا: تم اپنے علوم دینیہ کی طرف متوجہ رہو، ان علوم کو خود حل کر لو گے۔''

یہ تھی کل کائنات ریاضی و ہیئت میں اساتذہ سے تحصیل کی۔ شیخ بو علی سینا کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے بھی اپنے استاد سے ریاضی و ہیئت کی بہت کم تعلیم حاصل کی تھی مگر بعد میں اپنے ذاتی مطالعہ سے اس میں چار چاند لگا لیے۔ مگر فاضل بریلوی کا معاملہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔ علوم دینیہ میں انہماک اتنا تھا کہ کسی اور طرف توجہ کی فرصت ہی نہیں ملی۔ خود فرماتے ہیں:

''آج 45 برس سے زائد ہوئے کہ بحمدہ تعالیٰ فلسفہ کی طرف رخ نہ کیا، نہ اس کی کسی کتاب کو کھول کر دیکھا۔''

لیکن اس عدم التفات و اعتنا کے باوجود شفیق استاد کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ چنانچہ

فرماتے ہیں:

''اللہ عزوجل اپنے مقبول بندوں کے ارشاد میں برکتیں رکھتا ہے۔ حسب ارشاد سامی بعونہ تعالیٰ فقیر نے حساب و جبرو مقابلہ ولوگارثم وعلم مربعات وعلم مثلث کروی وعلم ہیئت جدید، زیجات وارثماطیقی وغیرہا میں تصنیفات فائقہ اور تحریرات رائقہ لکھیں اور صدہا قواعد و ضوابط خود ایجاد کیے۔ تحدثاً بنعمۃ اللہ تعالیٰ بحمد اللہ تعالیٰ اس ارشاد اقدس کی تصدیق تھی کہ ان کو خود حل کرلو گے۔''

یہ میری بدقسمتی اور اس سے زیادہ کم ہمتی وکوتاہی تلاش و جستجو ہے کہ ان جواہر پاروں کی زیارت سے محروم رہا۔ لیکن جو بھی جواہر پارہ ملا اس سے اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ یہ محض مصنف علام کی تعلّی شاعرانہ نہ تھی، بلکہ ایک حقیقت نفس الامری ہے۔

جیسا کہ سابق میں عرض کیا گیا۔ ''جامع بہادر خانی'' اسلامی ہند کی ریاضیاتی عبقریت کا زروۂ کمال ہے اور فاضل بریلوی نے اس پر تعلیقات لکھیں۔ ظاہر ہے اس کتاب پر تعلیقات لکھنے کی جرأت وہی فاضل روزگار کرسکتا تھا جو اس کتاب کے مصنف کا مثیل و نظیر ہو، بقول مرزا غالب:

اے اسدان مہ جبینوں کے لیے چاہنے والا بھی اچھا چاہیے۔ فاضل بریلوی کے ایک عقیدت مند پروفیسر محمد مسعود احمد نے اپنے تعارفی مقدمہ بر رسالہ در علم لوگارثم میں لکھا ہے:

اعلیٰ حضرت کے ایک عقیدت کیش بھارت آئے اور انھوں نے مولانا خالد علی خاں سے فاضل بریلوی کے غیر مطبوعہ رسالہ کی نشر و اشاعت کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ موخر الذکر نے انہیں کوئی 62 مطبوعہ و غیر مطبوعہ رسائل دیے پروفیسر مسعود صاحب نے ان میں سے کوئی چالیس کتب و رسائل کے ناموں کی فہرست دی ہے (ص 9,10) صفحہ 10 پر نمبر 26 کے مقابل ''حاشیہ جامع بہادر خانی'' دیا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہم علمی جواہر پارہ ہنوز موجود ہے۔ فالحمد للہ علیٰ احسانہ۔

اس فہرست میں نمبر 28 کے مقابل ایک اور کتاب کا نام دیا ہے جو ''حاشیہ جامع بہادر خانی'' سے زیادہ اہم ہے۔ یہ ہے ''تعلیقات علی الزیج الایلخانی'' مقام شکر ہے کہ اس عاجز کے کرم فرما حضرت مولانا محمد احمد صاحب مصباحی صدر المدرسین فیض العلوم محمد آباد گوہنہ اعظم گڑھ نے کتاب ''تعلیقات الزیج الایلخانی'' کا زیروکس حاصل کر کے اس نیاز مند کو اس

کی زیارت کا موقع دیا ہے۔ فجزاھم اللّٰہ عنی خیر الجزاء. میں اس کا مطالعہ کر رہا ہوں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے عقیدت مندان کی جامعیت اور فضل و کمال کی جو بھی تعریف کرتے ہیں وہ عقیدت مندانہ مبالغہ آرائی پر موقوف نہیں ہے بلکہ واقعہ نفس الامری ہے۔

اصل کتاب ''زیج ایلخانی'' مسلمانوں کے ہیئتی ادب میں اپنا مخصوص مقام رکھتی ہے۔ یہ خواجہ نصیر الدین طوسی کی تصنیف ہے جن کی شخصیت سیاسی اور مذہبی طور پر کتنی ہی متنازع فیہ کیوں نہ ہو مگر علوم حکمیہ میں ان کا پایہ سامی مسلم ہے۔ ان کی جلالت قدر اور علوم حکمیہ کے باب میں ان کی ژرف نگاہی کے اعتراف کے نتیجہ میں قوم نے انہیں سب سے پہلے محقق کا خطاب دیا۔

اس سے قطع نظر کہ ''زیج ایلخانی'' نے اسلام کے ہیئتی ادب بالخصوص ازیاج (Astronomical Tables) میں ایک نئے انداز کا افتتاح کیا جس کا بعد کے ہیئت دانوں نے اتباع کیا۔ اس میں چار مقالے ہیں اور یہی انداز تبویب و تفصیل بعد کی زیجوں مثلاً الغ بیگ کی ''زیج جدید'' سلطان شاہ جہاں کے درباری منجم ملا فرید کی ''زیج شاہ جہانی'' اور راجہ جے سنگھ اور مرزا خیر اللہ مہندس کی ''زیج محمد شاہی'' میں اپنایا گیا ہے۔ (والفضل للمتقدم)

اور فاضل بریلوی کی ریاضیاتی عبقریت نے اپنے اظہار کے لیے اسی عظیم ہیئتی شاہکار کو منتخب کیا۔

چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل میں نمود تھی
پہلی پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی

اس انتخاب کی اہمیت اس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جب ہم فاضل بریلوی کی ریاضی و ہیئت میں علمی سرگرمیوں کو اس ماحول میں پرکھیں جب کہ ان کے بیشتر معاصرین یا تو ریاضی و ہیئت کے معقولات کو متروک التعلیم قرار دے کر علم و حکمت کی ترقی کو آگے بڑھانے کے بجائے پیچھے دھکیل رہے تھے۔ یا پھر زیادہ سے زیادہ صاحبان مطابع کی فرمائش سے حواشی لکھ رہے تھے۔ اس طرح فاضل بریلوی کی ریاضیاتی عبقریت اپنے حریفان پنجہ شکن کو بزبان حال للکار رہی تھی۔

من بے دیوان شعر تازیاں دارم زبر
تو نہ دانی خواند الاھبی بعجنک فالکمین

زیج ایلخانی میں چار مقالے تھے مگر فاضل بریلوی نے ان میں سے صرف مقالہ دوم پر تعلیقات لکھی ہیں۔ محقق طوسی نے زیج ایلخانی کو 1270ء کے قریب مکمل کیا تھا۔ اگلی صدی میں نیشاپور کے ایک فاضل نظام الدین اعرج نے ''کشف المعانی'' کے نام سے اس کی شرح لکھی، مگر اعلیٰ حضرت کی علمی دیانت داری لائق صد ہزار تحسین ہے کہ انھوں نے بکمال فراخدلی اس سے استفادہ کا اعتراف کیا ہے فرماتے ہیں:

یہ وہ تعلیقات ہیں جن کی...... میں نے علامہ نیشاپور نظام الدین اعرج نیشاپوری کی مشہور شرح سے جو ایک ٹھاٹیں مارتا ہوا سمندر ہے، خوشہ چینی کی ہے (ترجمہ)

حالاں کہ وہ بآسانی اس حقیقت کو چھپا سکتے تھے کیوں کہ اس کتاب کے نسخے بہت ہی کمیاب ہیں۔ مجھے صرف اس کے ایک نسخہ کا پتا چلا ہے۔ یہ رضا لائبریری رام پور میں ہے۔ مگر بحالات موجودہ میں اس کے مطالعہ کا شرف حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ اس لیے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ان ''تعلیقات'' میں کس قدر حصہ نظام الدین اعرج کی شرح سے ماخوذ ہے اور کتنا ان کی ذاتی تلاش و تحقیق کا نتیجہ ہے۔ اگر فاضل بریلوی کی تعلیقات کلیتاً نظام الدین اعرج کی شرح کا التقاط ہی کیوں نہ ہوں تب بھی اسلامی ریاضی و ہیئت پر ان کا بہت بڑا احسان ہے کہ کم از کم انہوں نے متقدمین کے سرمایہ کو برقرار تو رکھا، اپنے معاصرین کی طرح اسے ''متروک التعلیم'' بنا کر اسلاف کی کاوشوں کو (جس کے لیے انہوں نے خون جگر کھایا تھا) گوشہ خمول میں گمنام ہونے سے تو بچا لیا۔ **فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء.**

لیکن اتنا یقینی ہے کہ یہ تعلیقات کلیتاً نظام اعرج کی خوشہ چینی پر مشتمل نہیں ہیں بلکہ بہت کچھ ان کی (فاضل بریلوی) کی اپنی کاوش و جستجو کا بھی نتیجہ ہیں۔ انھوں نے ان ''تعلیقات'' میں نظام اعرج یا دوسرے متقدمین سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً زیج ایلخانی مقالہ دوم کی فصل اول ''آفتاب اور دیگر سیاروں کی حرکت وسطی'' کے استخراج پر ہے۔ محقق طوسی نے اس میں ان اوساط کے نکالنے کا طریقہ بیان کر دیا ہے۔ مگر فاضل بریلوی نے پہلے وسط کی حقیقت بتائی ہے۔ پھر مختلف سیاروں کے مختلف افلاک کی حرکتوں کی مقدار بتائی ہے۔ ممکن ہے یہ تفصیل نظام اعرج کی شرح سے ماخوذ ہو یا قدماء میں سے اور فضلاء مثلاً قاضی زادہ رومی شارح ملخص چغمنی سے۔ (مزید تفصیل بالخصوص ان ماخذوں سے استشہاد موجب تطویل ہوگا)

رہی اس باب میں فاضل بریلوی کی ذاتی کاوش و جستجو، اس کے سلسلے میں بطور

"نزدارے" ایک مثال پیش کی جا رہی ہے۔

نظام الدین اعرج ہوں یا ان کے پیش رو اور جانشین الغ بیگ (بلکہ ملا فرید اور امام ریاضی مصنف "تصریح شرح تشریح الافلاک") کے زمانہ تک ستاروں کی سیارات (Plane) اور ثوابت (Fixed Stars) میں تقسیم کے قائل تھے۔ سیارہ وہ ستارہ ہے جو رکت کرتا رہتا ہے اور ثوابت وہ ستارے ہیں جو اپنی جگہ ثابت رہے ہیں یا کم از کم دوسرے ثابت ستاروں کی نسبت سے اپنی "اوضاع" (Positions) تبدیل نہیں کرتے، چنانچہ "شرح تذکرہ" میں ہے۔

[(فلک الثوابت) کے ستاروں کو "ثوابت Fixed Stars تین وجھوں سے کہتے ہیں۔ یا تو ان کی حرکت ثانیہ بہت ہی قلیل ہے (نہ ہونے کے برابر ہے)۔ یا نزدیکی اور دوری اور آمنے سامنے ہونے کے اندر ان میں سے بعض کی وضع (Position) دوسرے کی نسبت ثابت (Fixed) رہتی ہے (بدلتی نہیں ہے۔) یا پھر حققدمین نے انھیں حرکت سریعہ (جو جملہ اجرام فلکی کو شامل ہے اور جس کے نتیجہ میں سبھی اجرام فلکی گردش کرتے ہیں) کے علاوہ کسی اور حرکت کے ساتھ متحرک نہیں پایا۔]

بقول مصنف "جامع بھادر خانی" یہ صورت حال الغ بیگ کی زیج جدید کے مرتب ہونے تک رہی۔ بلکہ یہی کیفیت 1730ء تک رہی جب کہ راجہ جے سنگھ کی سرپرستی میں "زیج محمد شاہی" مرتب ہو رہی تھی، چنانچہ اس میں خاتمہ کی فصل ہفتم میں لکھا ہے:

[جن ستاروں کو علم نجوم کی اصطلاح میں ثوابت (Fixed Stars) کہتے ہیں، حقیقت میں ثابت (Fixed) نہیں ہیں اور یہ بات (بھی ہے کہ) ان سب کی حرکت ایک سی نہیں ہے۔ بلکہ وہ اختلاف رکھتے ہیں]

لیکن "زیج محمد شاہی" میں اس سے زیادہ تفصیل نہیں ہے۔ مگر فاضل بریلوی کی جستجو نے مزید تفصیل بھی ڈھونڈ لی۔

"الکلمۃ الملھمۃ" میں فرماتے ہیں کہ یہ ثوابت صرف متحرک ہی نہیں بلکہ ان کی حرکتیں بھی مختلف ہیں۔ ثوابت کی چال باہم مختلف مرصود ہوئی ہے۔ زیج اجد میں بیاسی ثوابت کی چال منضبط کی ہے:

کوئی 63 برس میں ایک درجہ طے کرتا ہے جیسے عرقوب الدامی، کوئی 64 میں جیسے نسر

واقع، کوئی 65 میں جیسے رکبہ الدامی، کوئی 66 میں جیسے سہیل یمانی، نسر طائر، جوی الفرقد، کوئی 67 میں جیسے نیر الفلکہ، یوں ہی 82 برس تک اختلاف ہے۔ جب ایک درجہ میں 19 برس کا تفاوت ہے تو پورے دورے میں تقریباً سات ہزار برس کا فرق ہوگا۔"

یہ مختلف ستاروں کی رفتار نہ تو نظام اعرج کی شرح سے ماخوذ ہے، نہ اس کے کسی ہم عصر یا قریبی جانشین سے۔ اور یقیناً فاضل بریلوی نے جن کا دن مشغلہ تصنیف و تالیف میں اور رات قیام اللیل و تہجد گزاری میں گزرتی تھی خود اختر بینی و اختر شماری کی زحمت میں اس وقت عزیز کو نہ گنوایا ہوگا۔ یہ کسی اور کتاب سے ماخوذ ہے۔

غرض یہ تعلیقات محض نظام الدین نیشا پوری کی "شرح زیج ایلخانی" سے "اعتراف و التقاط" کا نتیجہ نہیں ہیں، بلکہ اس میں بہت کچھ فاضل بریلوی کی اپنی کدو کاوش اور جستجوئے پیہم کو بھی دخل ہے۔

فاضل بریلوی کے تبحر فی الریاضیات کے سلسلے میں ایک واقعہ مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ:

مرحوم ڈاکٹر ضیاء الدین کسی مسئلہ کے حل میں بڑے پریشان تھے اور اس سلسلے میں یورپ جانا چاہتے تھے مگر حضرت مولانا سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر وہ فاضل بریلوی کے پاس پہنچے اور انھوں نے اسے حل کر دیا۔

یہ واقعہ اتنے تواتر سے روایت کیا گیا ہے کہ اس کی صحت شکوک و شبہات سے بالاتر نظر آتی ہے پھر بھی ایک احتمال رہتا ہے کہ ممکن ہے ان کے عقیدت مندوں نے اسے مشہور کر دیا ہو۔ کیوں کہ جن حضرات نے اسے روایت کیا ہے وہ اس عبقری وقت کے عقیدت کیش ہی تھے۔

مگر کیوں کہ ڈاکٹر ضیاء الدین نے بریلی کا یہ علمی سفر مارہرہ شریف کے سجادہ نشین کے تعارفی خط کے ذریعہ کیا تھا اس لیے مجھے تلاش ہوئی کہ شاید درگاہ شریف میں کوئی تحریری شہادت مل جائے۔ مجھے ابھی درگاہ شریف کی زیارت کے لیے جانے کا تو موقع نہیں ملا لیکن اس خانقاہ کے ایک محترم فرد جناب عزیز الحسن صاحب نے مجھے اس سلسلے کی ایک اہم شہادت فراہم کی۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

'العلم' کراچی میں شائع شدہ ایک مضمون ہے جو نہ تو فاضل بریلوی پر ہے اور نہ

ڈاکٹر سر ضیاء الدین ہی پر ہے بلکہ ایک تیسرے بزرگ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف پر ہے۔ مضمون نگار کو ان سے عقیدت تھی۔ ان کے ذکر میں ضمناً یہ واقعہ بھی آ گیا ہے خود مضمون نگار کی ثقاہت شک وشبہہ سے بالا تر ہے۔ وہ (علی گڑھ) کے اولڈ بوائے ہونے کے علاوہ اپنے پیشہ کے اعتبار سے بھی قولاً وفعلاً قابل اعتماد ہیں۔ سید سلیمان اشرف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ: ان کے ایما ومشورے سے ڈاکٹر سر ضیاء الدین، ریاضی کے ایک اہم مسئلہ کا حل دریافت کرنے اعلیٰ حضرت کے پاس سید سلیمان اشرف صاحب کی معیت میں گئے تھے اور اعلیٰ حضرت نے باحسن وجوہ مسئلہ حل کر دیا تھا، حالاں کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم اس کے حل کے لیے یورپ جانا چاہتے تھے۔ جج صاحب نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد دونوں بزرگوں کے علم وفضل کی تعریف کی ہے۔

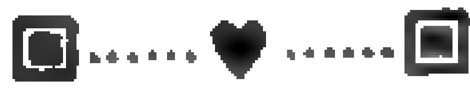
ایک مختصر تذکرہ ہے اس باکمال کا جس کے لیے جیسا کہ خود انھوں نے لکھا ہے۔

ریاضی ایک بات لچر سی بزبان دکنی تھی

ان کا اصل کمال علوم قرآن وحدیث کی شرح وتوضیح میں مضمر ہے۔ یقیناً وہ علم وحکمت کی اس کساد بازاری کے دور میں مستثنیات میں سے تھے جن کے متعلق اقبال نے لکھا ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

رب غفور ان پر اپنی ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین)



اسلام الدین قادری عزیزی (بڑی مسجد جگت والی 24 پرگنہ شمال، مغربی بنگال)

عالمی شہرت کی حامل عبقری شخصیت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

اگر چودھویں صدی ہجری میں عالم اسلام مذہبی وروحانی شخصیتوں کے احوال و کوائف کا جائزہ لیا جائے تو علم وعمل، عبادت وریاضت اور خدمت دین شرع متین کے اعتبار سے مشاہرین ومشائخین نظام کے نورانی قافلوں میں ایک وہ ذات بھی ہے جس کے ایمانی جلال و جمال نے ظلمت کدہ ماحول کو اپنے انوار وتجلیات سے منور وتابناک بنا رکھا ہے ان کا نام امام احمد رضا خان فاضل بریلوی ہے، اب سے چند برسوں سے یہ دیکھا جارہا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ماننے والوں کو غیر اور کچھ اپنے لوگ بھی 'رضا خانی' کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور بدعتی گردانتے ہیں حالاں کہ خود اعلیٰ حضرت نے ان باتوں کی سختی سے تردید فرمائی ہے جن باتوں کو شریعت مطہرہ سے دور کا بھی لگاؤ نہ ہو یعنی بے بنیاد اور بے اصل ہو۔ اقتضاءِ وقت کے پیش نظر ایک نظیر ملاحظہ کریں۔ یہ صفر المظفر کا آخری بدھ جس کو لوگ چہار شنبہ کے نام سے جانتے ہیں اور پتا نہیں کیا کیا کہتے سنتے ہیں لیکن جب فاضل بریلی سے پوچھا گیا تو آپ نے کھلے لفظوں میں مذمت کے اور ہونے والی رسومات کو لغو قرار دیا۔

اس طرح کے بہت سارے واقعات آپ کی تصنیف شدہ کتابوں میں دستیاب ہیں (مزید جانکاری کے لیے حضرت مولانا لیٰسین اختر مصباحی کی کتاب 'امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات' کا مطالعہ کریں) پھر بھی احمد رضا خان کو اور ان کے پیروکاروں کو بدعتی تصور کرنا نری جہالت اور خالص گناہ ہے جو قطعاً کسی مسلمان کے حق میں روا نہیں ہے لہذا حاسدین اپنے اعمال کا محاسبہ کریں۔ رہی بات عالمی شہرت کی اور دنیوی محبوبیت کی تو دیکھیے حدیث مبارکہ مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے مجھے فلاں آدمی سے محبت ہے تو بھی اسے محبوب رکھ پس جبرئیل اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر وہ آسمان میں ندا دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں اللہ تعالی فلاں شخص سے محبت کرتا ہے لہذا تم بھی اس سے محبت کرو پس اہل آسمان اس کو محبوب بنا لیتے ہیں پھر زمین میں اس کی قبولیت وشہرت لکھ دی جاتی ہے۔

گویا کہ یہ شہرت عطائے رب ہے جو سب کو معلوم ہے۔ اب ایک ایمان افروز واقعہ سماعت کیجیے جس کو موصوف مصباحی نے اپنی ایک دوسری کتاب میں حضور حافظ ملت بانی الجامعتہ الاشرفیہ مبارکپور کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے۔

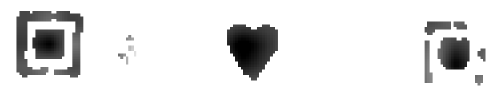
میری زندگی کا سب سے بہترین زمانہ دار الخیر اجمیر شریف کی حاضری کا دور طالب علمی ہے جس میں 9 سال تک سلطان الہند حضرت غریب نواز کے دربار میں حاضری نصیب ہوئی۔ اس مبارک زمانہ میں اکثر علما، مشائخ اور بزرگان دین کی زیارت میسر آئی تھی۔ انہیں بزرگوں میں حضرت دیوان سید رسول صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت خواجہ غریب نواز کے ماموں صاحب قبلہ دہلوی ہیں جو بڑے بلند پایہ بزرگ تھے، دیوان صاحب کے یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ موصوف کی خدمت میں میری حاضری ہوا کرتی تھی۔ وہ اکثر بزرگان دین کے واقعات بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت نے فرمایا کہ ماہ ربیع الثانی 1340 ہجری میں ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے۔ ان کی آمد کی خبر پاکر (میں نے) ان سے ملاقات کی۔ بڑی شان وشوکت کے بزرگ تھے۔ طبیعت میں بڑا ہی استغنا تھا۔ مسلمان جس طرح عربوں کی خدمت کیا کرتے تھے ان (شامی بزرگ) کی بھی خدمت کرنا چاہتے تھے نذرانہ پیش کرتے تھے مگر وہ قبول نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ بفضلہٖ تعالی میں فارغ البال ہوں مجھے روپے کی ضرورت نہیں۔

(مجھے) ان کے استغنا اور طویل سفر سے تعجب ہوا۔ عرض کیا حضرت یہاں ہندوستان تشریف لانے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا مقصد تو بڑا زریں تھا لیکن حاصل نہ ہوا جس کا افسوس ہے۔ واقعہ ہے کہ 25 صفر 1340 ہجری کو میری قسمت بیدار ہوئی۔ خواب میں نبی کریم کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں صحابہ کرام حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے۔ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ فداک ابی وامی کس کا انتظار ہے۔ ارشاد فرمایا 'احمد رضا کا انتظار ہے' میں نے عرض کیا۔ احمد رضا کون ہیں؟ فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔

بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا۔ مولانا احمد رضا خان بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقید حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا۔ میں ہندوستان آیا۔ بریلی پہنچا۔ معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا اور وہی 25 صفر 1340 ہجری ان کی تاریخ وصال تھی۔

میں نے یہ طویل سفر صرف ان کی ملاقات کے لیے کیا لیکن افسوس کہ ملاقات نہ ہو سکی اس سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی مقبولیت بارگاہ رسالت میں معلوم ہوتی ہے۔ یوں نہ ہو عاشقان رسول یوں ہی نواز ے جاتے ہیں۔

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا



ذیشان احمد مصباحی (مدیر ماہنامہ جام نور، دہلی)

امام احمد رضا قادری کا ایک بنیادی کارنامہ

امام احمد رضا محدث بریلوی کے مخالفین و موافقین کے نزدیک ان کا علم و فضل مسلم اور متفق علیہ ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی تقریباً تسلیم شدہ ہے کہ ان کے اندر سختی تھی، البتہ اس سختی کی تعبیر میں موافقین و مخالفین کا اختلاف ہے۔ موافقین اس شدت کو جلال فاروقی اور تصلب فی الدین کا نام دیتے ہیں جب کہ مخالفین اسے تشدد پسندی قرار دیتے ہیں۔

یہاں ایک بات نوٹ کرنے کی ہے کہ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس کے اندر علم جتنا زیادہ ہوگا اس کے اندر اتنی ہی زیادہ نرمی ہوگی۔ البتہ استثنائی طور پر تاریخ میں کچھ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ علم و فضل کے اعلیٰ مقام پر ہوتے ہوئے بھی مزاج میں شدت اور طبیعت پر جلال کا اثر غالب ہوتا ہے۔ امام احمد رضا قادری کی ذات بھی انہیں استثنائی مثالوں میں سے ایک ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری (پاکستان) نے اپنے خطاب میں اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ ''جو شخص صرف عالم و مبلغ ہوتا ہے اس پر رحمت اور رواداری غالب ہوتی ہے اور جو عالم اس کے ساتھ مصلح اور مجدد بھی ہو جس کا مشن سنت کا احیا اور بدعات و خرافات کا قلع قمع کرنا ہو، اس پر جلال غالب ہوتا ہے'' اس خیال سے بڑی حد تک اتفاق کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ فوجی اگر میدان کارزار میں رواداری برتے اور ڈاکٹر آپریشن کے وقت محبت کا اظہار کرے تو نتیجہ کیا نکلے گا اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔ ایسے مواقع کے لیے خود قرآن نے کہا ہے کہ ''تو ہونا یہ چاہیے کہ کفار تمہارے اندر شدت پائیں۔'' (التوبہ 123) اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا وہ کفار کے لیے بڑے ہی سخت ہیں۔'' (الفتح 29)

واضح رہے کہ یہ سختی مقام دعوت میں مطلوب نہیں ہے، بحث و مباحثہ کے بعض مواقع پر اور کفار کے شر سے بچنے بچانے کے لیے مقام دفاع میں مطلوب ہے اور یہ بات سمجھنے کی ہے کہ مجدد و مصلح کی حیثیت داعی سے کہیں زیادہ مجاہد اور دفاعی کی ہوتی ہے۔ اب سوال یہ

ہے کہ امام احمد رضا قادری کی بنیادی حیثیت کیا ہے؟ اور ان کا اصل کارنامہ کیا ہے؟ امام احمد رضا محدث بریلوی کے جملہ کارناموں کو سہولت کے لیے ہم تین خانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں (1) اعتقادیات (2) فروعیات (3) سیاسیات وسماجیات۔

فروعیات یا فقہیات میں جو کارنامے انہوں نے انجام دیے وہ تاریخی و اجتہادی نوعیت کے حامل ہیں وہ مکمل طور پر مسلک فقہی کے ایک پیروکار تھے اور مقلد حنفیت ہونے کے ساتھ اس مسلک کی جو گراں مایہ خدمات انجام دی ہیں، ان سے اس مسلک کا حسن دوبالا ہو گیا ہے اور اس کے مسافروں کے لیے روشنی، دل چسپی اور بصیرت کا سامان مہیا ہو گیا ہے، فتاویٰ رضویہ کا سرسری مطالعہ بھی اس دعویٰ کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔ علامہ اقبال نے بجا طور پر یہ اظہار خیال کیا ہے کہ: ''ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع و ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا، میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کے فتاویٰ ان کی ذہانت وفطانت، وجودت طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عدل ہیں۔'' (ڈاکٹر عابد احمد علی لیکچرر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے خود علامہ اقبال کا یہ بیان سنا اور یکم اگست 1968ء میں یہ بیان تحریر کیا جس کی فوٹو کاپی ہفت روزہ افق کراچی، شمارہ جنوری 1979ء میں شائع ہو چکی ہے۔)

مولانا ابوالحسن علی ندی لکھتے ہیں: ''فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر معلومات کے لحاظ سے اس زمانہ میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔'' (نزھۃ الخواطر 41/8 مطبوعہ حیدرآباد)

محدث بریلوی کے اگر دوسرے کارنامے نہ بھی ہوتے جب بھی ان کا فقہی کارنامہ انہیں زندہ جاوید رکھتا۔ سیاسیات وسماجیات کے حوالے سے بھی محدث بریلوی کے کارنامے بڑی اہمیت کے حامل ہیں، وہ سیاست کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھنے کے قائل تھے۔ شریعت و سیاست کی بھینٹ چڑھانا انہیں کبھی گوارا نہ ہوا، تحریک خلافت اور ترک موالات کے جب نعرے لگے، مسلمان جوش میں ہوش کھو بیٹھے بعض بڑے بڑے اصحاب کلاہ وریش اور مدعیان علم و دانش اس سیلاب میں تنکے کی طرح بہ گئے اور شرعی حدود وآداب کا پاس ولحاظ نہ کر سکے۔

امام احمد رضا بریلوی نے اس تناظر میں جو تجدیدی کارنامہ انجام دیا وہ بڑی حد تک حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کار تجدید سے میل کھاتا نظر آتا ہے، یہ ایک تفصیل طلب اور تحقیق طلب موضوع ہے۔ (تفصیل وتحقیق کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ امام احمد رضا اور جدید افکار وتحریکات مطبوعہ دارالقلم دہلی اور انگریز نوازی کی حقیقت مطبوعہ دارالقلم دہلی)

میری نظر میں امام احمد رضا محدث بریلوی کا سب سے بڑا کارنامہ اعتقادیات کے حوالے سے ہے، لیکن اسے بھی ہم تین خانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اول وہ جو فلسفہ، قدیمہ و جدیدہ کے رد میں ہے، دوم جو شان رسالت کے بیان واحیا سے متعلق ہے اور سوم وہ جس کا تعلق اہانت آمیز عبارتوں پر شرعی مواخذہ ہے۔ ردِ فلسفہ بجائے خود بہت بڑا کارنامہ ہے۔ محدث بریلوی کے معاصرین یا متاخرین علما کے یہاں اس کی نظیر نہیں ملتی، لیکن دوسری اور تیسری قسم کے اعتقادیاتی کارناموں کی ایسی شہرت ہوئی کہ یہ کام نسبتاً دب کر رہ گیا۔ سب سے زیادہ تشہیر شرعی مواخذہ کے تعلق سے ہوئی اور غلط طور پر بہت سے لوگوں نے اس کی تشہیر اس طرح کی کہ مولانا احمد رضا خاں بڑے متشدد تھے۔ حالاں کہ بتانے کی چیز یہ تھی کہ وہ معاملہ دین میں، خصوصاً عظمت توحید و رسالت کی تخفیف کے سلسلے میں وہ کسی رواداری کے قائل نہ تھے۔ کفر کی روش اختیار کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو، تحقیق وتفتیش، افہام و تفہیم اور توبہ و اصلاح کی کوشش کے بعد بھی وہ اپنی روش سے باز نہیں آتا، تو اس کی حوصلہ شکنی ہونی ہی چاہیے اور اس کے خلاف شرعی حکم جاری ہونا چاہیے۔ تاکہ دوسرے اس روش سے باز رہیں اور حق کا چہرہ بے غبار رہے۔ ابتدائے اسلام سے اب تک ہر دور میں اکابر علماء و مشائخ نے یہ کام کیا ہے، یہ اپنے آپ میں کوئی قابل مذمت عمل نہیں، بلکہ وقت ضرورت یہ فرض و واجب ہو جاتا ہے۔ محدث بریلوی نے بھی یہ کام کیا اور پوری جرأت، بے باکی اور ایمان داری سے کیا۔ وہ اظہار حق میں ہر ملامت سے بے پروا ہو گئے۔

جس کام کو محدث بریلوی نے بطور مشن انجام دیا، جسے میں ان کا بنیادی کارنامہ سمجھتا ہوں، اور جس کے اثرات بعد کے ادوار میں ظاہر ہوئے اور غیر شعوری طور پر ہی سہی ان کے مخالفین نے بھی ان اثرات کو قبول کیا (میری مراد اہانت رسول کے بین الاقوامی واقعات پر امت مسلمہ کے ردعمل سے ہے) وہ ہے عظمت و شان رسالت کا احیاء جس کی بنیاد سچے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قائم ہے، یہ کام واقعی اس لائق ہے کہ اسے فخریہ پیش کیا جا سکے۔ یہی وہ کارنامہ تھا جس کے پیش نظر خواجہ حسن نظامی دہلوی نے محدث بریلوی کی زندگی میں ہی کہا تھا: "شاید ان لوگوں (معترضین) نے دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اس کے مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم لکھا

ہے۔ جماعت صوفیہ علمی حیثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔" (امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں بحوالہ ہفت روزہ خطیب دہلی 22 مارچ 1951ء)

چراغ مصطفوی کے بغیر شاہراہ اسلام پہ کوئی ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا، مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات جان ایمان ہے۔ اگر ذات مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو درمیان سے ہٹا دیا جائے (والعیاذ باللہ) پھر اسلام کا تشخص مٹ جائے گا، اور مسیحی و یہودی پیشوا ہی نہیں، سوامی ویکانند سرسوتی اور دوسرے توحید پرست و ہنود بھی مسلمانوں کے رہبر ٹھہریں گے، پھر اسلام اور بولہبی میں کوئی زیادہ فاصلہ نہیں رہ جائے گا، اقبال نے یہی بات کہی ہے:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

ڈاکٹر جمیل جالبی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی نے امام احمد رضا کا امتیازی وصف اس طرح بیان کیا ہے۔"ان کا امتیازی وصف جو دوسرے تمام فضائل و کمالات سے بڑھ کر ہے وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ان کی تصنیفات و تالیفات میں جو چیز سب سے نمایاں ہے وہ یہی حب رسول ہے۔(ص 47 سالنامہ معارف رضا کراچی جلدی چہارم)

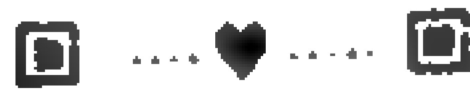
دم واپسیں انہوں نے جو وصیت کی ان کی تعلیمات کا حاصل کہا جا سکتا ہے۔"جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔(وصایا شریف، ص:3)

واضح رہے کہ محدث بریلوی کا یہ مشن ایسا نہ تھا جس میں وہ منفرد تھے، بلکہ تقویۃ الایمان کی اشاعت کے بعد پورا سواد اعظم (دہلی، بدایوں، فرنگی محل، پٹنہ، بریلی، رام پور، حیدر آباد، وغیرہ ہندوستان کے تمام دینی و علمی مراکز کے علماء مشائخ کا کاروان) اس مشن میں لگا ہوا تھا، محدث بریلوی کی انفرادیت فقط یہ ہے کہ اس مشن میں ان کی اپنی خدمات دوسروں کی بہ نسبت مقدار اور اہمیت دونوں لحاظ سے بڑھی ہوئی ہیں، نیز انھوں نے وہابیت کے نت نئے روپ کو بے نقاب کرنے میں بھی اپنی اسی دلچسپی اور جاہ و جلال کا مظاہرہ کیا۔ علاوہ ازیں بدعات وخرافات کے ازالے میں بھی ان کے تجدیدی کارنامے ہیں، تفصیل کے لیے مولانا

یسین اختر مصباحی (دہلی) کی کتاب ''امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات'' دیکھی جا سکتی ہے۔ بقول مولانا کوثر نیازی (پاکستان) ''کیا ستم ظریفی ہے کہ جو رد بدعات میں شمشیر برہنہ تھا، اسے خود حامی بدعات قرار دیا گیا، ان کے افکار و فتاوٰی کا مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ جتنی سخت مخالفت، خلاف پیغمبر راہ گزینی کی انھوں نے کی ہے، شاید ہی کسی اور نے کی ہو۔'' (امام احمد رضا بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت، ص16)

اب اس کے بعد قارئین کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا ہو گا کہ امام احمد رضا بریلوی کا سب سے بنیادی کارنامہ کیا ہے؟ اور میرا یہ دعوی کہ شان رسالت کا بیان واحیا اور وہابیت کا تعاقب ہی ان کا مرکزی کارنامہ ہے، مشکوک ہو گیا ہو گا۔ ممکن ہے قارئین مجھ سے اختلاف کریں، لیکن حقیقت یہی ہے کہ انھوں نے اپنی توانائیوں کا 90/فیصد حصہ اس پہلو پر صرف کیا، اس لیے کہ وہابیت کی بنیاد تنقیص شان رسالت پر ہے، اور عظمت شان ایمان کا مرکز ومحور ہے، اس طرح رد وہابیت یہ کوئی منفی عمل نہیں بلکہ شان رسالت کے بیان واحیا کی جہت سے دیکھا جائے تو یہ سراپا مثبت عمل ہے۔

حاصل گفتگو کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عہد اکبری میں جب شان الوہیت پر حرف گیری کی گئی تو دیگر علماء وفضلا کے ساتھ مجدد الف ثانی نے اس فتنے کو سرد کیا اور جب برطانوی دور میں شان رسالت میں تقصیر کا سلسلہ عام ہوا تو امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس کے خلاف اہل حق کی قیادت فرمائی...... آج جن لوگوں کو اسلام سے سچی محبت ہے اور جنہیں یقین حاصل ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر اسلام کا تصور نہیں کیا جا سکتا! ان پر لازم ہے کہ پیغام رضا کی اشاعت کو اپنا دینی فریضہ اور علمی مشن سمجھیں۔



غلام احمد رضا مصباحی (ریسرچ اسکالر، مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج بستی)

امام احمد رضا خان بریلوی کی اردو نثر نگاری

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی ایک ایسے درخشندہ، تابندہ اور ضیابار آفتاب کے مانند تھی جس سے نہ صرف برصغیر بلکہ اکناف و جوانب عالم کسب نور کر رہا تھا۔ ارشاد و ہدایت کا یہ مسند نشیں صبح سے شام تک گم کردہ راہوں کو منزل آشنا فرماتا تھا۔ جس نے اپنی متنوع الجہات و ہمہ گیر شخصیت کا لوہا منوا کر اعدا و مخالفین عالم کو اپنا مداح اور ثنا خواں ہونے پر مجبور کر دیا۔ یوں تو اس کی ہمہ دانی کا رائج الوقت سکہ چہار دانگ عالم میں جاری و ساری ہے اور تقریباً 71 علوم و فنون میں مہارت و کمال اور ان پر کامل عبور و دسترس رکھنے کا امتیاز زمانہ اسی کے سر رہا ہے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم اور ممتاز کڑی نثر نگاری بھی ہے۔

آپ کی نثری خدمات و تصانیف کا مطالعہ کرنے والا ہر فرد اگر تعصب و تنگ نظری کی عینک اور عقیدت کا خول اتار کر چشمان حقیقت بین سے مطالعہ کرے تو وہ برملا اس حقیقت کا اعتراف کرتا نظر آئے گا کہ آپ ایک صاحب طرز ادیب اور عمدہ نثر نگار ہیں۔ آپ اپنی نثر میں عربی، فارسی کے الفاظ اس خوبصورت اور نرالے انداز میں استعمال کرتے ہیں کہ قاری کو ذرا بھی ثقالت و ملالت کا احساس نہیں ہوتا۔ آپ کی نثر میں شاعرانہ حد تک رنگینی ہے جس نے بیان کو زوردار، بااثر اور معیاری بنا دیا ہے۔

ظالم و سفاک حکومت کی چیرہ دستیوں اور جبر و استبداد سے نبرد آزما مسلمانوں کی حالت زار کو ان کی مذہب بیزاری اور دین سے کنارہ کشی و علیحدگی کا پیش خیمہ قرار دیتے ہوئے ظالموں کے سر چڑھ کر بولتی جسارت اور قوم مسلم کی ناعاقبت اندیشی مآل سے روگردانی پر ماتم کناں ہوتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"بے گناہ مسلمانوں پر جو مظالم گزرے ہیں اور سلطنت ان کی حمایت نہیں کر سکتی، صدمہ کے لیے کیا کم تھے کہ اس سے بڑھ کر ترکوں کی اس تازہ تبدیل روش کا ذکر تھا جس نے

میرے خیال کی تصدیق کردی ان اللہ لایغیر مابقوم حتی یغیروا مابانفسھم

(فتاویٰ رضویہ، ج 21 ص 175)

پریشانی کے بعد آسانی اور رنج ومصیبت، کلفت واذیت کے بعد عیش وعشرت کی آس دلاتے اور صبر وشکیب کی تلقین کرتے ہوئے اپنے احساسات، خیالات اور جذبات کی حنا بندی کرتے، ذہن وفکر کو جھنجوڑتے اور قوم مسلم کو دعوت فکر دیتے اپنے خامئہ زرنگار سے یوں گوہر آب دار کی افشانی کرتے ہیں۔

''بہر حال بندگی بے چارگی، دعا کے ساتھ کیا چارہ ہے وہی جو ہمارا رب ہے ہماری حالت زار پر رحم فرمائے اور اپنی نصرت اتارے یہی جھٹکے جو پہنچ لیے انہیں پر زلزلوا زلزالا شدیدا کو ختم فرمادے اور الا ان نصر اللہ قریب کی بشارت سنا دے۔'' (فتاویٰ رضویہ، ص 177)

اس مقام پر اس امر سے مجال انکار نہیں کہ جس طرح نثری روانی اور زبان کی سلاست کو باقی وبرقرار رکھتے ہوئے آیات قرآنیہ کا برمحل اور بجا استعمال فرمادیا ہے وہ آپ ہی کا خاصہ شاملہ ہے۔

اس فانی وزوال پذیر دنیائے نشاط میں جاہ طلبی اور ذخیرہ اندوزی دولت وثروت کی وباء عام ہے۔ ہر شخص حصول ثروت وغنا کی فکر میں سرگرداں وہراساں نظر آتا ہے اور اس کے لیے ہر طرح کے جائز وناجائز طریقہ کار اختیار کرتا دکھائی دیتا ہے اور پر لطف یہ کہ دولت وثروت کے حصول کے بعد اپنی مفلسی کے ایام فراموش کر دیتا ہے۔ اور دوسرے مفلس، قلاش اور فکر معاش سے پریشاں حال افراد کو دیکھ کر ان پر طنز کرتا اور انھیں ذلت وخواری کے غار عمیق میں دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے اور عاقبت وانجام اخروی کی یکسر پروا نہیں۔ ایسے افراد کو فکر عاقبت پر برانگیختہ کرتے اور حالات کا رونا روتے ہوئے نوک قلم کو یوں حرکت دیتے ہیں:

''اکثر امرا کی یہ حالت کہ انھیں اپنے ناجائز عیش سے کام ہے، ناچ رنگ وغیرہ بے حیائی یا بے ہودگی کے کاموں میں ہزاروں لاکھوں اڑا دیں وہ نام وری ہے ریاست ہے مرتے بھائی کی جان بچانے کو ایک خفیف رقم دینا ناگوار اور جنھوں نے بینکوں سے سیکھ کر لین دین شروع کیا وہ جائز نفع کی طرف توجہ کیوں کریں۔ دین سے کیا کام، اللہ ورسول کے احکام سے کیا غرض؟ ختنہ نے انھیں مسلمان کیا اور گوشت نے مسلمانی قائم رکھی اس سے زائد کی کیا

ضرورت۔ نہ انھیں مرنا ہے نہ اللہ واحد قہار کے یہاں جانا ہے نہ اعمال کا حساب دینا۔"
(فتاویٰ رضویہ، ص 178)

دل جو حسرت و یاس، مسرت وشادمانی، تکلیف و پریشانی، چاہتوں اور خواہشوں اور ارمانوں، آرزوؤں اور تمناؤں کا حسین امتزاج لیے ہمہ وقت انسان کو متنوع و بوقلموں خیالات، افکار، جذبات اور احساسات کی دعوت دیتا ہے اور جو دو جہاں کے راز ہائے سربستہ کو اپنے جلو میں پنہاں و پوشیدہ رکھے ہوئے ہے اس کے متعلق آپ کے الفاظ کا دروبست قاری کے ذہن وفکر کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ فرماتے ہیں:

"قلب وہ عضو ہے کہ سلطان اقلیم بدن ومحل، عقل وفہم ومنشا، قصد و اختیار، رضا و انکار ہے ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند۔" (فتاویٰ رضویہ، ص 194)

بے علمی و نادانستگی اور جہالت و نادانی کے سبب اعتراض معترضین تنقید ناقدین اور تبصرہ مبصرین پر تازیانہ بازی کرتے قلم کے تیور کا غضب ناک رخ اس طور پر قابل نظارہ ولائق مطالعہ ہے:

جاہل اپنی جہالت یا حق کی عداوت سے اعتراض کے لیے منہ کھول دیتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کا اعتراض کہاں کہاں پہنچا۔ انبیاء و مرسلین و ملائکہ ومقربین وخود حضور سید العالمین و قرآن عظیم سب پر اعتراض ہوا صلی اللہ تعالیٰ علی المصطفیٰ وعلیہ وبارک وسلم۔"
(فتاویٰ افریقہ، ص 34)

آپ کی نثری خصوصیات میں اس وصف کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ الفاظ کی استخواں بندی ودروبست اور جملوں کی ساخت بسا اوقات قاری کے ذہن وفکر پر اس کی مجموعی ترتیب وترکیب اور اس کا نظم ونسق یک گونہ لطافت وشیرینی کا باعث ہوتا ہے جو اس کے بربط دل کو محظوظ کرتا اور اسے بے ساختہ مدح وثنا پر مجبور کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی تحریر کی یہ کڑی ملاحظہ ہو:

"سننے کا سبب ہوائے گوش کا متشکل بشکل آواز ہونا ہے اور اس کے تشکل کا سبب ہوائے خارج متشکل کا اسے قرع کرنا اور قرع کا سبب بذریعہ تموج حرکت کا وہاں پہنچنا۔ ذریعہ حدوث قلع وقرع ہیں اور وہ آتی ہیں حادث ہوتے ہی ختم ہو جاتے ہیں اور وہ شکل و کیفیت جس کا نام معدات ہیں جن کا معلول کے ساتھ رہنا ضروری نہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج 9 ص 15 نصف آخر)

سرکاری امداد و اعانت سے بہرہ مند و نفع اندوز ہونے کو نہ صرف جائز بلکہ اس کی ترغیب وتشویق کا خوبصورت انداز بھی قابل ملاحظہ ہو۔ آپ رقم طراز ہیں:

''الحاق واخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام ومخالف شریعت سے مشروط، نہ اس کی طرف منجر ہو تو اس کے جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز وحرام ہوگا۔''

(فتاویٰ رضویہ، ص 280)

اور دوسری طرف ان کے قائلین عدم جواز کی نادانی وکم عقلی اور ان کی الٹی منطق پر اظہار تاسف، زجر و توبیخ، شور وفغاں، ماتم و واویلا اور راز درون خانہ کی غمازی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''سبحان اللہ! امداد تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے وہ بھی یہیں کا ہے تو حاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور از خود نفع لینا ممنوع، اس الٹی عقل کا کیا علاج؟'' (فتاویٰ رضوی، ص 280)

دنیا و آخرت کے مابین خط امتیاز کھینچتے اور اس میں بون بعید محوظ ظاہر کرنے اور پوشیدہ الفاظ میں اس کی لذتوں میں عاقبت کو نہ بھولنے اور ہر وقت انجام و آخرت کو پیش نظر رکھنے کا احساس دلاتا آپ کے خامہ عنبر شمامہ کی بھینی بھینی خوشبو، یوں اپنی علیحدہ شناخت کراتی نظر آتی ہے:

''انسان اپنے قدموں کے نیچے دیکھتا ہے، آگے نظر نہیں کرتا، یہاں کے آرام کو آرام سمجھتا ہے اور یہاں کی تکلیف کو تکلیف حالانکہ بہت سے آرام یہاں کے وہاں کی تکلیف ہیں اور بہت سی یہاں کی تکلیف وہاں کے آرام ہیں۔''

(الملفوظ، حصہ چہارم، ص 28)

سمت قبلہ سے انحراف کی صورت میں اعادۂ صلاۃ کی حاجت نہ ہونے کے خیال کا رد کرتے اور احکام شرعیہ سے نادانی و جہالت پر زجر و توبیخ فرماتے ہوئے اس خوبصورت انداز میں الفاظ کے موتی پروئے ہیں کہ بے ساختہ دل سے دعائیہ کلمات نکلتے ہیں۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

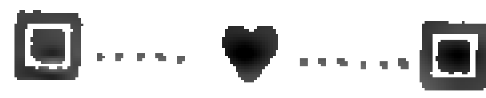
''جہل عدم اعادہ کا سبب نہیں ہوسکتا، جہل خود گناہ ہے ہمارے علما نے احکام شرعیہ شرق سے غرب تک روشن کر دیے اور قرآن عظیم میں فرمایا فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون تمھیں نہ معلوم ہو تو جاننے والوں سے سیکھو اب نہ جاننے والوں کی غلطی ہے کہ اس نے کیوں نہ سیکھا، کیوں نہ پوچھا؟ ان نمازوں کا اعادہ ضرور ہے۔ (الملفوظ ج 1 ص 20)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معارف ومعلومات اور ان کے علوم وادراکات کا بیان کرتے ہوئے یوں گل فشاں ہیں:

''بلا شبہہ یہ رویت ومعرفت جمیع مکنونات قلم ومکتوبات لوح کو شامل ہے جس میں سب ماکان و مایکون من الیوم الاول الی یوم الآخر و جملہ ضمائر خواطر سب کچھ داخل۔''

(الملفوظ ص 24)

یہ تمام مثالیں آپ کے نثری شہ پاروں کی ادنیٰ سی جھلک ہیں جن سے یہ امر بخوبی ہویدا ہوتا ہے کہ آپ کی نثر اسی رنگ و آہنگ میں ڈھلی ہوئی ہے جس سے آپ کے فن نثر نگاری میں ایک باکمال ادیب ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ ساتھ ہی ان نثری شہ پاروں نے اردو نثر کو رواج عام اور شہرت ومقبولیت ادا کرنے میں جو اہم رول ادا کیا وہ کسی سے مخفی نہیں اور یہ اردو نثر پر ان کا احسان عظیم ہے جسے اہل اردو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔



محمد مبشر حسن مصباحی (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

امام احمد رضا خاں کی اقتصادی بصیرت

ہر دور میں ایسی شخصیات ضرور منظر عام پر آتی ہیں جن کے وجود میں مذہب و ملک کا افتخار اور ان کے دلوں میں قوم کا درد اور ملت کی فکر ہو، بلاشبہہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی انھیں مقدس ہستیوں میں سے ایک ہے۔ موصوف صرف تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، صرف، منطق و بلاغت ہی میں ماہر نہ تھے بلکہ انہیں درجنوں عصری علوم پر بھی کمانڈ حاصل تھا، علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی سے بھی اچھی طرح واقف تھے، سیاسی، سماجی، نباض اور بڑے مدبر و مفکر بھی تھے۔ ہم یہاں ان کی کچھ اقتصادی بصیرتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی کو دور کرنے کے لیے اپنے رسالہ ''تدبیر فلاح و نجات اصلاح'' میں چند اہم نکات کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

1- ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصلہ کریں، تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں۔

2- بمبئی کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

3- مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہے، اپنی حرفت و تجارت کو ترقی دیں تاکہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہیں۔

4- علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔

یہ چار نکات بظاہر بے حد مختصر ہیں لیکن ان میں معانی کا انبار ہے۔ جیسا کہ پروفیسر رفیع اللہ صدیقی نے اعتراف کیا ہے: ''کہ میں بحیثیت معاشیات کے طالب علم ان نکات کی وضاحت کروں، یہ کام بہت بڑا ہے۔ اگرچہ گزشتہ بیس سال سے معاشیات پہ درس دے رہا ہوں لیکن اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ میرا علم بہت محدود ہے''

(ضمیمہ تدبیر فلاح ونجات واصلاح)

1912ء میں جب یہ نکات شائع ہوئے تو اس وقت برصغیر میں علم معاشیات کا مطالعہ عام نہیں تھا، دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک (Countries) مثلاً انگلینڈ، امریکا، فرانس، اور جرمنی وغیرہ میں دانشوروں کے ایک مخصوص حلقہ کو اس علم سے رغبت تھی لیکن عوام کی توجہ اس کے متعلق بہت کم تھی۔ طلبہ اس کو خشک سمجھ کر اس سے دور ہی رہتے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد خاص کر 30-1929ء کے بعد عالمی سرد بازاری کی وجہ سے عوام اور حکومتوں کی دلچسپی کا آغاز ہوا۔ 1936ء میں ایک انگریز ماہر اقتصادیات جے ایم کینز نے اپنا ''نظریہ روزگار و آمدنی'' پیش کیا جو معاشیات کے میدان میں ایک انقلاب کا سبب بنا، مصنف کو ان کی خدمات کے بدلے تاج برطانیہ نے ''لارڈ'' کے خطاب سے نوازا۔

ناظرین اب اندازہ لگائیں کہ جدید معاشی نظریات کی ابتدا1936ء کے بعد سے ہوئی، لیکن یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک 1912ء ہی میں فاضل بریلوی نے دکھادی تھی۔

تقدیر امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

اگر 1912ء سے امام احمد رضا کے نکات پہ غور کیا جاتا اور ان پر عمل کیا گیا ہوتا تو ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت معاشی اعتبار سے انتہائی مستحکم ہوتی۔

آیئے اب ہم الگ الگ نکتے پہ غور کرتے ہیں(1) ''ان امور کے علاوہ جس میں حکومت دخل انداز ہے اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہورہے ہیں پس انداز ہوسکیں'' اس نکتے میں امپورٹنیٹ پوائنٹ(Important Point) ''پس اندازی'' ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسراف کی مذمت آج سے چودہ سال پہلے ہی کر دی تھی، جدید ماہرین اقتصادیات فضول خرچی کی بے حد مذمت کرتے ہیں، بلکہ خود قرآن پاک میں اس بات کی سخت مذمتیں کی گئی ہیں۔ ترجمہ: (انعام 114) اسراف نہ کرو، اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا'' (بنی اسرائیل: 26-27)

ترجمہ:

فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے

رب کا ناشکرا ہے۔

اگر برصغیر کے مسلمانوں کی بیسویں صدی عیسوی میں تقسیم ہند سے پہلے تک کی اقتصادی حالات کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ مسلمانوں نے باہمی مقدمہ بازی پر کروڑوں روپے ضائع کیے۔ فاضل بریلوی کے پہلے نکتے سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ وہ مقدمہ بازی پر کیے جانے والے اخراجات ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پہلی بات تو اس طرح مسلمانوں میں نفرت و عداوت کا جذبہ کارفرما ہو جاتا ہے۔ دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ یہ کروڑوں روپے جو بے جا خرچ ہو رہے تھے کاش مسلمان انھیں اپنی فلاح و بہبود پر خرچ کرتے تو معاشی بحران سے دوچار نہ ہوتے۔

(2) دوسرا نکتہ ہے۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس حیدر آباد دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

یہ نکتہ کئی جہتوں سے اہمیت کا حامل ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ قرآن پاک کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔ (بقرہ: 177) ترجمہ: اور مال دے اللہ کی محبت میں اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور مدد مانگنے والوں اور خرچ کرو غلامی سے لوگوں کی گردنیں چھڑانے میں۔ ..... دوسری بات یہ ہے کہ بچت اور بینک ہماری اقتصادی زندگی کے لیے کس قدر اہم ہے آج یہ بالکل واضح ہے بلکہ یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ مستحکم بینکنگ نظام ملکی معیشت کو تازہ وصحت مند خون فراہم کرتا ہے۔ یہ سوچ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ 1912ء میں صرف ہندوستان کے چند بڑے بڑے شہروں میں بینک قائم تھے جن کی ملکیت انگریزوں کے ہاتھوں میں تھی۔ اسی وقت امام احمد رضا خاں کی دوراندیش نگاہ نے مستقبل میں دیکھ لیا تھا کہ بچت اور بینک کی اہمیت کس قدر ہے۔

انھوں نے صرف اسراف سے بچنے کی تلقین نہیں کی، بلکہ مالدار مسلمانان ہند سے گزارش کی کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بینک قائم کریں تاکہ باصلاحیت مسلم تاجروں کو سرمایہ فراہم ہو سکے اور صنعت کاری میں ترقی کر سکیں، اور کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی، بچائی ہوئی رقم محفوظ کر سکیں۔

(3) تیسرا نکتہ ہے "مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں کہ گھر کا نفع گھر ہی رہتا ہے۔ اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دینے میں کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج

نہ رہیں۔''

فاضل بریلوی کا یہ تیسرا نکتہ معاشی اعتبار سے انتہائی اہم ہے، لیکن مسلمانوں نے نہ تو اس اصول کو سمجھا اور نہ ہی اس پر عمل کیا، لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد اس جنگ سے متاثر ہونے والے ممالک نے اس پر پورا پورا عمل کیا۔ آج یہ ممالک بڑے مضبوط اور مالدار مالکوں میں شمار کیے جاتے ہیں چونکہ اس طرح کرنے سے گھر کی دولت گھر میں ہی رہتی ہے۔ روزگار میں اضافہ ہوتا ہے، مزید محبت وعقیدت کا فروغ ہوتا ہے۔ امام احمد رضا خاں اس طرح مسلمانوں کو معاشی تحفظ دینا چاہتے تھے۔

مسلمانان ہند اگر ان ارشادات پر عمل کرتے تو ان کے اقتصادی حالات (economic conditions) کیا ہوتے؟ ان کی صنعت کاری میں کتنا اضافہ (Progress) ہوا ہوتا، لیکن افسوس ہم نے اس شمع ہدایت کو نظر انداز کر دیا۔ اسے ہم صرف اپنی حرماں نصیبی کہہ سکتے ہیں جو یقیناً ایک افسوسناک امر ہے۔

(4) علم کی ترویج واشاعت کریں۔ امام احمد رضا خاں اپنے نکات بیان کرنے کے بعد ان پر مسلمانوں کا کتنا عمل ہے؟ ان کا تجزیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں'' چہارم۔ حال نا گفتہ بہ ہے کہ انٹر پاس کو رزاق مطلق سمجھا ہے، وہاں نوکری میں عمر کی شرط، پاس کی شرط، پھر پڑھائی وہ مفید کہ عمر بھر کام نہ آئے، نہ اس نوکری میں اس کی حاجت پڑے، اپنی ابتدائی عمر کہ وہ تعلیم کا زمانہ ہے یوں ہی گنوائی، اب پاس ہونے میں جھگڑا ہے، تین تین بار فیل ہوتے ہیں اور پھر لیٹے جاتے ہیں۔ پھر تقدیر سے پاس ہو بھی گئے تو اب نوکری کا پتا نہیں اور ملی بھی تو صریح ذلت کی، اور رفتہ رفتہ دنیوی عزت کی بھی پامالی، تو وہ عند الشرع ہزار ذلت، کہیے پھر علم دین سیکھنے اور دین حاصل کرنے اور نیک و بد میں تمیز کرنے کا کون سا وقت آئے گا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کو مضحکہ سمجھتے ہیں، اپنے باپ، دادا کو جنگلی، وحشی، بے تمیز، گنوار، نالائق، بیہودہ، احمق، بے خبر، جاننے لگتے ہیں۔ بغرض غلط اگر یہ ترقی بھی ہوئی تو نہ ہونے سے کروڑ درجے بدتر ہوئی۔ کیا تم علم دین کی برکتیں ترک کرو گے؟

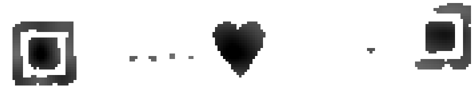
(الفتاویٰ الرضویہ ج 15 مطبع برکات رضا پور بندر گجرات)

دراصل یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان مغربی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کوشاں و پیش رفت تھے۔ انگریزی تعلیم کا حصول بذات خود ایک اچھی بات تھی لیکن تشویشناک بات یہ تھی کہ

انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوان نسل مغربی تہذیب کے نشے میں بدمست ہوتی جا رہی تھی، اسی وقت فاضل بریلوی نے مستقبل میں جھانک لیا مسلمان اگر علم دین سے بے بہرہ ہو گئے تو اپنی حیثیت اور انفرادیت کو بھی بھول جائیں گے۔

آج بھی اگر ہندوستانی مسلمان اپنے ہمدرد مدبر کے اقتصادی نکات کو دلوں میں جگہ دیں اور عمل کرنا شروع کر دیں تو حالات بدل سکتے ہیں اور معاشی بدحالی دور ہو سکتی ہے۔

ایک پتھر کی بھی تقدیر بدل سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ قرینے سے تراشا جائے



ساجد علی مصباحی (الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ)

امام احمد رضا کی ملّی و اجتماعی ہدایات

امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ تیرہ سال، دس ماہ اور پانچ یوم کی مختصر سی عمر میں تمام مروجہ درسی علوم و فنون کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور اسی دن منصب افتا آپ کو سپرد کر دیا گیا۔ جس کی ذمہ داریاں آپ حیات مستعار کی آخری بہاروں تک بے پناہ اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ نبھاتے رہے۔ آپ نے فتویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف کے ساتھ مسلمانوں کی ملی و اجتماعی اصلاح و ہدایت کی طرف بھی اپنے سمندِ قلم کو خوب مہمیز کیا۔ مسلمانوں میں در آئی بے راہ روی کو ختم کرنے اور غلط رسم و رواج کو مٹانے کی سعی بلیغ فرمائی۔

اس تعلق سے آپ کی خدمات کے چند گوشے بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' ہدیہ قارئین کرتے ہیں اور تفصیل کے لیے مآخذ کی طرف مراجعت کی دعوت پیش کرتے ہیں۔

مراسم شادی

جشن شادی میں در آئی غلط رسموں کے تعلق سے ایک استفتا کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں: ''آتش بازی جس طرح شادیوں اور شب برات میں رائج ہے بے شک حرام اور پورا جرم ہے۔ کہ اس میں تضییع مال ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو ''شیطان کا بھائی'' فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح یہ گانے باجے کہ ان بلاد میں معمول و رائج ہیں بلاشبہہ ممنوع و ناجائز ہیں۔ خصوصاً وہ ناپاک ملعون رسم جسے احمق جاہلوں نے شیاطین ہنود، ملاعین بے بہبود سے سیکھی۔ یعنی فحش گالیوں کے گیت گوانا اور مجلس کے حاضرین و حاضرات کو لچھے دار سنانا، سمدھیانہ کی عفیف، پاک دامن عورتوں کو الفاظ زنا سے تعبیر کرنا کرانا: خصوصاً اس ملعون بے حیا رسم کا مجمع زناں میں ہونا، ان کا اس ناپاک فاحشہ حرکت پر ہنسنا، قہقہے اڑانا، اپنی کنواری لڑکیوں کو یہ سب کچھ سنا کر بدلحاظیاں سکھانا، بے حیا، بے غیرت، خبیث، بے حمیت مردوں کا اس شہد پن کو جائز رکھنا۔ کبھی برائے نام لوگوں کے دکھاوے کو جھوٹ سچ ایک آدھ بار جھڑک

دینا مگر بندوبست قطعی نہ کرنا، یہ شنیع گندی مردود رسم ہے جس پر صد بار لعنتیں اللہ عزوجل کی اترتی ہیں۔ اس کے کرنے والے، اس پر راضی ہونے والے، اپنے یہاں اس کا کافی انسداد نہ کرنے والے سب فاسق، فاجر، مرتکب کبائر، مستحق غضب جبار وعذاب نار ہیں۔ والعیاذ باللہ تبارک وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت بخشے۔ آمین۔

جس شادی میں یہ حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز شریک نہ ہوں۔ اگر نادانستہ شریک ہو گئے تو جس وقت اس قسم کی باتیں شروع ہوں اور ان لوگوں کا ارادہ معلوم ہو، سب مسلمان سردوں، عورتوں پر لازم ہے کہ فوراً فوراً اسی وقت اٹھ جائیں اور اپنی جورو، بیٹی، ماں، بہن کو گالیاں نہ دلوائیں، فحش نہ سنوائیں۔ ورنہ یہ بھی ان ناپاکیوں میں شریک ہوں گے اور غضب الٰہی سے حصہ لیں گے۔ والعیاذ باللہ رب العلمین۔"

(فتاویٰ رضویہ 77/9 ملخصاً، رضا اکیڈمی ممبئی)

عورتوں کا مزاروں پر جانا

مزار پر عورتوں کے جانے کے متعلق سے ایک سوال کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

"غنیۃ میں ہے۔ یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزاروں پر جانا جائز ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے۔ جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔ سوائے روضہ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔ وہاں کی حاضری البتہ سنت جلیلہ عظیمہ قریب بواجبات ہے اور قرآن عظیم نے اسے مغفرت ذنوب کا تریاق بتایا۔

خود حدیث میں ارشاد ہوا! جو میرے مزار کریم کی زیارت کو حاضر ہوا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ دوسری حدیث میں ہے: جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا بے شک اس نے مجھ پر جفا کی۔ ایک تو یہ اداے واجب دوسرے قبول توبہ، تیسرے دولت شفاعت حاصل ہونا، چوتھے سرکار کے ساتھ معاذ اللہ جفا سے بچنا۔ یہ عظیم اہم امور ایسے ہیں جنھوں نے سب سرکاری غلاموں اور سرکاری کنیزوں پر خاک بوسی آستان عرش نشان لازم کر

دی، بخلاف دیگر قبور و مزارات۔ کہ وہاں ایسی تاکیدیں مفقود اور احتمال مفسدہ موجود۔ اگر عزیزوں کی قبریں ہیں بے صبری کرے گی۔ اولیا کے مزار ہیں تو محتمل کہ بے تمیزی سے بے ادبی کرلے۔ یا جہالت سے تعظیم میں افراط۔ جیسا کہ معلوم و مشاہدہ ہے۔ لہٰذا ان کے لیے طریقہ اسلام احتراز ہی ہے۔ بدریا در منافع بے شمار است اگر خواہی سلامت بر کنار است (الملفوظ کامل ص 240 ملخصاً، رضوی کتاب گھر دہلی)

مسلمانوں کے لیے راہ تجارت

جس وقت ترکوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے اور سرزمین ہند پر ان مظلوموں کی امداد کی ترکیبوں پر غور کیا جارہا تھا۔ یورپین مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے کی تجویز پیش کی جارہی تھی۔ 1912ء میں کلکتہ کے ایک صاحب نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے بذریعہ تحریر عرض کیا: حضور آج کل مسلمانوں کو کیا کرنا ہے اور امداد ترک کا کیا طریقہ ہو؟

اس کے جواب میں آپ نے "رسالہ تدبیر فلاح ونجات واصلاح" تحریر فرمایا، جو کامل طور پر ایک اسم بامسمیٰ ہے۔ اور یقیناً اس میں ایسی ہدایتیں ہیں کہ اگر آج بھی مسلمان ان پر عمل پیرا ہوجائیں تو ان کے لیے اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کچھ مشکل نہ ہوگی۔ اس رسالہ کا ایک مختصر حصہ درج ذیل ہے:

"بہتر ہے کہ مسلمان اپنی سلامت روی پر قائم رہیں، کسی شریر قوم کی چال نہ سیکھیں، اپنے اوپر مفت کی بدگمانی کا موقع نہ دیں۔ ہاں! اپنی حالت سنبھالنا چاہیے۔ تو ان لڑائیوں پر کیا موقوف تھا؟ ویسے ہی چاہیے تھا کہ:

اولاً: باستثنا معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے آپ طے کرتے۔ یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ ووکالت میں گھسے جاتے اور گھر کے گھر تباہ ہوگئے اور ہوئے جاتے ہیں محفوظ رہتے۔

ثانیاً: اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے۔

ثالثاً: ممبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولتے۔ سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے

ہیں، جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے۔ اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب کفل الفقیہ الفاہم میں چھپ چکا ہے۔ ان جائز طریقوں پر نفع بھی لیتے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں بنیوں کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں ان سے بھی محفوظ رہتے۔

رابعاً: سب سے زیادہ اہم سب کی جان، سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کا مضبوط رسی کی گرفت نے اگلوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا، چار دانگ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نان شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں گرایا۔ انا للہ وانا الیہ رٰجعون، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ دین متین علم دین کے دامن سے وابستہ ہے۔ علم دین سیکھنا، پھر اس پر عمل کرنا اپنی دونوں جہان کی زندگی جانتے وہ انھیں بتادیتا کہ اندھو! جسے ترقی سمجھ رہے ہو سخت تنزلی ہے، جسے عزت جانتے ہو اشد ذلت ہے۔ مسلمان اگر یہ چار باتیں پکڑ لیں تو ان شاء اللہ العزیز آج ان کی حالت سنبھل جاتی ہے۔

اہل الرائے ان وجوہ پر نظر فرمائیں اگر میرا خیال صحیح ہو تو ہر شہر و قصبہ میں جلسے کریں اور مسلمانوں کو ان چار باتوں پر قائم کر دیں پھر آپ کی حالت خوبی کی طرف نہ بدلے تو شکایت کیجیے۔ یہ خیال نہ کیجیے کہ ایک ہمارے کیے کیا ہوتا ہے۔ ہر ایک نے یوں ہی سمجھا تو کوئی کچھ نہ کرے گا، بلکہ ہر شخص یہ تصور کرے کہ مجھے کرنا ہے یوں ان شاء اللہ سب کریں گے۔ چند جگہ جاری تو کیجیے پھر خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ خدا نے چاہا تو عام بھی ہو جائے گا۔ اس وقت آپ کو اس کی برکات نظر آئیں گی۔ اے رب! ہماری آنکھیں کھول اور اپنے پسندیدہ راستہ پر چلا۔ الخ

(فتاوی رضویہ 177/12۔ ملخصا، رضا اکیڈمی ممبئی)

شراب نوشی

ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ جو شخص شراب پیے وہ کیسا ہے؟ اس کے
● جواب میں آپ نے احادیث کی روشنی میں جو وضاحت فرمائی وہ تمام مسلمانوں کے لیے درس عبرت ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ”شراب حرام اور پیشاب کی طرح ناپاک اور اس کا پینا سخت

گناہ کبیرہ اور پینے والا فاسق، فاجر، ناپاک، بے باک، مردود وملعون، مستحق عذاب شدید و عقاب الیم ہے۔ والعیاذ باللہ رب العلمین۔ اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر سخت وعیدیں، ہولناک تہدیدیں فرمائیں۔ ہم یہاں صرف بعض پر اکتفا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص شراب کے لیے شیرہ نکالے اور جو نکلوائے اور جو پیے اور جو اٹھا کر لائے اور جس کے پاس لائی جائے اور جو پلائے اور جو بیچے اور جو اس کے دام کھائے اور جو خریدے اور جس کے لیے خریدی جائے ان سب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی۔ (رواہ الترمذی)

ایک دوسری حدیث میں ہے: تین شخص جنت میں نہ جائیں گے شرابی اور اپنے قریبی رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنے والا اور جادو کی تصدیق کرنے والا۔
(فتاویٰ رضویہ 48,47/10 ملخصا، رضا اکیڈمی ممبئی)

سودخوری

سودخوری معاشرہ کی تباہی و بربادی کا ایک خطرناک ذریعہ ہے۔ جہاں کے لوگوں میں سودخوری عام ہو جاتی ہے وہاں کوئی دوسرے کو قرض حسن دینے کا روادار نہیں ہوتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ باہمی اخوت ومحبت کی جگہ خودغرضی اپنا قبضہ جما لیتی ہے جس کے بھیانک نتائج نگاہوں کے سامنے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں سوال کیا گیا کہ سودخوار کا قیامت کے روز کیا حال ہوگا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

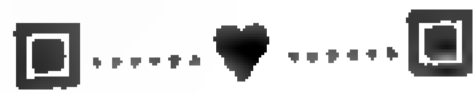
"ان کے پیٹ ایسے ہوں گے جیسے بڑے بڑے مکان اور شیشے کی طرح چمکیں گے کہ لوگوں کو ان کی حالت نظر آئے۔ ان میں سانپ اور بچھو بھرے ہوں گے۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

حدیث صحیح میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے، سود دینے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر۔ اور فرمایا: وہ سب برابر ہیں، سب ایک رسی میں بندھے ہوئے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: سود تہتر گناہ کے برابر ہے جن میں سب سے ہلکا یہ کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔ لوگ سمجھتے ہیں اس سے روپیہ بڑھتا ہے مگر یہ خیال باطل ہے۔ اس میں اللہ برکت نہیں رکھتا۔

قرآن میں ہے: اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے زکوٰۃ کو۔ جسے اللہ مٹائے وہ کیوں کر بڑھ سکتا ہے؟ حدیث میں ہے: جس نے دانستہ ایک درہم سود کا کھایا گویا اس نے چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا۔" (الملفوظ کامل، ص236، ملخصاً، رضوی کتاب گھر، دہلی)

یہ چند مثالیں انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کر دی گئی ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے بیش تر قلمی آثار قوم وملت کی فلاح و بہبود، اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ و بقا کے لیے ہی صفحہ قرطاس پر نقش ہوئے ہیں اور آپ کی حیات مبارکہ کا ہر لمحہ اسلام کی سربلندی اور باطل عقائد ونظریات کی تردید میں ہی صرف ہوا ہے۔ **ذٰلک فضل اللّٰہ یُوتیہ من یشآء و اللّٰہ ذوالفضل العظیم.**



مولانا محمد شاہد القادری

امام احمد رضا اور اصلاح امت

چودھویں صدی ہندوستانی مسلمانوں کے لیے کربناک اور فتنہ سامانیوں کی صدی تھی۔ عیسائی پادری مسلمانوں کے قانون شریعت پر نکتہ چیں تھے جس کے سبب پورا ملک اضطرابیت کا شکار تھا۔ دوسری طرف علماء سوء کا جتھا تھا جو عقیدۂ توحید و رسالت محبت رسول اور صحابہ، خانقاہی مصلح نظام اور اسلامی معمولات کو متزلزل کرنے میں سرگرداں نظر آ رہا تھا۔ ایسے پرفتن دور میں ایک ایسے داعی الی اللہ کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کی ہر محاذ پر رہنمائی کرے اور مخالفین کو دندان شکن جواب دیکر مبہوت کر دے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول وقار ﷺ کی بھولی بھالی امت کے ایمان وعقیدے کی صیانت کے لیے اور علماء اسلام کی قیادت کے لیے ایک ہی مصلح قوم وملت کو 10 شوال المکرم 1272ھ کو بریلی شریف میں پیدا فرمایا۔ جسے دنیا ''مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی'' کے نام سے جانتی پہچانتی ہے۔

امام موصوف کی آفاقی شخصیت پہ بے شمار جہتوں سے کئی سالوں سے ارباب قلم طبع آزمائی کر رہے ہیں ان گوشوں میں سے آپ کا مصلحانہ کردار نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ نے اپنی تحریروں کے ذریعہ امت مسلمہ کی بے راہ روی، خرافاتی رسم ورواج، اسلام کے نام پر غیر شرعی امور پر ترجیح اور جاہل صوفیوں کے بے جا طرز تکلم پر تدغن لگائی ہے چند شواہد نذر قارئین ہیں۔

(1) تحقیر صوم وصلوٰۃ: کسی نے عرض کیا حضور بعض لوگ مسلمان ہو کر نماز اور روزے کے تعلق سے لایعنی گفتگو کرتے ہیں۔ آپ حکم شرع نافذ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ''بلاشبہ صوم وصلوٰۃ کا تحقیر کرنے والا فرد مرتد ہے۔ اگر عورت رکھتے ہوں تو ان کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں۔ عورتوں کو اختیار ہے کہ بعد عدت جس سے چاہیں نکاح کر لیں'...... تو مسلمان کا ان سے میل جول حرام، اسلام کلام حرام، بیمار پڑیں تو انھیں پوچھنے جانا حرام، مر

جائیں تو ان کے جنازے میں شرکت حرام، جب تک یہ توبہ نہ کرلیں۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص 129)

(2) مسلمان کی ایذ رسانی: "بلا وجہ شرعی کسی مسلمان کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا ناحق ایذا دینا ہے اور مسلمان کی ناحق ایذا شرعاً حرام۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں جن کا حق ہلکا نہ کیا جائے گا۔ مگر منافق (1) اسلام میں بڑھاپے والا (2) عالم (3) بادشاہ اسلام عادل ایسا شخص شرعاً لائق تعزیر ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج 5 ص 791)

(3) فخر بالنسب کی رذالت: "شرع شریف میں شرافت قوم پر منحصر نہیں۔ اللہ نے فرمایا تم میں زیادہ مرتبے والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقویٰ رکھتا ہے۔ ہاں! دربارۂ نکاح اس کا ضرور اعتبار رکھا ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ج 5 ص 295)

(4) چھوٹی برادری کا احترام: "اگر کوئی چمار بھی مسلمان ہو تو مسلمان کے ذہن میں اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھنا حرام اور سخت حرام ہے وہ ہمارا دینی بھائی ہوگا۔" (فتاویٰ رضویہ ج 5 ص 294)

"دھوبی (مسلمان) کے یہاں کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ جو جاہلوں میں مشہور ہے کہ دھوبی کے یہاں کھانا ناپاک ہے محض باطل ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ج 3 ص 255)

(5) حرمت مزامیر: "مزامیر یعنی آلات لہو ولعب بر وجہ لہو ولعب بلاشبہ حرام ہیں۔ جن کی حرمت اولیاء وعلما دونوں فریق مقتدا کے کلمات عالیہ میں مصرح، ان کے سننے سنانے کے گناہ ہونے میں شک نہیں کہ بعد اصرار کبیرہ ہے اور حضرات علیہ سادات بہشت کبرائے سلسلہ عالیہ چشت کی طرف اس کی نسبت محض باطل وافتراء ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج 10 ص 54)

(6) نشہ و بھنگ و چرس: "نشہ بذاتہ حرام ہے نشہ کی چیزیں پینا جس سے نشہ بازوں کی مشابہت ہو اگرچہ حد نشہ تک نہ پہنچے یہ بھی گناہ ہے...... ہاں اگر دوا کے لیے کسی مرکب میں افیون یا بھنگ یا چرس کا اتنا جز ڈالا جائے جس کا عقل پر اصلاً اثر نہ ہو حرج نہیں۔ بلکہ افیون میں اس سے بھی بچنا چاہیے کہ اس خبیث کا اثر ہے کہ معدے میں سوراخ کر دیتی ہے۔" (احکام شریعت ج دوم)

(7) صلعم، لکھنا: "اور درود وسلام کی جگہ فقط صاد یا عم یا صلعم یا صلم لکھنا ہرگز کافی نہیں بلکہ وہ الفاظ بے معنی ہیں۔ (صلات الصفا ص 14)

اسی طرح قدس سرہ یا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جگہ ق یا رح لکھنا حماقت و حرمان برکت ہے۔ایسی باتوں سے احتراز کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ توفیق خیر عطا فرمائے (آمین)۔
(فتاویٰ افریقہ ص 46)

(8) حرمت تصاویر: ''حضور سرور علام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذی روح کی تصویر بنانا، بنوانا اعزازاً اپنے پاس رکھنا سب حرام فرما دیا اور اس پر سخت سے سخت وعیدیں ارشاد کیں اور ان کے دور کرنے مٹانے کا حکم دیا۔احادیث اس بارے میں حد تواتر پر ہیں۔''
(شفاء الوالہ 3)

جاندار کی تصویریں بنانا دستی ہو خواہ عکسی حرام ہے اور ان معبودان کفار کی تصویریں بنانا اور سخت تر حرام واشد کبیرہ ہے۔ان سب لوگوں کو امام بنانا گناہ ہے۔اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قریب الحرام ہے۔(فتاویٰ رضویہ ج 3 ص 190)

(9) قبر پر یا قبر کی طرف نماز پڑھنا: ''قبر پر نماز پڑھنا حرام۔قبر کی طرف نماز پڑھنا حرام اور مسلمان کی قبر پر قدم رکھنا حرام۔قبروں پر مسجد بنانا یا زراعت وغیرہ کرنا حرام۔اگر مسجد میں کوئی قبر آ جائے تو اس کے آس پاس چاروں طرف دیوار اگرچہ پاؤ گز ہو قائم کرے اس پر چھت بنائیں کہ اب نماز یا پاؤں رکھنا قبر پر نہ ہوگا بلکہ اس چھت پر جس کے نیچے قبر ہے اور نماز قبر کی طرف نہ ہوگی بلکہ اس دیوار کی طرف اور یہ جائز ہے۔
(عرفان شریعت دوم)

(10) جانور پالنا: ''بٹیر بازی، مرغ بازی اور اسی طرح ہر جانور کا لڑانا جیسے لوگ مینڈھے لڑاتے ہیں یہاں تک کہ حرام جانوروں مثلاً ہاتھیوں، ریچھوں کا لڑانا بھی سب مطلقاً حرام ہے۔بلاوجہ بے زبانوں کو ایذا دینا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا ہے۔کتا پالنا حرام ہے۔جس گھر میں کتا ہو اس میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔روز اس شخص کی نیکیاں گھٹتی ہیں۔(احکام شریعت دوم ص 80)

(11) تاش وشطرنج کھیلنا: ''یہ سب کھیل ممنوع و ناجائز ہیں اور ان میں چوسر اور گنجفہ بدتر ہیں۔گنجفہ میں تصاویر ہیں اور انھیں عظمت کے ساتھ رکھتے اور وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ اس امر کے سبب سخت گناہ کا موجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج 10 ص 44)

(12) طریقہ کشتی: ''کشتی جس طور پر آج کل لڑی جاتی ہے محمود نہیں اس میں تن

پروری ہوتی ہے۔ مجمع عام ہوتا ہے اور اگر اس کے سبب نماز کی پابندی نہ کرے یا ستر کھولے حرام ہے۔(الملفوظ چہارم ص 30)

(13) پتنگ بازی: ''کن کیا اڑانا لہو ولعب ہے اور لہو ناجائز ہے۔ ڈور لوٹنا بھی حرام ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوٹنے سے منع فرمایا۔ لوٹی ہوئی ڈور کا مالک اگر معلوم ہو تو فرض ہے کہ اسے دے دی جائے۔ اگر نہ دی اور بغیر اجازت کے اس سے کپڑا سیا تو اس کپڑے کو پہننا حرام ہے اور اسے پہن کر نماز مکروہ تحریمی ہے جس کا اعادہ واجب ہے۔

(احکام شریعت اول ص 21)

(14) چوری کا مال: ''چوری کا مال دانستہ خریدنا حرام ہے بلکہ اگر معلوم نہ ہو مظنون ہو جب بھی حرام ہے۔ اگر کوئی کتاب بیچنے کو لائے اور اپنی ملکیت نہ بتائے تو اس کے خریدنے کی اجازت نہیں اور اگر نہ معلوم ہے نہ کوئی واضح قرینہ تو خریداری جائز ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ ج 7 ص 38)

(15) سوال وگداگری: ''بے ضرورت شرعی سوال کرنا حرام ہے اور جن لوگوں نے باوجود قدرت کسب بلاضرورت سوال اپنا پیشہ بنالیا ہے وہ جو کچھ اس سے جمع کرتے ہیں سب ناپاک وخبیث ہے اور ان کا یہ حال جان کر ان کے سوال پر کچھ دینا داخل ثواب نہیں بلکہ ناجائز وگناہ اور گناہ میں مدد کرنا ہے۔ جب انہیں دینا ناجائز تو دلانے والا بھی داعی علی الخیر نہیں بلکہ داعی علی الشر ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ ج 4 ص 498)

(16) مسجد میں سوال: ''مسجد میں سوال نہ کرے حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اور اسے دینا بھی نہیں چاہیے کہ برے پر اعانت ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے تو ستر اور درکار ہیں جو اس دینے کا کفارہ ہوں۔ اور ایسی بے تمیزی سے سوال کرتا ہے کہ نمازیوں کے سامنے سے گزرتا یا بیٹھے ہوؤں کو پھاند کر جاتا ہے تو اسے دینا بالاتفاق ممنوع ہے۔(احسن الوعاء ص 132)

(17) فال: ''قرآن مجید سے فال دیکھنے میں ائمہ مذاہب اربعہ کے چار قول ہیں۔ بعض حنبلیہ مباح کہتے ہیں اور شافعیہ مکروہ تنزیہی اور مالکیہ حرام اور ہمارے علماء حنفیہ فرماتے ہیں ناجائز وممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ افریقہ ص 160)

(18) مرد کی انگوٹھی: ''چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی ساڑھے چار ماشہ سے کم

وزن کی مرد کو پہننا جائز ہے اور دو انگوٹھیاں یا کئی نگ کی ایک انگوٹھی یا ساڑھے چار ماشہ خواہ زائد چاندی کی اور سونے، کانسے، پیتل، لوہے، تانبے کی مطلقاً ناجائز ہے۔
(احکام شریعت دوم ص 30)

(19) سیاہ خضاب: ''سرخ یا زرد خضاب اچھا ہے اور سیاہ خضاب کو حدیث میں فرمایا کافر کا خضاب ہے۔ دوسری حدیث میں اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کا منہ کالا کرے گا یہ حرام ہے جواز کا فتویٰ باطل و مردود ہے۔ (احکام شریعت اول ص 72)

خضاب سیاہ رنگ یعنی مہندی و نیل باہم مخلوط کر کے بلا ضرورت شرعی استعمال کرنا سوائے مجاہدین کے سب کو مطلقاً حرام ہے۔ وسمہ لگانا حرام ہے۔ مہندی (داڑھی میں) جائز ہے بلکہ سنت ہے۔ (حکم العیب ص 11)

(20) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا: ''موڈرن مزاج کے نوجوان لیڈر کہلانے والے نام نہاد مسلمان کھڑے ہو کر پیشاب کرنا فخر محسوس کرتے ہیں۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے بارے میں امام احمد رضا سے پوچھا گیا آپ نے فرمایا'' کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے اور طریقہ نصاریٰ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں بے ادبی و بدتہذیبی یہ ہے کہ آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کرے۔ (فتاویٰ افریقہ ص 9)

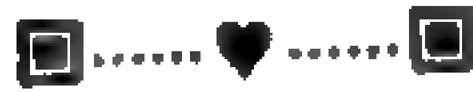
(21) جوتا پہن کر کھانا: ''کھانا کھاتے وقت جوتا اتار لینا سنت ہے۔ دارمی و طبرانی و حاکم بافادۂ تصحیح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کھانا کھانے بیٹھو تو جوتے اتار لو کہ اس میں تمہارے پاؤں کے لیے راحت ہے اور یہ اچھی سنت ہے۔ (فتاویٰ افریقہ ص 38)

(22) آخری بدھ: ''آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صاحب یابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی۔ اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے اور ایک حدیث مرفوع میں آیا ہے ابتلائے سیدنا ایوب علیہ السلام اسی دن تھی۔ (فتاویٰ رضویہ ج 10 ص 117)

(23) مونچھیں بڑھانا: ''مونچھیں اتنی بڑھانا کہ منہ میں آئیں حرام و گناہ ہے۔ سنت (طریقہ) مشرکین و مجوس یہود و نصاریٰ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

مونچھیں کتر کر خوب پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ یہودیوں اور مجوسیوں کی صورت نہ بناؤ۔
(فتاویٰ افریقہ ص 11)

(24) مراسم شادی: ''آتش بازی جس طرح شادیوں اور شب برات میں رائج ہے بے شک حرام اور پورا حرام ہے۔ اسی طرح یہ گانے باجے کہ ان بلاد میں معمول و رائج ہیں بلاشبہ ممنوع و ناجائز ہیں۔ جس شادی میں اس طرح کی حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز شریک نہ ہوں۔ اگر نادانستہ شریک ہو گئے تو جس وقت اس قسم کی باتیں شروع ہوں یا ان لوگوں کا ارادہ معلوم ہو سب مسلمان مرد، عورتوں پر لازم ہے فوراً اسی وقت (محفل سے) اٹھ جائیں۔ (حادی الناس ص 3)۔



شمس الدین بستوی مصباحی (دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی)

فقیہ اسلام امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ اور اصلاحِ معاشرہ

فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ (متوفی 1240ھ 1921ء) کی دینی وملی اور علمی وفکری خدمات کا ہر گوشہ اس لائق ہے کہ اس کو دیکھا پڑھا اور اس کی روشنی میں عمل کیا جائے۔ مگر صالح وصحت مند معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کے لیے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے "اصلاحی کارنامے" بطور خاص قابل توجہ اور قابل ذکر ہی نہیں بلکہ لائق اتباع بھی ہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے سماجی خرابیوں کے سد باب اور سماج کی فلاح و بہبود کے لیے جو کاوشیں کی ہیں وہ عظیم اور بے مثال ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے زبان سے زیادہ قلم کا استعمال کیا۔ چنانچہ آپ معاشرہ میں پھیلی ہوئی خرابیوں کی اصلاح کے لیے پوری زندگی سوسائٹی میں درآئے غیر شرعی رسم ورواج کو ختم کرنے کے لیے سرگرم عمل رہے اور ان کے مضر اثرات کی بھی نشان دہی کرتے رہے۔

سر دست ہم "اصلاح معاشرہ" کے تعلق سے امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کی مساعی جمیلہ کا ان کی تحریر وارشاد کی روشنی میں ایک مختصر سا جائزہ پیش کرتے ہیں جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ معاشرے میں پھیلے ہوئے غلط اور بے جا رسوم کے کس قدر مخالف تھے اور پھر انہوں نے کس طرح سے اصلاح معاشرہ کا عظیم فریضہ انجام دیا۔

(1) نسب پر فخر: امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ (1) نسب پر فخر کرنا جائز نہیں ہے (2) نسب کے سبب اپنے آپ کو بڑا جاننا تکبر کرنا جائز نہیں۔ (3) دوسروں کے نسب پر طعن جائز نہیں۔ (4) انہیں کم نسبی کے سبب حقیر جاننا جائز نہیں۔ (5) نسب کو کسی کے حق عار یا گالی سمجھنا جائز نہیں۔ (6) اس کے سبب کسی مسلمان کا دل دکھانا جائز نہیں۔ (7) احادیث جو اس بارے میں آئیں انہیں معانی کی طرف ناظر ہیں کسی مسلمان بلکہ کافر ذمی کو بھی بلا حاجت شرعی

ایسے لفظ سے پکارنا یا تعبیر کرنا جس سے اس کی دل شکنی ہو، اسے ایذا پہنچے شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ اگرچہ بات فی نفسہ سچی ہو۔ (اراءۃ الادب لفاضل النسب ص 31,3)

(2) ھنود کے میلوں میں شرکت: امام احمد رضا قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ کفار کے میلوں مثلاً دسہرہ وغیرہ میں جانا کیسا ہے؟ کیا تجارت پیشہ لوگوں کا بھی جانا ممنوع ہے؟

اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: ان کا میلہ دیکھنے کے لیے جانا مطلقاً ناجائز ہے اگر ان کا مذہبی میلہ ہے جس میں وہ اپنے مذہبی نقطہ نظر سے کفر وشرک کریں گے، کفر کی آواز سے چلائیں گے تو ظاہر ہے ایسی صورت میں جانا سخت حرام ہے اور اگر مذہبی میلہ نہیں لہو ولعب کا ہے، جب بھی ناممکن منکرات وقبائح سے خالی ہو، اور منکرات کا تماشہ بنانا جائز نہیں۔ اور اگر تجارت کے لیے جائے تو اگر میلہ ان کے کفر وشرک کا ہے تو جانا ناجائز وممنوع کہ اب وہ جگہ ان کا معبد ہے اور معبد کفار میں جانا گناہ ہے۔ اوز اگر لہو ولعب کا ہے اور خود اس سے بچے، نہ اس میں شریک ہو، نہ اسے دیکھے، نہ وہ چیزیں بیچے۔ ہاں! ایک صورت جواز مطلق کی وہ یہ کہ عالم انہیں ہدایت اور اسلام کی طرف دعوت کے لیے جائے، جب کہ اس پر قادر ہو۔ یہ جانا حسن ومحمود ہے اگرچہ ان کا مذہبی میلہ ہو۔ ایسا تشریف لے جانا خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بارہا ثابت ہے۔

(ملخصاً از عرفان شریعت حصہ اول ص 27,26)

(3) طاقوں پر شہید مرد: بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد رہتے ہیں۔ اور اس درخت اور طاق کے پاس جا کر ہر جمعرات کو چاول، شرینی وغیرہ فاتحہ دلاتے ہیں، ہار لگاتے ہیں، لوبان سلگاتے ہیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔

اس کے بارے میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے ارشاد فرمایا کہ:

یہ سب واھیات خرافات اور جاہلانہ حماقت اور بطالت ہیں ان کا ازالہ لازم۔

(احکام شریعت اول، ص 13)

(4) محرم اور صفر میں نکاح: عرض: حضور ماہ محرم اور صفر میں نکاح کرنا کیسا ہے؟

ارشاد: نکاح کسی مہینے میں منع نہیں ہے۔ یہ غلط مشہور ہے۔ (الملفوظ، اول، ص 36)

(5) جٹا دھاری چوٹی رکھنا؟: امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں کہ: مرد کو چوٹی رکھنا حرام ہے اگرچہ بعض فقیر رکھتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے اللہ کی لعنت ہے ایسے مردوں

پر جو عورتوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت پیدا کریں۔

اکثر بال بڑھانے والے لوگ حضرت گیسو دراز کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں تو امام احمد رضا ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: یہ سب جہالت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکثرت احادیث صحیحہ میں ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں سے مشابہت پیدا کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت پیدا کریں۔ (الملفوظ حصہ دوم)

(6) تاش، شطرنج اور چوسر کھیلنا جائز ہے یا ناجائز؟: دونوں ناجائز ہیں اور تاش زیادہ گناہ وحرام ہے کہ اس میں فوٹو بھی ہوتے ہیں (احکام شریعت اول)

جواب۔ کن کیا اڑانا لہو ولعب ہے اور لہو ناجائز ہے۔ اور اس ڈوری سے کپڑا سیا تو اس کپڑے کا پہننا حرام ہے۔ (احکام شریعت اورل، ص، 22,21)

(7) جانوروں کا شوقیہ شکار: شکار کہ محض شوقیہ بغرض تفریح وہ جسے ایک عام قسم کا کھیل سمجھا جاتا ہے لہٰذا شکار کھیلنا کہتے ہیں۔ بندوق کا ہو، خواہ مچھلی کا۔ روزانہ ہو، خواہ کبھی کبھار، مطلقاً بالاتفاق حرام ہے۔ حلال وہ ہے جو بغرض کھانے یا دوا یا کسی نفع یا کسی ضرر کے دفع کے لیے ہو۔

(8) روزہ مشکل کشا: اکثر عورتیں مشکل کشا علی کا روزہ رکھتی ہیں۔ کیسا ہے؟ روزہ خاص اللہ عزوجل کے لیے ہے۔ اگر اللہ کا روزہ رکھیں تو اس کا ثواب مولیٰ علی کی نذر کریں تو حرج نہیں۔ مگر اس میں یہ کرتی ہیں کہ روزہ آدھی رات تک رکھتی ہیں، شام کو افطار نہیں کرتیں۔ آدھی رات کے بعد گھر کا کواڑ کھول کر کچھ دعا مانگتی ہیں۔ اس وقت روزہ افطار کرتی ہیں۔ یہ شیطانی رسم ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج 4 ص 66)

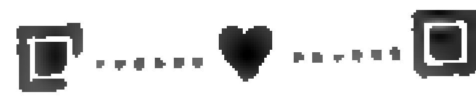
(9) تندرست کا بھیک مانگنا: قوی تندرست، قابل کسب جو بھیک مانگتے پھرتے ہیں ان کو دینا گناہ ہے اور ان کا بھیک مانگنا حرام اور ان کو دینے میں حرام پر مدد۔ اگر لوگ نہ دیں تو جھک ماریں اور کوئی حلال پیشہ اختیار کریں۔ (الکشف شافیا، ص 89)

(10) شادی کے لیے بھیک: آج اکثر لوگ بیٹی کے بیاہ کے لیے بھیک مانگتے ہیں اور اس سے مقصود رسوم مروجہ ہند کا پورا کرنا ہوتا ہے۔ حالاں کہ وہ رسمیں اصلاً حاجت شرعیہ نہیں، تو ان کے لیے سوال نہیں ہوسکتا، ہاں! مسلمانوں کو مناسب ہے کہ حاجت مند بیٹی والے کی اعانت کریں، حدیث میں اس کی مدد کرنے، اسے قرض دینے کی طرف ارشاد ہوا ہے۔

بعض بھیک مانگتے ہیں کہ حج کو جائیں گے یہ بھی حرام اور انھیں دینا بھی حرام کہ ماحرم اخذہ حرم اعطاء ہ (جس کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام) فقیر کو حج نفل ہے اور سوال حرام، نفل کے لیے حرام اختیار کرنا کس نے مانا۔ (احسن الدعاء ص 132)

اس طرح سے بے شمار جاہلانہ رسوم ہیں جن کی اصلاح امام احمد رضا نے فرمائی۔ آپ کی اصلاحات پر عمل پیرا ہو کر ایک مومن صالح اپنے ماضی کی سنہری روایات و معمولات سے رشتہ برقرار رکھ کر اس کی روشنی میں اپنے حال اور مستقبل کو خوب سے خوب تر بناتے ہوئے اپنی عاقبت سنوار سکتا ہے۔ اور اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے مسلم معاشرہ کے لیے مفید اور فیض رساں ثابت ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو قوم و ملت کی فلاح و بہبود کا جذبہ وافر عطا فرمائے۔ آمین



محمد آفتاب عالم مصباحی (نیاڈیہہ پنڈول بزرگ سیتامڑھی، بہار)

امام احمد رضا کا دس نکاتی پروگرام

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ افق اسلام پر طلوع ہونے والے ایک ایسے سورج کا نام ہے جس کی پرنور کرنیں آج بھی پورے عالم کو روشن و منور کر رہی ہیں۔ اپنی علمی و دینی خدمات اور اپنی اصابت فکر ونظر کی بنیاد پر محدث بریلوی کی عبقری شخصیت صاحبان علم و عرفاں اور اہل فضل وکمال کی مجلس میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ اور بطور خاص آپ کی زندگی کے جن پہلوؤں نے عصری دانشوروں اور روشن خیال مفکروں کو آپ کا گرویدہ اور مدح خواں بنا دیا ہے وہ ان کا عشق رسول، حب اہل بیت اطہار اور آپ کے افکار ونظریات کی وسعت و گہرائی ہے۔ سردست مقالہ میں فروغ اہل سنت اور اشاعت اسلام کے دس نکاتی پروگرام کی اہمیت و معنویت پر جو کہ آپ کے فرمودات ووصایا کا ایک اہم باب ہے، قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی جارہی ہے۔ تاکہ اس کے آئینے میں اشاعت اسلام وسنیت کے لیے قابل عمل لائحہ اور منصوبہ بند حکمت عملی تشکیل دی جاسکے۔

امام احمد رضا بریلوی (متوفی 1340ھ/1921ء) فرماتے ہیں:

- ☆ عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تعلیمیں ہوں
- ☆ طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔
- ☆ مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارکردگی پر دی جائیں
- ☆ طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے
- ☆ جو طلبہ تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ وہ اشاعت دین ومذہب کریں۔
- ☆ حمایت مذہب وردبد مذہباں میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

☆ تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں۔

☆ شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں۔

☆ جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

☆ آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔ حدیث کا ارشاد ہے کہ "آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درہم و دینار سے چلے گا" اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے۔

(ملخصاً فتاویٰ رضویہ، ج 12، ص 133)

اس محولہ بالا اقتباس کو بغور پڑھنے کے بعد بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی فکر کس درجہ عالی و دور رس تھی۔ سب سے پہلے آپ نے تعلیم کے فروغ اور قوم مسلم کو زیور علم سے آراستہ کرنے ہی کا حکم فرمایا اس لیے کہ کوئی ملک، کوئی ریاست اور کوئی معاشرہ تعمیر و ترقی کی شاہراہ پر اس وقت تک گامزن نہیں ہو سکتا جب تک اس طبقہ یا Society میں تعلیم نہ ہو، یہ زمینی حقیقت ہے کہ مسلم طبقہ زمانہ قدیم سے ہی تعلیمی و اقتصادی طور پر تکلیف دہ حد تک پسماندہ ہے۔ اس کو امام احمد رضا بریلوی نے پورے طور پر محسوس کیا کہ آغوش مادر سے کچھ سیکھنے کے بعد علمی تشنگی بجھانے کے لیے مدارس کا رخ کرنا ہوگا۔ لہٰذا آپ نے عظیم الشان مدارس کھولنے کا حکم فرمایا اور خود آپ نے عملی اقدام کرتے ہوئے ایک عظیم ادارہ منظر اسلام کی بنیاد رکھی۔ جس کے فضلا و فارغین نے بساط اہل سنت پر وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے۔

پہلا نکتہ:

کی تکمیل میں مدارس کھلنے شروع ہوئے جن میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، الثقافۃ السنیہ کیرالا، جامعہ سعدیہ کیرالا، جامعہ نعیمیہ مراد آباد، دارالعلوم علیمیہ بستی، جامعہ امجدیہ گھوسی،

مرکز الدراسات الاسلامیہ بریلی شریف، دارالعلوم ضیاء الاسلام ہوڑہ، بنگال، ادارہ شرعیہ پٹنہ، جامعہ فیض العلوم جمشید پور، مدرسہ نور الہدیٰ پوکھریرا، سیتامڑھی، دارالعلوم لطیفیہ، کٹیہار، دار العلوم علیمیہ انوار العلوم، مظفر پور وغیرہ اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں جو آپ کے فرمان کے دونوں ٹکڑوں کا حسین امتزاج رکھتی ہیں۔ یہ مدارس جس طرح عظیم الشان ہیں اور اپنی عمارت کی بنیاد پر ناظرین کو دعوت نظارہ پیش کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ آج اپنی تعلیم کی بنیاد پر ملک و بیرون ملک میں شہرت رکھتے ہیں۔

دوسرا نکتہ:

پر آپ نے فرمایا کہ طلبہ کو وظیفہ دیا جائے، اس لیے کہ سارے طلبہ متمول نہیں ہوتے نیز یہ تجربہ بھی ہے کہ جو اہل ثروت ہوتے ہیں، وہ دینی تعلیم کم حاصل کرتے ہیں اور ٹھاٹ باٹ زیادہ دکھاتے ہیں اور جن کے اندر حصول علم کا جذبہ ہوتا ہے وہ اپنی اقتصادی حالت سے دو چار ہوتے ہیں اور ان کی کوئی امداد کرنے والا نہیں ہوتا ایسے میں اگرچہ ان کے اندر شوق و ذوق ہوتا ہے لیکن مجبوراً تعلیم کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ یا پھر تعلیم جاری رکھتے ہیں اور اس دن کے منتظر رہتے ہیں کہ کب انہیں سند و دستار عطا ہوگی اور ان کے دن پلٹیں گے اور مزید تعلیم کے لیے ان کی طبیعت ہمت ہار جاتی ہے۔ اس نکتہ پر بھی قابل تعریف کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔

اس میں ہمارے علم کے مطابق الجامعۃ الاشرفیہ اور المجمع الاسلامی مبارک پور قابل ذکر ہے ساتھ ہی مولانا اقبال صاحب مصباحی کا اسم گرامی بھی بجا طور پر لیا جا سکتا ہے کہ حسب استطاعت کم سے کم وہ اپنے صوبہ ''گجرات'' کے طلبہ کو وظیفہ سے نوازتے ہیں اور مذکورہ بالا ادارے بھی فراغت کے بعد ریسرچ اسکالروں کو ایک خاص رقم سے نوازتے ہیں لیکن اس پہلو پر ہر مدرسہ کو توجہ دینی چاہیے اور طلبہ کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تاکہ طلبہ دل جمعی کے ساتھ تعلیم میں معروف و گرویدہ رہیں۔

تیسرا نکتہ:

ہے مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارکردگی پر دی جائیں۔ یعنی اساتذہ کو حسب لیاقت معاوضہ دیا جائے کیونکہ جب تک کوئی ملازم معاشی اعتبار سے مطمئن نہیں ہو جاتا

اس وقت تک مکمل توجہ اور حضور خاطر سے اپنی کارکردگی پیش نہیں کر سکتا ہے اور اس کی بہت حد تک کمی محسوس کی جاتی ہے اور خاص کر وہ اساتذہ جو سرکاری ملازم نہیں ہیں انہیں ان دشواریوں سے دو چار ہونا پڑتا ہے اس کی بہت ساری وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً ذرائع آمدنی کا فقدان، اہل ثروت کی مدارس کے ساتھ عدم دل چسپی وغیرہ۔ ذمہ داران مدارس کو اس پہلو پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے تاکہ ذی صلاحیت اور ذی استعداد اساتذہ کی خدمات حاصل کی جائیں۔

چوتھا نکتہ:

ہے طبائع طلبہ کی جانچ اور جس کام کے زیادہ مناسب ہو معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔

مطلب یہ ہوا کہ طلبہ کی کارکردگی یا استفسار سے معلوم کیا جائے کہ انہیں تحریر، تقریر، درس و تدریس کے کس شعبے سے شغف ہے؟ اس نکتہ نے کئی ایک مشکلات کا حل ایک سطر میں پیش کر دیا ہے۔ مثلاً پڑھنے والے کا قلبی میلان اور ہر شعبہ میں قحط الرجال سے رستگاری وغیرہ اس لیے کہ دلچسپی کے بغیر تعلیم ایک بوجھ ہے اور کما حقہ وہ علم سے مستفیض نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جس شعبہ کے زیادہ لائق و مناسب ہو اس جانب اس طالب علم کی راہنمائی کی جائے اور اس شعبے میں مزید تربیت دی جائے نہ کہ صرف مدرسہ اور مسجد تک ہی محدود کر دیا جائے۔ اگر اس پر عمل درآمد شروع ہو جائے تو ایسے تجربہ کار اور ہنر مند افراد کی ٹیم تیار ہو جائے گی جو ملک و قوم کی باگ ڈور سنبھال سکیں گے، آج اس منصوبہ بند طریقے سے کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ قحط الرجال سے نجات ملے اور ایک صحت مند اور علمی معاشرہ کی تشکیل ہو سکے اور موجودہ چیلنجز کا مقابلہ احسن طریقہ سے انجام دیا جا سکے۔

پانچواں نکتہ:

ہے ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں تاکہ اشاعت دین کا کام کریں۔ یعنی طلبہ اپنی پسند اور اپنی منشا کے مطابق جس میدان کا انتخاب کریں اس میں جب وہ خوب مشق و مہارت حاصل کر لیں اور اس کے شہسوار بن جائیں تو اب انہیں ملک و بیرون میں پھیلایا جائے تاکہ وہ دین متین کی بہتر سے بہتر خدمات انجام دیں۔ تو اب سوال یہ تھا کہ وہ اپنی عائلی و گھریلو ذمہ داری کس طرح پوری کریں گے؟ تو اس

کے لیے بیش قرار تنخواہیں دینے کا حکم فرمایا۔ اس پر عمل اسی وقت ہو سکتا ہے جب منظم طور پر یہ پروگرام چلایا جائے اس کے لیے ہمیں اپنے محدود ذہن سے ذرا اوپر آ کر سوچنا ہوگا اور ایک نیٹ ورک بنا کر باہم مربوط ہونا پڑے گا۔

چھٹا نکتہ:

میں ہے حمایت مذہب اور رد بد مذہباں میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔ اس میں دیکھیں کہ اشاعت اسلام اور سرکوبی اعدا کے لیے جس اقدام کی طرف راہنمائی فرمائی ہے وہ آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے اور آج اسے اپنا نصب العین بنا لینے کی اشد ضرورت ہے۔ مصنفین کا اخلاص ہے کہ بغیر کسی حرص کے وہ شب و روز محنت کر کے کتابیں تصنیف کر رہے ہیں۔

اگر اس فارمولے پر عمل کر لیا جائے تو جس انداز سے کتابیں مارکیٹ میں آ رہی ہیں اس میں ایک سرعت پیدا ہو جائے اور ایسے افراد جو قرطاس و قلم کی خدمت کرنا جانتے ہیں وہ بطیب خاطر اپنا خون جگر نچوڑنے کے لیے تیار ہو سکتے ہیں۔

ساتواں نکتہ:

ہے تصنیف شدہ اور نو تصنیف شدہ رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں۔ اس نکتہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا مقصد اسلام کو عام و تام کرنا تھا جسے آپ نے تاحیات جاری رکھا اور اسے کتابوں کی شکل میں جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ اب ہمارا اخلاقی فریضہ ہے کہ اسلام کی صحیح تصویر زمانے کے سامنے موثر انداز و اسلوب میں پیش کریں اور جن زبانوں میں اسلام پہ حملے کیے جا رہے ہیں انہیں زبانوں میں ہم ان کا مقابلہ کریں۔ ہمارے پمفلٹ، رسائل، جرائد شائع ہوں اور ان کا حلقہ وسیع کیا جائے عربی، انگریزی، ہندی وغیرہ عصری زبانوں میں انہیں عام کرنے کا انتظام کیا جائے۔

آج آپ دیکھیں کہ دنیا کی قومیں اپنے اپنے نظریات و معتقدات کی اشاعت کے لیے کس درجہ تیزی کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔ الحمدللہ ہمارے یہاں بھی کام ہو رہا ہے اس میں مزید تیزی درکار ہے۔ اگر واقعی اسلام اور مذہب اہل سنت کے لیے ہم مخلص ہیں تو ہمیں اس خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو جانا چاہیے۔

آٹھواں نکتہ:

ہے شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں یعنی شہر، قصبہ، قریہ، گاؤں، دیہات، ملک و بیرون ملک ہمارے علما اور باہنر افراد کی ٹیمیں موجود ہوں جو اپنے اپنے حلقہ کے مبلغ اور متحرک و فعال داعی اسلام بن کر ایمان و عقیدہ کی حفاظت کرتے رہیں اور انہیں جس قسم کی ضرورت ہو ویسے افراد وہاں بھیج دیے جائیں۔ لیکن ایک سوال بادی النظر میں سامنے آتا ہے کہ کون بھیجے اور کون گائڈ کرے تو ایک کمیٹی یا تنظیم کا تصور ذہن میں آتا ہے جس کے تحت اس پروگرام کو چلایا جا سکتا ہے۔ اگر ہم مذکورہ نکتے کو اپنے دل میں جگہ دیں تو خوش گوار اثرات مرتب ہوں گے اور اس فرمان کا جو ہدف ہے وہ بھی تکمیل آشنا ہوگا۔

نواں نکتہ:

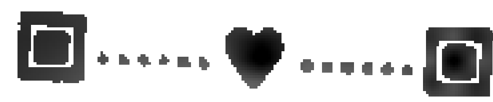
ہے جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں مہارت ہو لگائے جائیں۔ کتنی اچھی اور دل کو چھوتی ہوئی بات آپ نے فرمائی ہے کہ جو ہم میں قابل کار موجود ہیں اور اللہ نے انہیں کسی علم سے نوازا ہے لیکن معاشی اعتبار سے پریشان ہو کر اپنے ذوق و دل چسپی کے مطابق کام نہیں کر پا رہے ہیں، یا بادل ناخواستہ وہ کسب معاش میں معروف اور سرگرداں ہیں۔ جس کام کے وہ زیادہ لائق و مناسب تھے اسے چھوڑ دیا ہے تو ایسے افراد کو ڈھونڈ نکالا جائے اور انہیں ماہانہ وظیفہ دے کر ان کے قلبی اطمینان کا سامان کیا جائے اور ان کے لیے صحیح میدان کا انتخاب کر دیا جائے۔ جس سے قوم و ملت کو ان کے علم و ہنر سے مستفید ہونے کا موقع میسر ہو۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ کچھ علما ایسے ملیں گے جنہیں فقہ میں مہارت ہے تو کسی کو تفسیر و حدیث میں اسی طرح ریاضی، ہیئت، فرائض وغیرہ علوم وفنون کے مشاق اور ماہر ہوتے ہیں مگر دوسرے کام یں مصروف ہوتے ہیں۔ قارئین کرام اور اہل فضل وکمال کا تجربہ ہوگا کہ اس پہلو پر بالکل کام نہیں ہو رہا ہے اس کی جانب بھی ہمیں خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

آخری اور دسواں نکتہ:

ہے آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں

مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں، ہمارے یہاں رسائل ہندو پاک سے شائع ہورہے ہیں اور اپنے اپنے حلقہ تک اپنی بات پہنچارہے ہیں۔لیکن روزنامہ یا ہفت روزہ جریدہ کی کمی ہے جو ہمارے لیے باعث تشویش اور ایک لمحہ فکریہ ہے۔ان دنوں اپنی باتیں عام کرنے کے لیے اخبار بھی ایک اہم ذریعہ ہے اس کے ذریعہ ہم اپنا پیغام عام کرسکتے ہیں۔ارباب فکر و بصیرت کی اجتماعی کوششوں سے یہ کام پورا کیا جاسکتا ہے۔اخبار، ویب سائٹس وغیرہ موجودہ دور کی ایک ضرورت بن چکی ہے اخبار بینی اور نیٹ پر بیٹھنا معمولات زندگی میں شامل ہو چکا ہے۔اس کو اپنا کر ہم اپنے مذہب اسلام کو بخوبی فروغ دے سکتے ہیں۔

مذکورہ دس نکاتی پروگرام کی روشنی میں ہمیں ایک منشور ترتیب دینا اور ایک دائرہ کار بنانا ہوگا تاکہ اسلام کا فروغ ہو اور بے ضابطگی اور انتشار کا خاتمہ کیا جائے اور مخلصانہ جذبہ کے ساتھ جدو جہد اور اپنے کام میں ہم مصروف رہیں۔امام احمد رضا نے بڑی دیدہ وری و دور اندیشی کے ساتھ ہمیں جو دس نکاتی پروگرام عطا فرمایا ہے اس پر قوم و ملت کو اجتماعی طور پر عمل کر کے اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔



سید محمد جیلانی اشرف کچھوچھوی

آج دنیا کو احمد رضا چاہیے
کیا اعلیٰ حضرت تکفیر مسلمین میں بے باک تھے؟

امام احمد رضا پر یہ الزام زور وشور سے لگایا جاتا رہا ہے کہ وہ تکفیر مسلمین میں بے باک تھے (یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے) شریعت کی پاسداری اور رسم المفتی کا تقاضا ہے کہ کسی پر الزام لگانے والے پر ثبوت شرعی دینا واجب ہے۔ ملزم کے قول و فعل و تحریر تقریر ہی کو الزام کے ثبوت میں پیش کرنا ہوگا اور جب معاملہ شریعت کا ہو تو طبیعت کی پاسداری کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ثبوت شرعی پیش کیے بنا الزام لگا کر کردار کشی کرنا مکر وفریب کی اداکاری کرنا، مرد مومن کو بے بنیاد و من گھڑت طور وطریق سے ذلیل و رسوا کرنے کی سازشیں کرنا دہشت گردی کی ایک شکل ہی کہلائے گی۔ جس سے امت کو فتنہ و فساد کے سوا کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔ اس حاسدانہ و معاندانہ ذہنیت کی بیخ کنی اعلیٰ حضرت نے خوب فرمائی۔ طبیعت کے مقابل شریعت کی پاسداری کو مدار ایمان بتایا اور پوری زندگی اسی پر چلنے چلانے کی ہدایت دیتے رہے۔ اس تمہید کے بعد آیئے اعلیٰ حضرت پر الزام بے باکی کا دلیل شرعی کی روشنی میں جائزہ لیتے چلیں۔

حضرات!

امام احمد رضا پر یہ الزام کہ وہ تکفیر مسلمین میں بے باک تھے۔ ہم اسے حقائق کی کسوٹی پر رکھتے ہیں۔ کیا واقعی امام احمد رضا بغیر سوچے سمجھے کسی کو بھی کافر کہہ دیا کرتے تھے؟ کیا امام احمد رضا کے سامنے شریعت کا یہ اصول نہ تھا کہ کسی مسلمان کو بلا وجہ شرعی کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ اغیار کے الزامات کو ان کے اقوال وارشادات کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو ایک فیصد بھی سچائی نظر نہیں آتی۔ سچائی یہ ہے کہ شرعی فیصلے صادر کرتے وقت امام احمد رضا جیسا محتاط فی اللہ یعہ کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ میری مبالغہ آرائی یا اندھی عقیدت نہیں ہے بلکہ یہ ناقابل تردید حقیقت واقعہ ہے۔

اعلیٰ حضرت کی شان تجدیدی میں رچی بسی فقہی بصیرت کا حزم واحتیام ملاحظہ ہو۔

''لزوم والتزام میں فرق ہے۔ اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کو فرمان لینا اور بات ہے۔ ہم احتیاط برتیں گے۔ سکوت کریں گے جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے''۔ (سل السیوف الھندیہ)

اس تمہید ضروری کے بعد آیئے تکفیر مسلمین کے بے بنیاد الزام کی جانب۔ یاد رکھیں تغلقی مزاج اور فسطائی ذہنیتوں کے اپنے رنگ وڈھنگ ہوتے ہیں۔ کسی کی نہ سننا اپنی منوانا صورت واقعہ حقیقیہ چاہے روز روشن کی طرح سامنے آجائے مگر ضد وانا جب نفرت وعدوات کی بھٹی پر ہو جاتی ہے تو کردار کشی وفریب کاری سے بھری تحریریں ہی نظر آتی ہیں۔

حضرات!

غور تو فرمائیں کہ امام احمد رضا تو یہ کہیں ''جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم جاری کرتے ڈریں گے'' ایسا محتاط موقف رکھنے والا خشیت الٰہی کا امین ہوتا ہے ایسی ذات کے بارے میں یہ کہا جائے کہ مولانا احمد رضا خاں دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر سمجھتے تھے تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا۔

''اگر کسی کے قول میں سو پہلو ہوں اور ننانوے پہلو کفر کے ہوں اور ایک پہلو ایمان کا ہو تو حکم ایمان کا دیا جائیگا تاوقتیکہ وہ کفری پہلو پر مصر نہ ہو'' (تمہید ایمان، ص: 26)

امام احمد رضا کے حزم واحتیاط اور احترام ایمان کا زندہ ثبوت آپ نے دیکھا۔ آیئے وہ انداز فقیہانہ بھی ملاحظہ فرمالیں جو کسی مسلمان کے کفر پر گواہی کے باوجود اس کے ایمان کو بچاتے نظر آرہا ہے۔

''دو گواہان عادل کسی کے کفر پر گواہی دیں اور پوچھنے جانے پر وہ انکار کردے تو اس کا انکار ہی توبہ ہوگی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد نمبر 6 ص 38)

ناظرین!

اب اس سے واضح ہدایت اور بلندی فکر اور فقہی بصیرت کی زندہ مثال آپ کو مل نہیں سکتی۔ پھر بھی بے چارہ امام مذہبی ٹھیکیداروں کی زد پر رہتا ہے۔ طعن وتشنیع کے تیر برسانا حسب سابق جاری وساری ہے مگر مظلوم امام لومۃ لائم سے نہ ہی خوف زدہ ہوا اور نہ گستاخان

رسول کی ٹولی سے کبھی دبا خشیت الٰہی اور عشق نبوی کے جذبہ فراواں کے ساتھ آگے بڑھتا ہی رہا، مدح وذم سے بے نیاز عظمت رسول کا پرچم لہراتا رہا۔ اپنوں کی تحسین ومخالفین کی طعنہ زنی پر امام عشق ومحبت خود ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

نہ مرا نوش زتحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے

(نہ لوگوں کی تحسین کا لطف لیتا ہوں نہ ان کے طعن وتشنیع سے جل اٹھتا ہوں۔ میرے کان مدح سرائی کے منتظر نہیں رہتے اور نہ مجھے مذمت سننے کا ہوش ہے)

اعلیٰ حضرت غیر خدا کے لیے سجدہ روا جانتے تھے؟

ناظرین! مظلوم امام پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ غیر خدا کے لیے سجدہ نہ صرف روا جانتے بلکہ اس کا حکم بھی فرماتے۔ الزام لگانا آسان ہوتا ہے ثابت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ تحقیق و تنقیح کی کسوٹی پر کوئی الزام بغیر ثبوت ہرگز تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ہاں جن شر پسند عناصر کے نزدیک محض الزام ہی کی اہمیت ہے اور مخالفت برائے مخالفت ان کا شیوہ ہے وہ نہ سمجھنے کے نہ سمجھانے کے ہاں جو لوگ اخلاص بھرے جذبے سے حقائق تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ ان کے لیے امام احمد رضا کے اقوال پیش خدمت کر رہا ہوں۔ ممکن ہے انتشار ذہنی وخلجان قلبی کے لیے یہ اقوال مسکن کا کام کریں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

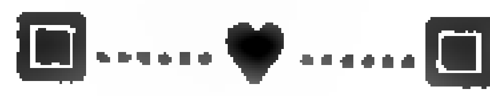
"مسلمان اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت عز جلالہ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اس کے غیر کو سجدۂ عبادت یقیناً اجماعاً شرک مہین وکفر مبین اور سجدہ تحیت حرام وگناہ کبیرہ بالیقین۔ اس کے کفر ہونے میں اختلاف علماء دین۔ ایک جماعت فقہاء سے تکفیر منقول ہے۔" (الزبدۃ الزکیہ)

ناظرین! ملاحظہ فرمائیں کہ مخالف حضرات کس دریدہ دہنی کیساتھ بے بنیاد، بے ثبوت الزامات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں جبکہ اعلیٰ حضرت نے خود اس الزام کے خلاف محاذ آرائی کر رکھی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"علماء نے رنگ رنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں۔ ہم بتوفیق تعالیٰ یہاں غیر خدا کو سجدہ حرام ہونے کی چہل حدیث لکھتے ہیں" (تفصیل کے لیے الزبدۃ الزکیہ کا مطالعہ فرمائیں)

حضرات! امام احمد رضا پر من گھڑت الزامات کا انبار ہیں۔ افتراء پردازی کا تسلسل ہے۔ اتہامات کی لمبی فہرست ہے۔ فقیر اشرفی نے اعلیٰ حضرت کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں سارے الزامات کی قلعی کھول دی۔ اس مضمون کے لکھنے میں میرا اخلاص بھرا جذبہ یہ ہے کہ امام احمد رضا کو اپنے اور بیگانے پڑھیں سمجھیں تحقیق کی کسوٹی پر پرکھیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک صدی پر مشتمل بدگمانیوں کا گراف کم سے کم ہوتا نظر آئے گا۔

عزیزو! امام احمد رضا نہایت پرسوز دل رکھتے تھے۔ محبت الٰہی و عشق رسول سے بھرا باطن رکھتے تھے۔ اپنوں کے ساتھ رحمت، غیروں کے ساتھ شدت کا رویہ حکم الٰہی کی روشنی میں ظاہر فرماتے تھے۔ وہ ایک مخلص رفارمر اور مصلح امت تھے، تجدید و احیاء دین کا فریضہ انجام دینے کے لیے خالق تعالیٰ نے امام احمد رضا کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ایسی ہی عبقری ذوات ابتلاء آزمائش کی بھٹی پر تپائی جاتی ہیں۔ کتنا لکھا جائے، کس کس کو لکھا جائے مہربانوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ بس یوں سمجھو دوستو! کہ امام احمد رضا بڑا مظلوم امام ہے۔ غیروں کے ساتھ اپنوں نے بھی ظلم ڈھائے ہیں۔



ارشد شمسی (مدرسہ حسینیہ غوثیہ میٹابرج، کول کاتا)

امام احمد رضا کی شاعری
خلفائے راشدین کے حوالہ سے

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بہت ہی قیمتی جوہر ہے۔ نجات دائمی اور فلاح اخروی کا اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔ یہ وہ عظیم شئی ہے جو کہ ادنیٰ مجہول کو معروف اور انسان کو پستی کی منزل سے اٹھا کر تفوق وتعلیٰ کی منزل پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ میرے جملے کی تصدیق سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث شریف سے ہو جاتی ہے جس میں آپ نے یار غار کے تعلق سے فرمایا تھا ''ابوبکر کو فوقیت وفضیلت کثرت صوم وصلوٰۃ کی بنا پر نہیں ملی بلکہ اس محبت کی وجہ سے جو کہ خالق کائنات نے ان کے قلب اطہر میں ڈال دی اسی محبت رسول کے باعث آپ ایمان کے بلند مرتبے پر فائز ہو گئے تھے حتیٰ کہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی مدح وثنا کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے کہ پوری کائنات کا ایمان ایک طرف رکھا جائے اور صدیق اکبر کا ایمان ایک طرف رکھا جائے تو بھی آپ کا ایمان سب پر بھاری ہوگا۔

اسی طرح اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، رفیع الدرجت، محدث، بریلوی، امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کو جو بزرگی وبرتری اور بے شمار علوم وفنون میں دسترس حاصل ہے وہ عشق رسول ہی کی بناء پر۔ چشم فلک لوح وقلم، عرش وکرسی، شمس وقمر، آسمان ونجوم، ملائکہ وبارگاہ الٰہی بلکہ پوری کائنات شاہد ہے کہ آپ نے اپنے خرمن ہستی کو محبت رسول میں فنا کر دیا تھا۔ آپ کے رگ وریشے میں الفت سرکار بس گئی تھی۔

آپ کا ہر عمل سنت مصطفیٰ کا ترجمان نظر آتا ہے۔ آپ ہمہ اوقات بحر عشق میں مغروق رہتے جب بھی کسی کی زبان سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مقدس سماعت کرتے فوراً آپ کی آنکھوں سے اشکوں کی برسات ہونے لگتی۔ آپ ہر لمحہ تصور جاناں میں

کھوئے رہتے تھے۔آپ کی زبان مبارک مدحت سرکار میں رطب اللسان رہتی تھی۔

عشق کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کے اعداء سے بغاوت اور محبوب کی چاہت سے محبت کی جائے۔ بلا اشتباہ آپ اس جملہ کے مصداق تھے کیونکہ تاریخ کے صفحات بتا رہے ہیں کہ آپ نے تاحیات اپنی زبان اور اپنے قلم کے ذریعہ باغیان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرکوبی کی ہے اور ہمیشہ ہر اس شی سے محبت کی ہے جس کو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محبوب رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح آپ نے سرکار کی شان میں بے شمار اشعار کہے ہیں اسی طرح صحابہ کرام خصوصاً خلفا راشدین کی بھی شان میں بے حساب اشعار کہے ہیں۔ خلفا راشدین کی شان میں جو اشعار آپ نے کہے ہیں ان میں سے صرف دو شعر اور اس کی تشریح پیش کر رہا ہوں تاکہ قاری کو معلوم ہو جائے کہ کس قدر آپ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقیدت مندوں سے محبت کرتے تھے۔

یار غار وفا شعار پدر عائشہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں یوں گویا ہوئے:

خاص اس سابق سیر قرب خدا
اوحد کاملیت پہ لاکھوں سلام

ابن عساکر نے حضرت علی سے روایت کی کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر ایمان لائے۔ اس حدیث شریف کو ابن سعد اور طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔

مذکورہ شعر کا مطلب یہ ہے کہ خاص کر ابوبکر صدیقؓ جو مہاجرین میں سفر ہجرت پر سبقت لے جانے والے ہیں اور خدا کے مقرب، تکمیل ایمان میں منفرد ہیں ان کی کاملیت پر لاکھوں سلام ہوں۔

اصدق الصادقین سید المتقین
چشم و گوش وزارت پہ لاکھوں سلام

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ سچوں میں سب سے سچے، پرہیز گاروں کے سردار، حضور کے محکمہ وزارت کی آنکھ صدیق اکبر پہ لاکھوں سلام۔ مستدرک میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ والد محترم ابوبکر کے پاس مشرکین مکہ اور ابوجہل وغیرہ گئے اور معراج کی داستان سنائی اور کہا اب تمہارا اپنے دوست کے بارے میں کیا خیال ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یقیناً سچ فرمایا ہے اور میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ اسی وقت سے

آپ کا لقب صدیق ہو گیا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ نے فرمایا۔

" عمر جن کے اعداء پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فاروق حق و باطل امام الہدیٰ
تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام

پہلے شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر کے دشمنوں کی جہنم عاشق ہے۔ اس مقرب بارگاہ الٰہی اور خدا دوست پہ لاکھوں سلام ہوں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے روایت کی کہ حضور نے فرمایا جس نے عمر سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے عمر کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھے اس کے جہنمی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے تو عمر سے دشمنی درحقیقت نبی سے دشمنی ہے جو موجب جہنم ہے اور عمر کی محبت موجب جنت ہے۔ اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے پہلا شعر کہا ہے۔ حضرت عمر نے اسلام لانے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں کی دو صفیں بنا کر کعبہ کی طرف روانہ ہوئے پہلی صف میں ایک طرف حضرت عمر دوسری طرف حضرت حمزہ تھے۔ یہ اسلام کی تاریخ میں پہلا دن تھا کہ مسلمان بڑی شان و شوکت کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے تھے۔ حق و باطل کی تفریق پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو فاروق کا لقب دیا اور آپ واقعی فاروق اعظم ہو گئے۔ آپ طبیعت کے سخت تھے قرآن نے اشداعلی الکفار آپ کی صفت بیان کی ہے۔

شیطان ملعون جلال عمر سے اس قدر خائف رہتا تھا کہ آپ کو دیکھ کر راستے بدل دیتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کا شعر ان ہی باتوں کی ترجمانی کر رہا ہے۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کی عقیدت میں سرشار ہو کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

درمنثور قرآن کی سلک بہی
زوج دو نور عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثماں صاحب قمیص ہدیٰ
حلہ پوش شہادت پہ لاکھوں سلام

مذکورہ بالا شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ قرآن شریف کے منتشر بکھرے

ہوئے جواہر کو خوبصورت لڑی میں پروئے ہار کے مثل ہیں اور دو پاکیزہ طاہر نورانی دختر ان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاوند ہیں۔ ان پر لاکھوں سلام اور آپ نے رُشد و ہدایت کی قمیص زیب تن فرمائی تھی اور آپ شہدا کا جنتی لباس پہنے ہوئے تھے آپ پر لاکھوں سلام۔

حضرت عثمان غنی کا لقب ذوالنورین اور خطاب جامع القرآن ہے۔ جس قرآن کو حضرت ابوبکر نے جمع فرما کر حضرت حفصہ کے پاس رکھ دیا تھا۔ ایک دور ایسا آیا کہ قرآن کی قرأت کے بارے میں اختلاف ہونے لگا۔ آپ نے ام المومنین حضرت حفصہ سے لے کر نقل کرائی اور تمام گورنروں کو روانہ کر دیا۔ آپ کے ایسا کرنے سے فائدہ یہ ہوا کہ فتنہ کا سدباب ہو گیا۔ اسی وجہ سے آپ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔ آپ کے عقد میں حضور کی دو دختر آئیں۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت رقیہ کے بعد حضرت ام کلثوم کو آپ کے نکاح میں دیا جب ان کا انتقال ہو گیا تو حضور کی زبان مبارک سے یہ جملہ نکلا کہ اگر میری سو لڑکیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے عثمان غنیؓ کے نکاح میں دیتا۔

دوسرا شعر حضرت عائشہ کی روایت سے تعلق رکھتا ہے جس میں آتا ہے کہ حضور نے حضرت عثمان غنیؓ سے فرمایا تھا کہ اے عثمان! ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک قمیص یعنی قمیص خلافت عطا فرمائے۔ تو اگر لوگ تم سے اس کے اتارنے کا مطالبہ کریں تو تم اسے مت اتارنا۔

سرکار کے اس قول کے تحت اللہ نے آپ کو قمیص خلافت عطا فرمائی اور آپ نے اسے ہرگز نہ اتارا۔ یہ اسی وقت اتری جبکہ آپ کی شہادت ہو گئی۔ اب آیئے دیکھتے ہیں کہ خلیفہ رابع حضرت علیؓ کے متعلق محدث بریلوی ہمیں کون سی فکر عنایت کر رہے ہیں۔

مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعین
ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
اصل نسل صفا وجہ وصل خدا
باب فضل ولایت پہ لاکھوں سلام

شعر اول کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی شیر اور بہادروں میں سب سے بڑے بہادر اور مہمانوں کو دودھ شربت سے سیراب کرنے والے پر لاکھوں سلام ہوں۔ بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ آپ کو اسد اللہ کا لقب بارگاہ رسالت سے عطا ہوا۔ آپ دونوں ہاتھوں میں تلوار لے کر لڑتے تھے۔ ڈھال استعمال نہ کرتے تھے۔

کسی نے آپ سے کہا کہ آپ ڈھال کیوں نہیں استعمال کرتے ہیں تو فرمایا موت برحق ہے اس کا وقت مقرر ہے تو میں کیوں اپنی حفاظت کروں دو ہاتھوں سے تلوار چلاتا ہوں تا کہ زیادہ سے زیادہ کافر قتل کروں۔ حضرت علیؓ قیامت کے پیاسوں کو حوض کوثر کے پانی سے سیراب کریں گے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ ''حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ کے گستاخوں کو آب کوثر نہیں دوں گا۔'' دوسرے شعر کے ذریعہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے یہ کہنا چاہا ہے کہ حضرت علیؓ خالص پاک سادات کی جڑ ہیں خدا سے ملاقات کرنے واصل باللہ ہونے کا سبب ہیں۔ ولایت کی فوقیت کے ملنے کا دروازہ ہیں۔ آپ کے بغیر کسی کو ولایت نہیں ملتی آپ پر لاکھوں سلام ہوں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل حضرت علیؓ سے چلی ہے آپ حسنین کے والد گرامی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے علیؓ! مومن تم سے محبت کرے گا اور منافق تم سے دشمنی کرے گا۔ دوسری حدیث شریف میں سرکار نے فرمایا ''علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علیؓ سے ہوں۔'' حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس نے علیؓ کو گالی دی اس نے مجھ کو گالی دی۔'' ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے علیؓ! تمہاری وجہ سے دو لوگ ہلاک ہونگے ایک تمہاری محبت میں زیادتی کرنے والے جو کہ تمہاری ایسی تعریف کریں گے کہ جو تم میں نہیں ہے۔ ایک بغض و عداوت رکھنے والے جو کہ تمہیں سب وشتم کریں گے۔'' اسلام کے آخری خلیفہ حضرت حسن مجتبیٰؓ کے تعلق سے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

وہ حسن مجتبیٰ سید الاسخیا
راکب دوش عزت پہ لاکھوں سلام
اوج مہر ہدی موج بحر ندی
روح روح سخاوت پہ لاکھوں سلام

پہلے شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ انتہائی برگزیدہ اور سخاوت کرنے والوں کے سردار ہیں حضور کے دوش مبارک پر سواری کرنے والے ہیں ان پہ لاکھوں سلام ہو۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے راوی حضرت براء بن عازب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا

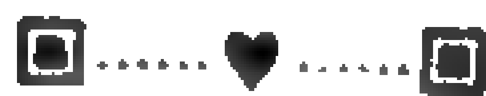
حضرت حسن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش مبارک پر سوار تھے اور حضور فرما رہے تھے اے اللہ! میں ان کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھ۔ بخاری شریف کی ایک روایت جو کہ حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے، اس میں یہ آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسن وحسین میرے دنیا میں دو پھول ہیں۔

دوسرے شعر سے مراد یہ ہے کہ حضرت حسن سورج کی طرح ہدایت کے بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ کے کلام کی روانی دریا کی تیز دھار کی تھی، بخشش اور سخاوت سے آپ کو روحانی خوشی ملتی تھی ان پر لاکھوں سلام ہوں۔ حضرت حسن کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک آدمی کو ایک ایک لاکھ عطا کر دیتے تھے۔

علی بن زید کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ نے دو مرتبہ اپنا مکمل مال فی سبیل اللہ صدقہ کر دیا تھا اور تین مرتبہ نصف مال صدقہ کیا۔

ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے آپ کی خدمت میں چالیس کروڑ روپیہ نذرانہ پیش کیا گیا آپ نے اس کو راہ خدا میں خرچ کر دیا۔

مذکورہ اشعار کے ہر ہر لفظ سے عشق امام احمد رضا کی خوشبو آتی ہے اور یہ واضح طور پر عیاں ہو جاتا ہے کہ آپ کے قلب وجگر میں خلفاء راشدین کی بے پناہ عقیدت ومحبت تھی۔ مولا ان کی قبر انور پر رحمت وانوار کی بارش کر اور ہمیں ان کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ (آمین)



محمد ناصر مصباحی (جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی)

فن لغت میں امام احمد رضا کی مہارت

فن لغت میں امام احمد رضا قدس سرہ نے کئی اہم تصنیفات بطور یادگار چھوڑی ہیں، کچھ تو حواشی کی شکل میں اور کچھ رسائل کی شکل میں، مگر ان رسالوں میں لغت کے حوالے سے جو بحثیں فرمائی ہیں، وہ ضمناً ہیں کیوں کہ آپ کا اصل نصب العین علم فقہ کے مسائل کا حل تھا، لیکن اس کے باوجود فن لغت کی آغوش وسعت میں جدت اور انوکھا پن پیدا فرمادیا ہے، جسے دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے گویا فن لغت ہی آپ کا اصل فن اور آپ کی فکر کی جولان گاہ ہے۔

لغت کی دو شہرہ آفاق کتابیں تاج العروس اور صراح جو کتب لغات میں ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں ان کے حواشی تحریر فرمائے، لفظ شاۃ، ضان، معز کی تحقیق میں رسالہ ''ہادی الاضحیہ بالشاۃ الھندیہ'' میل، ذراع، فرسخ وغلوہ کی تحقیق میں رسالہ ''احسن الجلوۃ فی تحقیق المیل والذراع والفرسخ والغلوۃ'' خاطی مخطی کی تحقیق میں ''فتح المعطی فی تحقیق الخاطی والمخطی'' وغیرہ رسائل اس فن میں آپ کی یادگار تصنیفات ہیں۔ فن لغت میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک لفظ کی تحقیق میں پندرہ بیس کتب لغت کی شہادتیں پیش فرمائی ہیں۔

آپ کی تحقیق لغات کا انداز بڑا نرالا ہے، پہلے مفردات کے معانی بیان فرماتے ہیں، پھر ان معانی کی توضیح وتشریح بھی فرماتے ہیں، بعدہٗ معنی مراد کی تعیین فرماتے ہیں، کبھی کبھی الفاظ و معانی پر اپنی طرف سے کلام بھی فرماتے ہیں، نیز ہر جگہ متقدمین ماہرین لغت کی کتابوں سے شہادتیں بھی پیش فرماتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے تحقیق لغات کے دوران مختلف پہلوؤں سے کلام فرمایا ہے ان سب پہلوؤں پر روشنی ڈالنے سے پہلے ذیلی عنوانات کا ایک اجمالی خاکہ نذر قارئین ہے۔

(1) لغوی معانی کی توضیح وتنقیح (2) لفظ مشترک کے کثیر معانی کا استحضار (3) ہم معانی الفاظ کے درمیان دقیق تفریقات میں مہارت (4) مختلف زبانوں کے الفاظ کی جھلکیاں (5) صحیح و غلط معنی کی تحقیق (6) مختلف فیہ معانی کے درمیان تطبیق یا ترجیح (7) لغات کی

فصاحت وعدم فصاحت کا اظہار (8) لغوی اغلاط کی اصلاح اور ان کی صحت پر تنبیہ۔
اب اس اجمال کے بعد ہر ایک کی تفصیل پڑھ کر ذہن وفکر کو لطف اندوز کیجیے۔

لغوی معانی کی توضیح وتنقیح

اس ذیلی عنوان کے تحت چند ایسے الفاظ کی تحقیق پیش کی جائے گی جن کے معانی واضح نہیں ہیں یا مجہول الحقیقت ہیں یا واضح تو ہیں مگر امام احمد رضا نے مزید وضاحت کی ضرورت محسوس کی۔

(1) لفظ بُسَّذ کی تحقیق

بُسذ ایک پتھر ہے جس میں درخت کی شاخوں کی طرح شاخیں ہوتی ہیں اور وہ شاخیں بڑھتی بھی ہیں، اس سے وہم ہوتا ہے کہ وہ درخت ہی ہے، مگر امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کے پتھر ہونے کی تحقیق کی جیسا کہ فرمایا: ''اصحاب احجار نے اس کے حجر ہونے کی تصریح کی ہے، اور اسے حجر شجری کہا نہ کہ شجر حجری۔'' اس کے بعد آپ نے 5 پانچ کتب لغت جامع ابن بیطار، مخزن، تحفہ، انوار الاسرار، تذکرہ انطا کی جیسی معتمد کتب لغت سے اپنے دعویٰ کی توثیق و تائید فرمائی اور اخیر میں بسذ کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے رقم فرمایا: ''یہ افریقہ اور فرنگ کے قریب بحر روم میں پیدا ہوتا ہے، جہاں مدوجذر واقع ہوتا ہے۔ دھوپ جذر میں پارہ اور گندھک کھینچ لیتی ہے اور حرارت سے دونوں میں ملاپ ہو جاتا ہے اور مد میں وہ برودت کی وجہ سے پتھر بن جاتا ہے، پھر جب جذر آتا ہے تو رطوبت سے اضطراب وحرکت کی وجہ سے شاخ دار ہو کر بلند ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ 686/3 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

(2) لفظ گل مختوم کی تحقیق

دیسقوریدس وغیرہ کچھ ماہرین لغت کا خیال یہ ہے کہ یہ گل مختوم وہ مٹی ہے جو گوندھی جاتی ہے اور اس میں بکری کا خون ملایا جاتا ہے۔ مگر امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کی تحقیق کرتے ہوئے فرمایا کہ: بحر مغرب میں ایک جزیرہ ملیون ہے، وہاں ایک معبد ہے جس کی مجاور ایک عورت ہوتی ہے، بیرون شہر ایک ٹیلہ ہے جس کی مٹی متبرک خیال کی جاتی ہے، وہ عورت تعظیم کے ساتھ وہ مٹی لاتی ہے اور گوندھ کر ٹکیا بنا کر ان پر مہر لگاتی ہے۔
آگے فرماتے ہیں، جالینوس کہتا ہے میں اس کی تحقیق کے لیے انطاکیہ سے دو ہزار

میل سفر کر کے اس جزیرے میں پہنچا، میرے سامنے اس عورت نے ایک گاڑھی مٹی وہاں سے لی اور ٹکیا بنائی خون کا کچھ لگاؤ نہ تھا۔ میں نے وہاں کے مودب لوگوں، علماء کے صحبت یافتوں سے پوچھا کہ کیا پہلے کسی زمانے میں اس میں خون ملایا جاتا تھا؟ جس نے میرا یہ سوال سنا ہنسنے لگا، اسے ابن بیطار نے ذکر کیا۔ (فتاویٰ رضویہ 631/3)

(3) ابرک کی تحقیق

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابرک ایک قسم کی دھات ہے، لیکن امام احمد رضا قدس سرہ نے اسے پتھر قرار دیا وہ اس کی تحقیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''ابرک دھات نہیں بلکہ ایک پتھر ہے۔'' پھر اس کو انوار الاسرار، جامع ابن بیطار تذکرہ انطاکی وغیرہ دس کتب معتبرہ کی عبارتوں (جو بہت طویل ہیں) سے اپنی بات کو ثابت فرمایا۔ (ایضاً 648/3)

(4) رحل کی تحقیق

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''رحل'' (کجاوہ) اونٹ کے لیے ہوتا ہے، جیسے لفظ ''سرج'' (زین) سواری کے گھوڑے کے لیے اور آدمی کے ٹھکانے کو بھی رحل کہا جاتا ہے۔ اس سے وہم ہوتا ہے کہ لفظ رحل، کجاوہ اور آدمی کی منزل کے درمیان مشترک معنوی ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ لفظ رحل کی تحقیق میں فرماتے ہیں: ''لفظ رحل دونوں معنوں میں مشترک معنوی نہیں کہ عام ہو بلکہ مشترک لفظی ہے، اس لیے اہل لغت نے اس کی دونوں تفسیریں کی ہیں۔ کوئی ایک ایسی تفسیر نہیں کی ہے جو دونوں میں شامل ہو۔'' (ایضاً 523/3) پھر اس کے بعد مغرب، المصباح المنیر، قاموس، مختار الصحاح، نہایہ، مجمع البحار، اور درنثیر اور مفردات امام راغب جیسی مستند کتب لغت کے حوالے سے مذکورہ بات کو ثابت فرمایا۔

مشترک لفظ کے کثیر معانی کا استحضار

امام احمد رضا قدس سرہ کی لغت دانی کا یہ عالم تھا کہ ایک لفظ سے جتنے معانی ہوتے ہیں سب کا استحضار رکھتے تھے، اور حاضر جوابی تو اس درجہ کی تھی کہ سوال ہوتے ہی معانی مع مثالوں کے پیش فرماتے تھے۔ اس ذیلی عنوان کے تحت کچھ مثالیں نذر قارئین ہیں:

(1) لفظ استوا کے معانی:

لفظ استوا کے معانی بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: لفظ استوا کے چار معانی ہیں:

اول قہر و غلبہ، یہ زبان عرب سے ثابت و پیدا ہے۔ دوم: علو (بلندی) اور علو اللہ عزوجل کی صفت ہے، (امام بیہقی سے یہی منقول ہے) سوم: قصد و ارادہ (امام جلال الدین السیوطی نے اتقان میں اسے نقل فرمایا) چہارم: فراغ و تمام کار، استوا بمعنی تمام خود قرآن عظیم میں ہے: فلما بلغ اشدہٗ واستوی۔ (جب اپنی قوت کے زمانے کو پہنچا اور اس کا شباب پورا ہوا)۔

(فتاویٰ رضویہ 223/11 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

(2) لفظ عبث کے معانی:

امام احمد قدس سرہ نے لفظ عبث کے بارہ معانی بیان فرمائے اور ہر ایک میں باہمی ربط و نسبت بتاتے ہوئے ان پر تحقیق کلام بھی فرمایا ہے، جو فتاویٰ رضویہ جلد اول میں زینت صفحات ہیں، چوں کہ مکمل بحث پیش کرنا مضمون کے اختصار میں رخنہ انداز ہوگا۔ اس لیے یہاں صرف معانی زیب قرطاس ہیں، امام احمد رضا قدس سرہ لکھتے ہیں:

(1) جس فعل میں غرض غیر صحیح ہو وہ عبث ہے۔ (2) جس میں غرض غیر شرعی ہو۔ (3) جس میں غرض صحیح نہ ہو۔ (4) غرض شرعی نہ ہو۔ (5) جس میں فاعل کے لیے کوئی غرض صحیح نہ ہو۔ (6) بے فائدہ کام۔ (7) جس میں فائدہ معتد بہا نہ ہو۔ (8) اس کام کے قابل فائدہ نہ ہو، یعنی اس میں جتنی محنت ہو نفع اس سے کم ہو۔ (9) وہ کام جس کا فائدہ معلوم نہ ہو۔ (10) وہ کام جس سے فائدہ مقصود نہ ہو۔ (11) بے لذت کام۔ (12) عبث ولعب ایک شے ہے۔'' (ایضاً 200,199/1 رضا اکیڈمی ممبئی)

(3) لفظ ''اسراف'' کے معانی: لفظ اسراف کے گیارہ معانی آپ نے تحریر فرمائے اور ہر معنی کو لغات کی مستند کتابوں سے ثابت فرما کر ان پر محققانہ کلام بھی فرمایا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم یہاں صرف وہ معانی درج کر رہے ہیں:

(1) غیر حق میں صرف کرنا۔ (2) حکم الٰہی کی حد سے بڑھنا۔ (3) ایسی بات میں خرچ کرنا جو شرع مطہر یا مروت کے خلاف ہو۔ (4) طاعت الٰہی کے غیر میں اٹھانا۔ (5) بلا حاجت خرچ کرنا۔ (6) دینے میں حق کی حد سے کمی یا بیشی۔ (7) ذلیل غرض میں کثیر مال اٹھا دینا۔ (8) بے فائدہ خرچ کرنا۔ (9) حاجت شرعیہ سے زیادہ استعمال کرنا۔ (10) لائق و پسندیدہ بات میں قدر لائق سے زیادہ اٹھا دینا۔ (11) کلام عرب میں اسراف یہ ہے کہ حق

کے حصول میں خطا کر جائے یا تو دینے میں حق کی حد سے آگے بڑھ جائے یا اس کی واجبی حد سے پیچھے رہ جائے۔(690/1)

ہم معنی الفاظ کے درمیان دقیق تفریقات

لفظ رقت و دقت کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''بالجملہ رقت و دقت متقارب ہیں۔ رقیق پتلا، دقیق باریک مگر دقت میں کمی عرض کی طرف لحاظ ہے، لہٰذا خط کو دقیق کہیں گے اور رقت میں کمی عمق کی جانب تو سطح رقیق ہے یہ وہ ہے جو نظر بحارت فقیر میں آیا پھر تاج العروس میں اس کی تصریح پائی۔'' (ایضاً 488/1 رضا اکیڈمی ممبئی)

مختلف زبانوں کے الفاظ کی تحقیق

(1) لفظ زمام مختلف زبانوں میں:

امام احمد رضا قدس سرہ نے اونٹ باندھنے کے دو طریقے بیان فرمائے۔

''اول یہ ہے کہ ناک کے وسط کے گوشت یا ایک طرف کے نتھنے میں سوراخ کر کے تانبے، چاندی، سونے کا حلقہ یا لکڑی یا بالوں کا بنا ہوا چھلا ڈالیں اور مضبوط ڈور کا ایک سرا اس میں اور دوسرے سرے میں رسی یا خود اس میں باندھے۔ حلقے کو بُرہ بضمہ موحدہ وفتحہ رائے مخففہ اور لکڑی کو خشاش بالکسر اور فارسی میں مہار بالفتح اور بالوں کے چھلے کو عربی میں خزامہ اور سب کو زمام بالکسر نیز اسے بھی عربی و فارسی میں زمام و مہار اور مجموع کو ہندی میں نکیل کہتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ رسی کا حلقہ اس کے کان کے قریب گلے میں ہار کی طرح ڈالتے ہیں، اور منہ پر ناک کے قریب اس کا پھندا دیتے ہیں، عربی میں اسے خطام بالکسر اور ہندی میں مہیر کہتے ہیں، نیز زمام بمعنی سوم بلکہ دوم بلکہ اول کو بھی کبھی خطام بولتے ہیں۔''

(561/20)

مذکورہ اقتباس میں امام احمد رضا قدس سرہ نے عربی، اردو، فارسی، ہندی، میں لفظ خطام یا زمام کی تحقیق فرمائی جس میں اس کے کچھ اجزا بھی آئے، حاصل یہ کہ یہاں کل نو الفاظ مذکور ہوئے، برہ، خشاش، مہار، خزامہ، زمام، مقود، نکیل، خطام، مہیر، ان میں سے بعض عربی، بعض اردو، بعض ہندی اور بعض فارسی کے الفاظ ہیں۔ پھر اس کے بعد نہایہ، ابن اثیر، مجمع البحار، تاج العروس، صراح، قاموس، برہان وغیرہ کتب لغات سے اپنے دعویٰ کو ثابت کیا۔

واضح رہے کہ فتاویٰ رضویہ میں امام احمد رضا قدس سرہ نے لفظ خطام پر 22 لفظ مار ماہی پر 12 عبارتیں کتب لغات سے پیش کی ہیں، میں نے اختصار کے پیش نظر پوری تفصیل ترک کر دی ہے۔

(2) لفظ مار ماہی مختلف زبانوں میں

ایک مچھلی جو سانپ کی شکل میں لمبی ہوتی ہے، اس کے بارے میں فرمایا: ''عربی میں اسے جری بکسر جیم و جریت بتانے فوقانیہ بروزن جریث اور صلور وسلور، اور انقلیس و انکلیس بفتح ہمزہ ولام ہر دو انقلیس بکسر ہر دو اور فارسی میں مار ماہی اور ہندی و بنگلہ میں بام کہتے ہیں۔'' (325/20 رضا فاؤنڈیشن لاہور) اس پر متعدد کتب لغات سے شواہد پیش کیے۔

(3) ''دابوغہ'' کی تحقیق

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں: دابوغہ، دابوقہ اور مجب تربوز کو کہتے ہیں، تحفہ اور مخزن میں دابوقہ ''ق'' سے ہے، ان کا خیال ہے یہ اس کا عربی نام ہے، فارسی میں ''ہندوانہ'' اور ہندی میں ''تربوز'' کہتے ہیں۔ (حاشیہ فتاویٰ رضویہ 459/1)

صحیح و غلط معانی کی تحقیق

بعض اصحاب لغت نے بعض اشیا کی حقیقت کی تفتیش مکمل طور پر نہ کی اور اپنی تحقیق کے مطابق الفاظ کے معانی بیان کر دیے، ان پر امام احمد رضا نے گرفت کی اور ان کی صحیح حقیقت سے روشناس کرایا، یوں ہی محض دشمنان اسلام نے کچھ الفاظ کے غلط معانی بیان کیے تھے جن پر ان الفاظ کا اطلاق نہ حقیقتاً درست تھا اور نہ مجازاً۔ امام احمد رضا نے ان کا ناقدانہ جائزہ لیا، اور صحیح معانی بیان فرما کر ان کا رد بلیغ فرمایا۔ اس ذیلی عنوان کے تحت چند مثالیں زیب قرطاس ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(1) تاج العروس پر ایراد:

لفظ ''رماد'' کے تین اطلاق ہیں ان میں تیسرے اطلاق کے بارے میں صاحب تاج العروس نے کہا: دقاق الفحم من حراقۃ النار وما ھبا من الجمر فطار دقاقاً۔ (آگ سے جلی ہوئی چیز کے کوئلے کے ریزے، اور انگارے میں سے وہ جو غبار ہو کر ریزہ ریزہ اڑے۔

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں: اقول: اصاب فی جعل الرماد دقاقاً

فی اضافتها الی الفحم نظر فالفحم المدقوق لایسمی رمادا و انما هو ماذکرنا من اجزاء الجسم الیابسة المفتتة بعد الاحراق التام میں کہتا ہوں: تاج العروس میں ریزوں کو رماد بتانا تو درست ہے، مگر کوئلہ کی طرف اس کی اضافت محل نظر ہے، کیوں کہ پسے ہوئے کوئلے کو رماد (راکھ) نہیں کہا جاتا، رماد وہی ہے جو ہم نے بتایا، یعنی جسم کے وہ اجزاء جو مکمل طور سے جلانے کے بعد خشک اور ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

(2) مولانا لکھنوی کی غلطی

مولانا عبد الحی فرنگی محلی لکھنے سے پہلے اللہ عزوجل کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''ھو المصوب'' لکھا کرتے تھے، ان کی لغوی گرفت کرتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں: قولہ: ''ھو المصوب'' (وہی درست بتانے والا ہے) قول: مولوی صاحب کی عادت ہے کہ ہر جواب سے پہلے لفظ لکھتے ہیں، حالاں کہ اولاً اللہ عزوجل پر اس نام کا اطلاق وارد نہیں، ثانیاً معنی لغت بھی اس کے مساعد نہیں، لغت میں مصوب وہ ہے جو دوسرے کی بات ٹھیک بتائے نہ وہ جو اس کی بات کو ٹھیک بنائے، یعنی اسے توفیق صواب بخشے۔ تصویب، بعد وقوع قول ہوتی ہے اور توفیق صواب اس سے مقدم۔ (520/17 برکات رضا گجرات)

(3) جھینگا مچھلی ہے، یا کیڑا؟

جھینگا کے بارے میں بعض علماء نے کہا کہ یہ کیڑا ہے، ہاں! اسے مچھلی کہہ دیا جاتا ہے، جیسا کہ فتاوی حمادیہ میں ہے، خود صاحب فتاوی حمادیہ کے نزدیک جھینگا کیڑا ہے نہ کہ مچھلی، جیسا کہ فتاوی حمادیہ ہی میں اس کی تصریح ہے، لیکن امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ وہ قطعی حتمی طور سے مچھلی ہے، اور اسی پر اصحاب لغت کا اجماع ہے، چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں رقم طراز ہیں:

''مگر فقیر نے کتب لغت و کتب طب و کتب علم الحیوان میں بالاتفاق اس کی تصریح دیکھی کہ وہ مچھلی ہے۔'' (377,376/8) اس ارشاد کے بعد قاموس، تاج العروس، صراح، منتہی الارب، مخزن، تذکرہ داؤد انطاکی، حیاۃ الحیوان الکبریٰ، جامع ابن بیطار، انوار الاسرار وغیرہ کتب لغت سے اپنے دعوی کی تصدیق پیش فرمائی۔

لغات کی فصاحت وعدم فصاحت کا اظہار

امام احمد رضا فصیح اور غیر فصیح الفاظ کا بھی پورا پورا ادراک رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ کسی غریب لفظ کو سنتے یا دیکھتے ہی محسوس کر لیتے تھے لفظ فصیح ہے یا غیر فصیح۔ اس ذیلی عنوان کے تحت اسی چمنستان فصاحت کے کچھ پھول قارئین کے ذہن وفکر کو معطر کرنے کے لیے حاضر ہیں۔

(1) لفظ ''مد'' صاع کے معنی میں غیر فصیح

حضرت قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مد صاح کے معنی میں استعمال فرمایا اور امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ان کی تائید فرمائی لیکن امام احمد رضا نے اس پر گرفت فرمائی اور کلام فرمایا:

''یہ (دوسرا معنی) اس کا محتاج ہے کہ مد بمعنی صاع زبان عرب میں آتا ہو اور اس میں سخت تامل ہے، صحاح، صراح مختار، قاموس، تاج العروس (لغات عرب) مجمع البحار، نہایہ، مختصر السیوطی (لغات حدیث) وطلبۃ الطلبہ، مصباح المنیر (لغات فقہ) میں فقیر نے اس کا پتا نہ پایا اور بالفرض شاذ و نادر کہیں ورود ہو بھی تو اس پر حمل تجوز بے قرینہ سے کچھ بہتر نہیں۔''

(141/1)

لفظ مد کے معنی صاع دس دس کتب فقہ میں نہ ملنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ مد صاع کے معنی میں غیر فصیح ہے۔

(2) لفظ ''انطباع'' غیر فصیح ہے

امام احمد رضا فرماتے ہیں: ''انطباع یہ لفظ اگرچہ عربی ہے، مگر زبان عرب پر نہیں، نہ ان سے کبھی منقول ہوا، لہٰذا قاموس، محیط، حتیٰ کہ تاج العروس کے مستدرکات تک اس کا پتا نہیں۔ فقہائے کرام نے اس کا استعمال فرمایا ہے، جس کا پہلا سراغ امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک چلتا ہے۔

(3) لفظ ''طف'' غریب ونامانوس ہے

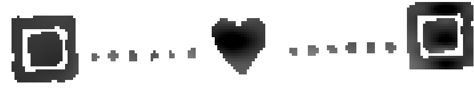
علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ردالمحتار ج ا ص 345 میں ایک برتن کو کہ جس کے ایک طرف سے اس میں پانی داخل ہو اور دوسری طرف سے خارج ہو، حکماً حوض کے ساتھ لاحق کرنے کی بحث میں فرمایا: حتی طف من جوانبہا (یہاں تک کہ پانی اس کے

اطراف سے بہ پڑے)

یہاں انھوں نے طف کو بہ پڑنے کے معنی میں استعمال کیا، امام احمد رضا نے اس نامانوس لفظ کو دیکھتے ہی اس کی غرابت محسوس کی، لکھتے ہیں:

اقول: لم ارھذا الفعل ولامصدرہ فی الصحاح والصراح ولاالمختار ولا القاموس و لاتاج العروس ولا المفردات ولاالنہایۃ ولا الدرالنثیر ولا مجمع البحار ولا المصباح و انما فی القاموس طف المکوک الخ.

آپ غور کریں لغت دانی پر کس درجہ کمال حاصل تھا کہ ایک نامانوس لفظ کو دیکھتے ہی لغات کی دس کتابوں کا حوالہ پیش کر کے فرمایا کہ مجھے یہ لفظ کسی میں نہ ملا، آگے فرماتے ہیں: وانما فی القاموس طف المکوک والھناء وطففہ وطفافتہ ای ماملا اصبارہ ای جوانبہ، اور تاج العروس میں ہے۔ طف المکیال وطفافہ اذا قارب ملاہ۔ (جب بھرنے کے قریب ہو)۔ (جدالممتارق 129) اس بحث سے زبان عربی میں امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ کی کامل مہارت کا پتا چلتا ہے۔



جاوید اختر امجدی (دارالقلم، ذاکرنگر، نئی دہلی)

امام احمد رضا: قدیم علمائے عرب کی نظر میں

امام اہل سنت مولانا محمد احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ (م 1340ھ / 1921ء) کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ وہ عشق وعرفان اور فضل وکمال کے ماہتاب تھے، جس کی روشنی قریب وبعید کو منور کرتی رہی۔ ان کے فیوض کا دائرہ برصغیر تک ہی محدود نہیں تھا، عرب وعجم کے عظیم علماء وفضلا نے ان کے علمی کمال اور عارفانہ شعور کی کھلے دل سے شہادت دی۔ زیرنظرتحریر میں امام احمد رضا کے معاصر قدیم علمائے عرب کے خیالات وتاثرات کے کچھ نمونے آپ کی خدمت میں پیش کیے جارہے ہیں:

عالم اسلام میں امام احمد رضا کا پہلا تعارف اس وقت ہوا جب وہ 1295ھ / 1878ء میں اپنے والد ماجد علامہ نقی علی قادری بریلوی علیہ الرحمۃ کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لیے حرمین شریفین پہلی بار حاضر ہوئے۔ اس موقع پر حرم مکہ مکرمہ کے منصب جلیل ''مفتی شافعیہ'' پر فائز اوراس وقت کی عظیم شخصیت حضرت مفتی حسین بن صالح جمل اللیل المکی قدس سرہ السامی (م 1302ھ / 1884ء) نے بغیرکسی سابقہ تعارف کے (مسجد حرام میں بعد فراغت نماز مغرب) امام احمد رضا کا ہاتھ پکڑا اوران کی پیشانی دیکھ کر بے ساختہ یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

انی لاجد نور اللہ من ھذا الجبین۔ میں ان کی پیشانی میں اللہ کا نور دیکھ رہا ہوں۔

اس سفر میں شیخ حسین بن صالح کے علاوہ سید احمد بن زینی دحلان مکی (م 1299ھ / 1881ء) ومفتی حنفیہ شیخ عبدالرحمٰن سراج (م 1301ھ / 1883ء) ودیگر بہت سے اکابر واعاظم علمانے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ وغیرہ کی سندوں سے آپ کو نوازا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی (کراچی) لکھتے ہیں: محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کی مندرجہ ذیل عربی تصانیف نے علمائے اسلام خصوصاً علمائے حرمین شریفین میں ان کے علمی وقار اور فقہ وحدیث وعلوم اسلامیہ میں ان کے بلند مقام کو روشناس کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔

1- فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین، (1294ھ / 1871ء)

2-المستند المعتمد نباء نجاۃ الابد، (1320ھ/1902ء)

3-الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، (1323ھ/1905ء)

4-الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البھیہ، (1322ھ/1905ء)

5-الاجازۃ المتینہ لعلماء مکۃ والمدینۃ، (1324ھ/1906ء)

6- کفل الفقیہ الفاھم فی احکام القرطاس والدراھم (1324ھ/1906)

7-الفیوضات الملکیہ الادلۃ المکیہ، (1325ھ/1907ء)

ان میں سے دو کے بارے میں چند قدیم علمائے عرب کی تقاریظ اور تاثرات اجمالاً یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔ تا کہ عالم اسلام سے امام احمد رضا کے تعلق پر روشنی پڑ سکے اور عالم اسلام کی طرف ان کے افکار کی پذیرائی اور صحیح حقائق معلوم ہو سکیں۔

1323ھ/1905ء میں علم غیب کے موضوع پر الدولۃ المکیہ کو حرم کعبہ کی چھاؤں میں صرف آٹھ نو گھنٹے میں امام احمد رضا نے تحریر فرمایا تھا۔

الدولۃ المکیہ جب علمائے عرب کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے بڑی پذیرائی کی۔ علمائے عرب کی ایک کثیر تعداد نے امام احمد رضا کی کتاب الدولۃ المکیہ (بزبان عربی) کو اپنی تصدیقات وتقریظات سے نوازا۔

(1) مفتی حنفیہ شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن سراج، (مکہ مکرمہ)

"بے شک وہ مشہور علما کا بادشاہ ہے۔ کسی تجربہ کار نے بہت ٹھیک کہا کہ اگلے حضرات پچھلوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ میں نے اس میں اپنی نظر دوڑائی تو دیکھا کہ اس میں اسرار معانی جھلک رہے ہیں۔ بے شک اس کا مصنف کھری بات لایا اور اس نے رشد و ہدایت کا راستہ واضح کر دیا۔ ہر جمع کرنے والا مولف نہیں ہوتا اور ادھر ادھر سے بہت سی نقلیں لانے والا مصنف نہیں ہوتا۔ یہ تو عطائیں ہیں کہ مولائے کریم جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور اسے اعلیٰ بنا دیتا ہے۔ (ص 21 الدولۃ المکیہ مطبوعہ بریلی)

(2) شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبھانی، (بیروت)

مولف جواہر البحار، شواہد الحق، حجۃ اللہ علی العٰلمین "میں نے اس کا شروع سے اخیر تک مطالعہ کیا اور نہایت مفید و نفع بخش پایا۔ اس کی دلیلیں بڑی قوی ہیں جو ایک علامہ کبیر اور

امام اکبر کی طرف سے ظاہر ہوسکتی ہیں۔ اللہ اس رسالہ کے مصنف سے راضی رہے اور اسے اپنی عنایتوں سے راضی کرے اور اس کی تمام نیک و پاکیزہ امیدوں کو برلائے۔ (آمین)

(الدولۃ المکیہ، ص 477)

(3) شیخ العلما مفتی شافعیہ محمد سعید بن محمد بابصیل (مکہ مکرمہ)

فاضل کامل سیدی احمد رضا خاں کے رسالہ مسمّٰی بہ "الدولة المكية بالمادة الغيبية" کا مطالعہ کیا۔ میرے نزدیک اس رسالہ کی تین وجوہ سے بڑی حیثیت ہے۔

اول: یہ کہ وہ شریعت کے اصول وفروع میں نہایت محقق و مدقق ہیں اور جس سمت رخ کریں ادھر کے سردار ہیں۔

دوم: یہ کہ اسے زمانہ حج میں نہایت قلیل مدت میں لکھا گیا۔

یہ رسالہ علمائے حرمین کے نزدیک بہت مقبول ہوا اور تمام علما نے اس پر تقریظیں لکھیں۔ آپ کی خوب تائید و تحسین کی پھر بھی یہ مصنف کی قدر و منزلت سے کم ہے۔

(ملخص ص 17 الدولۃ المکیۃ)

2- علامہ شاہ فضل رسول بدایونی (م 1289ھ / 1887ء) پر امام احمد رضا نے المنتقد (1270ھ / 1853ء) المعتمد المستند کے نام سے عربی تعلیقات وحواشی کا اضافہ کیا ہے اور ان تعلیقات کا خلاصہ کر کے علمائے عرب کے سامنے پیش کیا۔ الدولۃ المکیہ (1323ھ) ہی کی طرح اس پر بھی علما و مشائخ کرام نے دل کھول کر تقریظیں لکھیں جنھیں بعد میں مرتب کر کے حسام الحرمین (1324ھ) کے نام سے شائع کیا گیا۔

چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

(1) شیخ سید اسماعیل بن خلیل (محافظ کتب خانہ حرم مکہ مکرمہ) "اور میں اللہ عزوجل کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہے۔ منقبتوں اور فخروں والا۔ اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ یکتائے زمانہ اپنے وقت کا یگانہ حضرت مولانا احمد رضا خاں بڑے احسان والے۔ اللہ انھیں سلامت رکھے۔ (آمین) ان (علمائے سوء) کی بے ثبات حجتوں کو آیات اور قطعی حدیثوں سے باطل کرنے والے اور کیوں نہ ہو کہ علمائے مکہ اس کے فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں۔ اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا

تو علمائے مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو حق وصحیح ہوگا۔" (ص 127 حسام الحرمین از امام احمد رضا مطبوعہ رضوی کتب خانہ بریلی)

(2) شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ میر داد (خطیب مسجد الحرام مکہ مکرمہ): "بے شک علامہ فاضل کہ اپنے دیدۂ حق کی روشنی سے مشکلوں اور دشواریوں کو حل کرتا ہے۔ احمد رضا خاں اسم بامسمیٰ ہیں۔ ان کے کلام کے موتی اس کے معنی کے جواہر سے مطابقت رکھتے ہیں۔ وہ باریکیوں کا خزانہ ہے محفوظ نکتہ چینوں سے چنا ہوا۔ اور معرفت کا آفتاب ہے جو ٹھیک دوپہر کو چمکتا ہے۔ علموں کی مشکلات ظاہر و باطن کی نہایت کھولنے والا۔ جو اس کے فضل پر آگاہ ہوا اسے سزاوار ہے کہ کہے اگلے پچھلوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے۔

لیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

خدا پر یہ کچھ مشکل نہیں کہ وہ ایک شخص میں ساری دنیا جمع فرمادے۔"

(ص 155 حسام الحرمین)

(3) سید احمد بن اسمٰعیل الحسینی البرزنجی (مفتی شافعیہ مدینہ طیبہ): "اے علامہ کامل، شہیر و مشہور، صاحب تحقیق و تنقیح، صاحب تدقیق و تزئین، عالم اہل السنہ والجماعۃ شیخ احمد رضا خاں بریلوی (اللہ اس کی تمناؤں کو پوری فرمائے اور اس کی بلندیوں کو باقی دائم رکھے) میں نے آپ کی کتاب المعتمد المستند کے خلاصہ کا مطالعہ کیا تو میں نے اس کو قوت و نقد کی انتہائی بلندیوں پر پایا۔" (ص 199 حسام الحرمین۔ ایضاً ص 157,156)

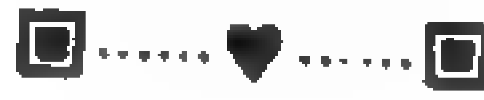
ان بیانات سے امام احمد رضا قادری بریلوی کی علمی اور روحانی برتری اور تفوق عربی زبان میں مہارت اور عالم اسلام میں آپ کی قدر و منزلت کا بخوبی پتا چلتا ہے۔ چنانچہ عالم عرب میں ان کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ کچھ اس بیان سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالکریم مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیے وہ اپنے ذاتی تاثرات کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ترجمہ و تلخیص) "میں کئی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں، ہندوستان سے

ہزاروں اصحاب علم آتے ہیں۔ ان میں علماء صلحا، اتقیا سب ہی ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ان میں سے بہت سے حضرات شہر کے گلی کوچوں میں آتے جاتے رہتے ہیں اور کوئی بھی ان کو مڑ کر نہیں دیکھتا۔ لیکن مولانا احمد رضا (کی شان عجیب ہے) یہاں کے علما اور بزرگ سب ہی ان کی طرف جوق در جوق چلے آ رہے ہیں اور ان کی تعظیم میں بعد تعجیل کوشاں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔"

(الاجازۃ المتینہ، ص 7 از مولانا حامد رضا بریلوی مطبوعہ بریلی)



محمد عابد رضا مصباحی بریلوی (دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی)

امام احمد رضا: جدید علمائے عرب کی نظر میں

عصر حاضر میں امام احمد رضا قادری برکاتی (متوفی 1340ھ، 1921ء) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ ملک و بیرون ملک ہر چہار جانب ان کے افکار ونظریات اور ہمہ جہت خدمات کا چرچا علماء و دانشوران قوم سے خراج عقیدت وصول کر رہا ہے۔ اس وقت متعدد علمائے عرب آپ کی کتب و رسائل کا مطالعہ کر کے ان پر ریسرچ وتحقیق کر رہے ہیں اور ان کو عربی زبان میں منتقل کر رہے ہیں۔

ہم یہاں پر جدید علمائے عرب کے خیالات وتاثرات کو پیش کرتے ہیں جنہوں نے امام احمد رضا کی بارگاہ میں عقیدتوں کا خراج پیش کیا ہے۔

علامہ تفضّل الحق مکی مکہ مکرمہ

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے وسعت مطالعہ، استحضار علمی اور دلائل و براہین میں گہرائی و گیرائی دیکھ کر فرماتے ہیں:

"یہ جوابات بتا رہے ہیں کہ مولف، عالم علامہ، فاضل فہامہ ہے اور عمائد میں ایسا ہے جیسے بدن میں آنکھ۔ (ص 148 رسائل رضویہ۔ ازمولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری مطبوعہ لاہور)

شیخ یوسف سید ھاشم رفاعی، سابق وزیر مذہبی امور کویت

شیخ احمد رضا نے علوم شرعیہ حاصل کرنے کے بعد تدریس و افتا، تصنیف وارشاد اور اصلاح احوال امت میں پوری عمر گزاری۔ آپ کو سلسلہ قادریہ کے ساتھ سلسلہ چشتیہ ونقشبندیہ وسہروردیہ کی بھی اجازت وخلافت تھی۔ (ص 15 من عقائد اھل السنۃ، مطبوعہ لاہور وممبئی)

ڈاکٹر حسین مجیب مصری، قاھرہ مصر

امام احمد رضا ایک راسخ الاعتقاد سنی عالم دین تھے۔ جن کا مذہب حنفی اور مشرب قادری تھا۔ جو ان کی کتب و رسائل سے پورے طور پر عیاں ہے۔ ان کے معاصر علمائے کرام

نے ان کے معتقدات کا مطالعہ اور ان کا تحلیل و تجزیہ کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ پورے طور پر صحیح الفکر والاعتقاد تھے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ پر ان کا ایمان تھا۔

انھوں نے دین حنیف پر ہونے والے حملوں کا دفاع کیا اور علم سے نابلد مخالفین کے مکروفریب کا پردہ فاش کیا۔ انھوں نے اس طرح جادۂ مستقیم کو ان کے سامنے واضح کیا اور ان کے فریب کو ان کے سامنے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ ان کا بہت بڑا وصف ہے جس سے وہ متصف تھے، اور ان کے اس وصف کی شہرت عام بھی ہے۔

(ص 15 مقدمۃ صفوۃ المدیح، دار الھدایۃ مصر، مطبوعہ 1422ھ / 2001ء)

شیخ مصطفیٰ محمد محمود استاذ الحدیث بکلیۃ اصول الدین جامعۃ الازھر، قاھرہ

اہل زیغ و ضلال کے شبہات و اعتراض کا شیخ احمد رضا نے خوب رد و ابطال کیا ہے۔ اور حضرت علی یا حضرت فاطمہ حضرت حسن یا حضرت حسین (رضی اللہ عنہم) کی نبوت کے قائل روافض کے شکوک و مزعومات باطلہ کے پرخچے اڑا کر حق کو واضح کر دیا ہے۔ آیات کریمہ واحادیث صحیحہ و آثار و اخبار سے اپنے موقف کا اثبات کیا ہے اور سلف صالحین کے مسلک اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امام المرسلین خاتم النبیین کی عظمت مقام و منزلت کو اجاگر کیا ہے۔ (ص 20 محمد خاتم النبیین طبع ثانی کراچی 2005)

شیخ محمد علاء الدین البکری مدینہ منورہ

وہ (امام رضا بریلوی) اہل سنت و جماعت کے اکابر علما میں سے ایک ہیں۔ انہیں کرم، اخلاق حمیدہ، علم وفضل، وعظ و ارشاد میں بے شمار فضیلتیں حاصل ہیں۔ وہ صاحب کمال ہیں۔ انہیں دربار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص محبت اور عشق ہے۔ اس بارے میں ان کا کلام نثر ونظم موتیوں کی لڑی اور عطر و عنبر پر فوقیت رکھتا ہے۔ یقیناً یہ دربار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے خاص عنایت ہے۔ (پیغامات یوم رضا لاہور 1391ھ)

شیخ عبدالرحمٰن العبیدی، مدیر مرکز البحوث والدراسات الاسلامیۃ بغداد

متعدد و متنوع علوم وفنون و معارف میں امام احمد رضا بریلوی کی تقریباً ایک ہزار کتب و رسائل کی تعداد سے پتا چلتا ہے کہ امام احمد رضا عالم تبحر تھے اور ان کی ذات ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ علمائے اسلام نے اپنے عہد عروج وتہذیب وتمدن میں جن

علوم وفنون میں درک ومہارت حاصل کی تھی، انہیں امام احمد رضا بریلوی نے بھی سیکھا اور ان میں درجہ کمال کو پہنچے۔ ان کے اسرار ورموز تک رسائی پائی اور ان کے اندر غواصی کی جن کے بے شمار علمی فوائد ایسے ہیں جو دوسرے علما سے لوگوں کو مشکل ہی سے مل پاتے ہیں۔

(ص 17 مقدمہ قصیدتان رائعتان بغداد، مطبوعہ 2001ء)

شیخ ضیاء الدین احمد القادری، مدینہ منورہ

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت، وحید عصر، فرید دہر، امام ہمام علامہ شاہ عبدالمصطفیٰ محمد احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز اس صدی کے مجدد برحق، حقیقی معنوں میں اسلام کے ستون اور سنت کے محافظ تھے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ اپنے اوصاف دینی وخدمات علمی اور عظیم الشان تجدیدی کارناموں کے سبب اپنے عصر کے منفرد بطل جلیل تھے۔

(مکتوب بنام مرکزی مجلس رضا لاہور، مطبوعہ پیغامات یوم رضا، لاہور 1391ھ)

ڈاکٹر عماد عبدالسلام رؤف، بغداد

شیخ احمد رضا کو بہت سے علوم ومعارف بالخصوص علوم شرعیہ میں انہیں اس حد تک مہارت تھی کہ تحقیق ودقت نظر کے اعتبار سے وہ اکثر موضوعات میں مجتہدانہ حیثیت رکھتے تھے اور ان تحقیقات وافادات کو ایک مستقل فقہی مکتبہ فکر کہا جا سکتا ہے۔ چند سطر بعد لکھتے ہیں:

شیخ احمد رضا کو اردو وفارسی کے علاوہ عربی زبان پر بھی مہارت تامہ وقدرت کاملہ حاصل تھی۔ نثر ونظم میں ایسی قدرت تھی کہ انھوں نے بہت سی کتابیں عربی زبان میں تصنیف فرمائیں جو سارے عالم عرب میں پھیل چکی ہیں۔

(ص 13 اللالی المنتشرۃ الجزء الاول تالیف عماد عبدالسلام رؤف، بغداد 2003)

استاذ حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ، جامع ازہر، قاہرہ

شیخ امام احمد رضا حنفی قادری صحیح معنوں میں فقیہ امام ہیں، اور علم اصول دین وعلوم شرعیہ کے عرفان وفیضان سے داعی حق وہدایت ہیں۔ امام کی ایک ہزار کتابیں ہیں جن میں سے اکثر فقہ وفتاوی پر مشتمل ہیں۔ آپ نے مسلمانان عالم کو پوری استقامت کے ساتھ صحیح ودرست دینی شاہراہ پر چلانے کا فریضہ انجام دیا۔ صحیح وغلط اور اوامر ونواہی اور محرمات ومکروہات

کا فرق و امتیاز اور ان کی اصلی حیثیت واضح کی۔
(ص34 مقدمہ المنظومۃ السلامیۃ الدکتور حازم محفوظ 2001ء)

ڈاکٹر محمد مجید السعید استاذ جامعہ اسلامیہ بغداد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین سال ہوئے کہ مجھے ایک عبقری اسلامی شخصیت سے متعارف ہونے کا موقع عنایت فرمایا، جو اعتقادی وفقہی، علمی و ادبی تحقیق ومطالعہ کے باب میں عظیم مقام پر فائز ہے۔ ایسی نادر روزگار شخصیت کہ جس کے اندر بے پناہ اور متنوع و ممتاز علمی استعداد وصلاحت ولیاقت ہے۔ جس کا ذہن وذکاوت اور فکر ونظر نہایت صائب و ثابت اور بے نظیر ہے۔

یہ شخصیت امام احمد رضا بریلوی قندھاری برکاتی کی ہے جو ایسے علامہ فہامہ ہیں کہ زمانہ کم ہی ایسے لوگوں کے وجود مسعود سے سرفراز ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسے جلتے ہوئے چراغ اور ایسی روشنی بکھیرتے ہوئے شعلہ اور شعاع پرنور ہیں جس کا اجالا کم ہونے اور جس کی روشنی بجھنے کا کبھی نام نہیں لیتی۔ (ص10 مقدمہ شاعر من الھند تالیف الدکتور مجید السعید بغداد 2003ء)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ پروفیسر کلیۃ الشریعہ محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض

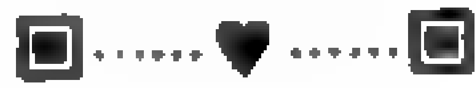
آپ (شیخ عبدالفتاح) نے بتاریخ 25 تا 28 شوال 1399ھ/1975ء میں دارالعلوم ندوہ کے جشن تعلیمی میں شرکت کی۔ دوران قیام امام احمد رضا کی کتاب پر نظر پڑی تو چونک کر معلوم کیا کہ ''این مجموعۃ فتاویٰ الشیخ احمد رضا البریلوی؟'' (شیخ احمد رضا بریلوی کا مجموعہ فتاویٰ کہاں ہے؟) ایک ندوی طالب علم نے اس کا تذکرہ حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی سے کیا تو انھوں نے شیخ کی قیام گاہ ہوٹل کلارک اودھ لکھنو میں گفتگو کی اور کہا کہ: ''سمعت انک تشتاق الی مطالعۃ مجموعۃ فتاویٰ الشیخ الامام احمد رضا بریلوی''، (میں نے سنا ہے کہ آپ امام احمد رضا بریلوی کے مجموعہ فتاویٰ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں) اتنا سننا تھا کہ ان کا چہرہ پھول کی طرح کھل گیا اور کہا کہ آپ کے پاس موجود ہے؟ مصباحی صاحب نے پھر سوال کیا کہ ''کیف عرفت علمہ وفضلہ'' آپ ان کے علم وفضل سے کیسے متعارف ہوئے؟ یہ سن کر شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے فرمایا:

''میرے ایک دوست کہیں سفر پر جا رہے تھے، ان کے پاس فتاویٰ رضویہ کی ایک

جلد موجود تھی۔ میں نے جلدی جلدی میں ایک عربی فتویٰ کا مطالعہ کیا۔ عبارت کی روانی اور کتاب وسنت واقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران وششدرہ گیا۔ اور اس ایک ہی فتویٰ کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کر لی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کے زبردست فقیہ تھے۔

(ص166 امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، مطبوعہ دارالقلم دہلی 2006ء)

امام احمد رضا قدس سرہ کے اس دار فانی سے پردہ فرمانے کے بعد سے لے کر آج تک مسلسل وتواتر کے ساتھ بلاد عرب وعجم کے علما نے بلا کسی لیت ولعل کے امام احمد رضا کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے کیوں کہ امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔



محمد عمران رضا سنبھلی

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فاضل بریلوی ارباب علم و دانش کی نظر میں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی جیسی عبقری اور عظیم المرتبت شخصیت کی مجاہدانہ زندگی اور گراں قدر تصانیف لطیف ہر عہد میں تاریخ کے روشن صفحات کا جلی عنوان بنتی رہیں گی، آپ کی نایاب و کمیاب کتب کے ذخائر میں محبت رسول کی سرشاریاں اپنے عروج پر ہیں۔ امام احمد رضا نے جو عظیم الشان کارنامے انجام دیے ان کا اثر آج پوری دنیا میں محسوس کیا جا رہا ہے۔ اس تاجدار علم نے عقل و فکر، علم و تحقیق، حکمت و بصیرت، ذہن و ادراک اور تبحر علمی کے اپنی پچاس سے زائد علوم و فنون کی تصانیف میں لفظوں کے ایسے انوکھے اور نادر جواہرات کی کرنیں بکھیریں کہ جن سے بلند و بالا قائد اعظم، دینی پیشوا اور اس کے علمی و فنی خدمات قرطاس و قلم کے حوالے سے حرف زریں سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ اعلیٰ حضرت ایسی قابل رشک اور صد افتخار شخصیت کا نام ہے جو علم و دانائی، حکمت و تدبیر، استقامت و استقلال، دیانت و صداقت، عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ، صبر و قناعت عاجزی و انکساری کے بحر بیکراں تھے۔ آپ نازش مذہب و ملت، مینار نور و علم اور فانوس رشد و ہدایت بھی تھے۔ آپ ایسے عالم ربانی تھے۔ جو زینت فرش گیتی اور مصابیح الارض تھے۔ اللہ نے آپ کے سینے میں تمام اوصاف حمیدہ و جمیلہ کوٹ کوٹ کر بھرے تھے آپ بے لوث مفکر و مدبر، مخلص و ہمدرد اور غمگسار تھے۔ آپ اپنے قلب میں ملت کا بے پایاں درد رکھتے تھے۔ آپ کی کاوشوں اور عرق ریزیوں سے فکر و نظر کے ایسے ایسے انقلابات نے جنم لیا کہ جن کے انوار تجلیات سے بہت سے گلہائے رنگا رنگ جڑے ہوئے جو علم و اخلاق کے آفتاب و ماہتاب اور روشن ستاروں کی مانند جگمگائے اور کائنات عالم ان کی تابشوں نے روشن و منور کر دکھایا۔ آپ نے مذہب اسلام کے ایسے شجر طوبیٰ کی آبیاری کہ جس کی خوشبو نے اس بزم ہستی کی آب و ہوا کو معطر کر دیا اور صبح قیامت تک کرتی رہے گی۔

دراصل یہ نتیجہ ان محنتوں کا ہے کہ جس قابل فخر شخصیت نے اپنی حیات مستعار کے بیش قیمتی لمحات قوم وملت کی فلاح و بہبود اور امت مسلمہ کو راہ راست پر لانے کی خاطر صرف کیے۔ اعلیٰ حضرت نے مینار نور بن کر ہدایت کا ایسا چراغ جلایا جس کی روشنی میں قیامت تک آنے والی نسل انسانی آپ کے نقوش راہ پر چل کر اپنے لیے صحیح جہت کا تعین کرتی رہے گی۔ آپ جیسی ہی معزز ومکرم شخصیت کی وجہ سے علم کی دنیا اور اخلاق کی انجمنیں آباد اور آراستہ و پیراستہ رہی ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میری زبان اس مجدد اعظم کی علمی شان وشوکت کے جملہ محاسن و کمالات بیان کرنے سے قاصر ہے کہ جس امام اہل سنت کے آگے بڑے سے بڑے کوہ علم و تحقیق و تنقید نے بھی سرنگوں کر دیا۔ اس پیکر محاسن و جامع کمالات کی سحر انگیز اور دلربا طرز تحریر سے متاثر ہو کر ارباب حل وعقد نے بھی انتہائی شایان شان ہو کر آپ کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیے۔

آیئے ان سطور کے بعد کچھ صاحبان فہم وفراست کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں کہ ان ارباب علم وفن حضرات نے آپ کے علمی معیار اور عشق رسول کو کتنے معیار پر فائز کیا ہے۔ اس پیکر عشق وعقیدت کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو کر آپ کے موافق مخالف دونوں ہی نے اچھا کردار ادا کیا ہے۔ آپ کی ذات گرامی دونوں ہی کے نزدیک مسلم اور قدر و قیمت کی حامل ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی

آپ کی ذہنی وفقہی اور اعلیٰ اجتہادی صلاحیت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''علماء حجاز سے بعض فقہی وکلامی مسائل پر مذاکرہ وتبادلہ خیال کیا۔ حرمین کے دوران قیام آپ نے بعض رسائل لکھے اور علماء حرمین کے پاس آئے ہوئے سوالات کے جوابات دیے۔ '' حضرات آپ کے وفور علم، فقہی متون اور اختلافی مسائل پر دقیق نظر، وسعت معلومات، سرعت تحریر اور ذکاوت وذہانت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر معلومات کے اعتبار سے اس زمانہ میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ علوم ریاضی، ہیئت، نجوم، توقیت، رمل، جفر، میں انھیں مہارت تامہ حاصل تھی۔ وہ اکثر علوم کے حامل تھے۔''

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (بانی جماعت اسلامی)

''مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم وفضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے۔ فی

الواقع وہ علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔"

مولانا ابوالکلام آزاد

"مولانا احمد رضا خاں ایک سچے عاشق رسول گزرے ہیں۔"

مولوی اشرف علی تھانوی

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ "اگر مجھ کو مولانا احمد رضا بریلوی کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقع ملتا تو میں پڑھ لیتا۔ میرے دل میں مولانا احمد رضا کا بے حد احترام ہے۔ وہ ہمیں کافر کہتے ہیں لیکن عشق رسول کی بنا پر کہتے ہیں۔ کسی اور غرض سے تو نہیں کہتے۔"

شاہ معین الدین ندوی ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ

"مولانا احمد رضا مرحوم صاحب علم ونظر علماء مصنفین میں تھے۔ دینی علوم خصوصاً حدیث وفقہ پر ان کی نظر وسیع وگہری تھی۔ مولانا احمد رضا نے جس دقت نظر اور تحقیق کے ساتھ علما کے استفسار کے جوابات لکھے ہیں اس سے ان کی ذہانت وطباعی کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے عالمانہ، محققانہ فتاویٰ موافق ومخالف ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں۔"

شیخ امتیاز علی وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی

"حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنے عہد کے جید عالم دین، مقبول نعت گو اور صدہا دینی وعلمی کتب ورسائل کے مصنف تھے۔ دینی علوم خصوصاً فقہ وحدیث پر موصوف کی نظر بڑی گہری تھی۔ فقہی مسائل میں فتاویٰ رضویہ ان کا بہت اہم علمی کارنامہ ہے۔"

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

"مولانا احمد رضا خاں رضا بریلوی نے سرکار ابد قرار، زبدۂ کائنات، فخر موجودات، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جو منظوم سلام پیش کیا ہے اسے یقیناً شرف قبولیت حاصل ہو گیا۔ کیونکہ ہندو پاک میں شاید ہی کوئی عاشق رسول ایسا ہو جس نے اس کے دو چار شعر حفظ نہ کر لیے ہوں۔"

ڈاکٹر فرمان فتح پوری، صدر شعبۂ اردو کراچی یونیورسٹی

''ان کی شاعری کا محور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی و سیرت تھی۔ مولانا صاحب شریعت بھی تھے اور صاحب طریقت بھی۔ صرف نعت و منقبت و سلام کہتے تھے اور بڑی دردمندی و دل سوزی کے ساتھ کہتے تھے۔''

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

''میں جناب رضا بریلوی کی دینی خدمات کا مداح اور معترف ہوں اور ان کو اسلام کے مجاہدین و مبلغین کی صف اول میں شامل سمجھتا ہوں۔ عشق رسول کا جذبہ ان کی نثر و نظم میں ہر جگہ موجود ہے اور چونکہ اس کی بنیاد جذبہ کی صداقت اور موضوع کی لطافت پر ہے، اس لیے اس کا اثر آفریں ہونا قدرتی امر ہے۔''

حکیم محمد سعید دھلوی

''مولانا احمد رضا خاں بریلوی دینی علوم میں ایک جامع اور انفرادی حیثیت کے مالک تھے، وہ فقیہ بھی تھے، عالم بھی اور شاعر بھی ان کی تصانیف کی تعداد ایک اندازہ کے مطابق آٹھ سو کے لگ بھگ ہے۔ انھوں نے دین کے جس شعبے اور علم و فن کے جس گوشے پر قلم اٹھایا اس میں ان کی انفرادی شان نمایاں نظر آتی ہے۔ اگرچہ انھوں نے براہ راست سیاست میں حصہ نہیں لیا لیکن جہاں کہیں انھوں نے سیاسی تحریکات کو مذہب سے متصادم پایا وہاں اس کے خلاف بے باکانہ قلمی جہاد کیا۔ مولانا شریعت و طریقت دونوں کے رموز سے آگاہ تھے اگر ایک طرف ان کے فتاویٰ نے عرب و عجم میں ان کی دینی و علمی بصیرت کی دھاک بٹھا دی تھی تو دوسری طرف عشق رسول نے ان کی نعتیہ شاعری کو فکر و فن کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔''

پروفیسر سید سخی احمد ھاشمی

''مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل، زہد و تقویٰ اور عشق رسول کے لحاظ سے اپنے معاصرین میں اپنی الگ حیثیت سے ممتاز ہیں۔ ان کی بے شمار کتب و رسائل جن کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز بتائی جاتی ہے ان کے علم و فضل پر گواہ ہیں۔ ان کے حالات زندگی ان کے زہد و تقویٰ پر شاہد ہیں اور ان کے اشعار عشق رسول سے بھرپور ہیں ان کی شخصیت نے اپنے زمانہ کو بہت متاثر کیا۔''

بہزاد لکھنوی

''حضرت عالم باعمل اور فاضل بے بدل ہونے کے ساتھ ہی صوفی کامل بھی تھے۔ عاشق رسول ایسے تھے کہ ان کی زندگی کی کوئی سانس ذکر رسول سے کبھی خالی نہیں گزری۔ آپ جیسی پاک ہستیوں پر ہمیشہ زمانہ کو ناز رہے گا۔''

شاعر مشرق علامہ اقبال

شاعر مشرق نے امام احمد رضا فاضل بریلوی کی کتابیں لے کر مطالعہ فرمائیں تو فرمایا کہ:

''ہندوستان کے دور آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کی ذہانت و فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت، علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں، انھیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ گویا اپنے دور کے امام ابوحنیفہ تھے۔''

تاج العلما حضرت سید محمد میاں مارہروی

''اعلیٰ حضرت کو میں علامہ ابن عابدین شامی پر فوقیت دیتا ہوں کیونکہ جو جامعیت اعلیٰ حضرت کے ہاں ہے وہ ابن عابدین شامی کے ہاں نہیں۔''

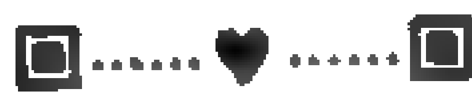
سید محمد محدث اعظم ھند

''ہم کو اور ہمارے ساتھ علماء عرب وعجم کو اعتراف ہے کہ حضرت شیخ محقق دہلوی بحر العلوم فرنگی محلی یا پھر اعلیٰ حضرت کی زبان وقلم کا یہ حال تھا کہ مولیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور زبان وقلم نقطہ برابر خطا کرے اس کو ناممکن فرما دیا۔''

یہ تاثرات چیخ چیخ کر پکار رہے ہیں کہ یہ شخصیت اپنے دور کی منفرد اور بے مثال تھی، اس عظیم ہمہ گیر شخصیت نے ہمیں جو منفرد ممتاز حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچنے والا مسلک دیا جسے ہم مسلک اعلیٰ حضرت کہتے ہیں جو حقیقت میں جماعت اہل سنت کا ترجمان ہے اس کی تائید بھی اکابر علماء و مفتیان عرب وعجم نے کی ہے۔ اہل عجم میں بہت سے صاحبان علوم وفنون نے اعلیٰ حضرت و مسلک اعلیٰ حضرت کے بارے میں توصیفی خیالات و احساس کا

اظہار کیا جسے طوالت کی وجہ سے سپرد قرطاس نہیں کر رہا ہوں۔ دراصل سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی میں وہ ساری خوبیاں بیک وقت مجتمع ہوگئی تھیں جو ایک مجدد کے لیے ضروری ہیں، آپ نے تیرہویں صدی کا آخری زمانہ اور چودہویں صدی کا شروع کا زمانہ بھی پایا، عشق رسول تو گویا آپ کی رگ رگ میں موجود تھا۔ قرآن فہمی میں آپ یکتائے روزگار تھے فتاویٰ نویسی میں اسلامی ایڈووکیٹ کی طرح بہترین مفتی تھے اسی لیے ہم انھیں بے خطا و خطر چودہویں صدی کا امام و مجدد کہتے اور مانتے ہیں جنھوں نے تجدید و احیائے دین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بزم عشق کے دانائے راز جسے لوگ پہچاننے کے لیے امام احمد رضا کہتے ہیں ہندوستان کی خاک کو بھی اس پر ناز ہے کہ منصب مجددیت پر فائز ہستی نے اس سرزمین پر قدم رنجہ فرما کر ہندوستان کی آبرو رکھ لی۔

آپ نے دیکھا کہ سبھی دانشوروں نے اپنے تاثرات اور آپ کے کارہائے نمایاں کو اپنے گل بار قلم سے ثبت کرتے ہوئے بارگاہ امام احمد رضا میں خراج تحسین پیش کرنے کی سعادتیں حاصل کیں۔ میرا یقین کامل ہے کہ اگر ہم حضرت کی زندگی اور عمل کو اپنا محور تسلیم کر کے اس کی جانب اپنی حیات گزاریں تو بلاشبہ کوئی پریشانی ہم سے آنکھ نہیں ملا سکتی۔ اسی طرح ہماری دنیا بھی خوب اور آخرت بھی بہتر ہو جائے گی۔



محمد توفیق احمد نعیمی اشرفی

علمائے دیو بند کے نزدیک مولانا احمد رضا بریلوی کا علمی مقام

حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں جماعت اہل سنت کے ایک عظیم عالم دین تھے۔ ان کا علمی شجر کس قدر بلند تھا اس کو جاننے کے لیے ان کی تصنیفات کا مطالعہ ضروری ہے یا کم از کم ان کے بارے میں ارباب علم و دانش کے تاثرات کا مطالعہ چاہیے۔ آپ جب ان کی تصنیفات کا مطالعہ کریں گے تو ان میں ان کی علمی گہرائی گیرائی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آئے گا اور جابجا علوم وفنون کے بیش قیمت موتی بکھرے پڑے ملیں گے اور جب تاثرات علماء پر نظر ڈالیں گے تو کہنا پڑے گا کہ واقعی مولانا بریلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے رازی وغزالی تھے۔ تاریخ عالم پر نظر رکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ عجم سے لے عرب تک سب ہی صاحب علم ونظر ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں گو کہ کچھ علمائے دیو بند نے آپ کی علمیت پر حملے کیے ہیں مگر پھر بھی کچھ ایسے دل کھول علمائے دیو بند ہیں جنہوں نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی واقعی تعریف کر کے اپنی وسعت قلبی کا ثبوت دیا ہے۔ ایسے ہی کچھ علمائے دیو بند کے تاثرات سید صابر حسین شاہ بخاری نے ماہنامہ القول السدید لاہور (ستمبر 1991ء) میں بنام "امام احمد رضا علمائے دیو بند کی نظر میں" پیش کیے ہیں، انہیں میں کچھ کو جو اعلیٰ حضرت کی علمیت کے تعلق سے ہیں نقل کر رہا ہوں:

مولانا اشرف تھانوی

"مولانا غلام یزدانی (فاضل مظاہر العلوم) خطیب جامع مسجد گوندل منڈی اٹک پاکستان نے راقم الحروف کو مولانا اشرف علی تھانوی کا واقعہ سنایا کہ حضرت کی محفل میں کسی آدمی نے بر سبیل تذکرہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا نام بغیر (مولانا) صرف احمد

رضا خاں کہا تو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے خوب ڈانٹا اور خفا ہو کر فرمایا کہ ''وہ عالم ہیں اگرچہ اختلاف رائے ہے تم منصب کی بے احترامی کرتے ہو، حضرت والد (مولانا تھانوی صاحب) مولوی احمد رضا بریلوی کے برا بھلا کہنے والوں کے جواب میں دیر دیر تک حمایت فرمایا کرتے تھے اور شدومد کے ساتھ رد فرمایا کرتے تھے۔

مفتی محمد کفایت اللہ دھلوی

''اس میں کوئی کلام نہیں کہ مولانا احمد رضا خان کا علم بہت وسیع تھا۔''

مولانا اعزاز علی دیوبندی

اس دور کے اندر اگر کوئی محقق اور عالم دین ہے تو وہ احمد رضا خاں بریلوی ہے کیونکہ میں مولانا احمد رضا خاں کو بہت وسیع النظر اور بلند خیال، عالم دین، صاحب فکر ونظر پاتا ہوں۔

مولانا شبیر احمد عثمانی

''وہ (مولانا بریلوی) بہت بڑے عالم دین اور بلند پایہ محقق تھے۔

مولانا محمد انور شاہ کشمیری

''واقعی بریلوی حضرات کے سرکردہ عالم مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تحریریں شستہ اور مضبوط ہیں۔ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی احمد رضا خاں صاحب ایک زبردست عالم دین اور فقیہ ہیں۔

مولانا محمد شبلی نعمانی

''مولانا بریلوی صاحب کا علمی شجر اس قدر بلند درجہ کا ہے کہ اس دور کے تمام عالم دین اس مولوی احمد رضا خاں صاحب کے سامنے پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔

مولانا شاہ معین الدین ندوی

''مولانا احمد رضا خاں مرحوم صاحب علم ونظر علما مصنفین میں تھے، دینی علوم خصوصاً فقہ وحدیث پر ان کی نظر وسیع وگہری تھی۔''

مولانا غلام رسول مہر

''احتیاط کے باوجود نعت کو کمال تک پہنچانا واقعی اعلیٰ حضرت کا کمال ہے۔''

مولانا حسین علی واں بھچروی

''یہ بریلی والا پڑھا لکھا تھا، علم والا تھا۔''

مولانا خلیل الرحمٰن سہارن پوری

''اگر اس وقت والد ماجد (مولانا احمد علی سہار نپوری) ہوتے تو وہ آپ کے تبحر علمی کو داد دل کھول کر دیتے اور انہیں اس کا حق بھی تھا۔''

حکیم عبدالحیٔ رائے بریلوی

(سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنو)

(مولانا بریلوی) نے اپنے والد سے علم حاصل کیا اور ان کے ساتھ ایک مدت تک استفادہ کرتے رہے حتیٰ کہ علم میں مہارت حاصل کر لی اور بہت سے فنون بالخصوص فقہ واصول میں اپنے ہم عصروں پر فائق ہو گئے۔''

مولانا ماہر القادری

''مولانا احمد رضا خاں بریلوی مرحوم دینی علوم کے جامع تھے۔''

مولانا سید زکریا پاشاہ بنوری پشاور

''اگر اللہ تعالیٰ ہندوستان میں احمد رضا بریلوی کو پیدا نہ فرماتا تو ہندوستان سے حنفیت ختم ہو جاتی۔''

مولانا محمد شریف کشمیری

''...... بریلویوں کے بس ایک عالم ہوئے ہیں اور وہ ہیں مولانا احمد رضا خاں۔ ان جیسا عالم میں نے بریلویوں میں نہیں دیکھا اور نہ سنا۔ وہ اپنی مثال آپ تھے ان کی تحقیقات علماء کو دنگ کر دیتی ہیں۔''

مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

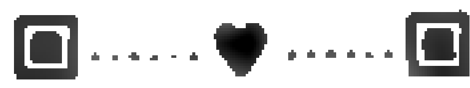
''حضرت مولانا احمد رضا خاں مرحوم اس عہد کے چوٹی کے عالم تھے جزئیات فقہ میں ید طولی رکھتے تھے۔''

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

''وہ (مولانا بریلوی) ایک زبردست صلاحیت کے مالک تھے۔ ان کی عبقریت کا لوہا پورے ملک نے مانا ہے۔''

ان کے علاوہ اور بھی علماء مثلاً:

مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا بہاء الحق قاسمی وغیرہ کے نام پیش کیے جاسکتے ہیں جنہوں نے دل کھول کر ان کے محیر العقول خداداد علم وفن کا اعتراف کیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جب راقم الحروف کو اس بات کا علم ہوا کہ مولانا احمد رضا فاضل بریلوی کی علمیت وصلاحیت کا اعتراف علمائے دیوبند وغیرہ کو بھی ہے تو میں حیرت میں پڑ گیا کہ وہ مولانا کہ جنہوں نے اپنی زندگی کی آخری سانس تک علمائے دیوبند کا تعاقب فرمایا آخر ان کے بارے میں یہ علماء دیوبند اس قدر وسیع القلب کیوں؟ دل نے فوراً فیصلہ بھی سنا دیا کہ یہ سب کچھ ان کی عند اللہ مقبولیت کی نشانی ہے کیونکہ ''الفضل ماشهدت به الاعداء''



عبدالمجید برکاتی مصباحی (دارالعلوم غوثیہ، رسول آباد، سہارنپور)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کیا تھے

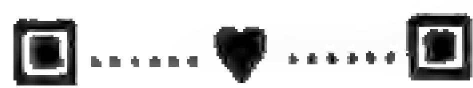
اہل علم و تدبر کا وجدان بولتا ہے کہ ان کی ہستی خدا کا خاص انعام تھی۔ خدائی عطیہ، الٰہی تحفہ اور قدرتی ہدیہ تھے وہ ایسی شمع تھے جس کی روشنی زمین کے کناروں تک پہنچ گئی تھی، اس دور میں سارے دیار و امصار چمک اٹھے تھے۔ امام احمد رضا کی شخصیت کو قوس قزح کہیے یا کہکشاں کا جمال، جس زاویئے سے دیکھیے ہر جہت سے ایک نیا رنگ ایک نئی بہار ایک نئی دل آویزی محسوس ہوتی ہے۔ خورشید جیلانی کا ذرا یہ تشبیہی پیرایہ بیان دیکھیے: فاضل بریلوی کی شخصیت ہشت پہلو ہیرے جیسی ہے جس طرح اسے سورج کی روشنی پر پرکھا جائے تو ہر کونے سے ایک نیا رنگ نظر آتا ہے، کسی سمت سے سنہری، کسی جانب سے سبز، کسی پہلو سے نیلا، کسی سمت سے سرخ، کسی سمت سے نارنجی اور کسی گوشے سے آسمانی۔

امام احمد رضا کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ انہیں 55 علوم پر دسترس حاصل تھی۔ بعض لکھتے ہیں کہ 75 علوم اور تحقیق جدید نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ ایک سو پانچ علوم کے متبحر عالم اور ماہر و مسترس تھے۔ آج کے ماہرین امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی علمی گہرائی اور فکری وسعت ناپنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ بقول مولانا کوثر نیازی امام احمد رضا ایک ایسا بحر بے کنار ہیں جس کی گہرائی تک ابھی تک کوئی پہنچ نہیں سکا۔ میں ساری زندگی علم حاصل کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جیسے ابھی تک میں سمندر کے کنارے پر کھڑا ہو کر علم کی وسعتوں اور گہرائیوں کے سامنے دم بخود ہوں۔ دین ہو یا دانش، سیاست ہو یا صحافت، مسئلہ معاش و اقتصاد کا ہو یا سماج و سوسائٹی کا، معاملہ زبان و ادب کا ہو یا تہذیب و تمدن کا، قضیہ ملکی ہو یا بین الاقوامی، غرض کہ انسانی حیات کے ہر پہلو پر آپ کی گہری نظر تھی۔ ان کی آواز نقطۂ اتحاد تھی ان کی پکار پر لوگ سمٹتے تھے، ان کی رائے حرف آخر ہوا کرتی تھی۔ ان کی بے لوث خدمات نے پوری مسلم برادری کو ایک مرکز پر لا کھڑا کر دیا تھا اور وہ مرکز و محور کیا تھا؟ توحید

خالص اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت۔

امام احمد رضا خاں نے اپنے دور میں پیدا ہونے والے سیکڑوں مسائل میں احکام کا استخراج فرمایا مثلاً نوٹ کی ایجاد کے بعد کئی قسم کے مسائل پیدا ہوئے کہ نوٹ سونا چاندی نہیں ہے لیکن قیمتی ہے۔ اس پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ جنس قدری نہیں ہے بلکہ عددی ہے تو اس کی بیع تفاضل سود کہلائے گی یا نہیں؟ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے نوٹ کی حقیقت شرعی متعین فرمائی اور اس کے بعد اس سے متعلق احکام کا بیان فرمایا۔ آپ کا یہ فتویٰ سو صفحات سے متجاوز ہو گیا ہے جس کا تاریخی نام الکفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم ہے، عرب وعجم کے مشائخ کبار نے اسے بے پناہ سراہا۔ امام احمد رضا بدعت سے اس قدر متنفر ہیں کہ اہل بدعت کو مہلک قرار دیتے، وہ اہل بدعت سے بچنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ انہوں نے عوام وخواص سب کو نصیحت فرمائی اور اپنے دور کے علماء کو بھی نصیحت فرمائی۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے زیارت قبور کے لیے قبرستان جانے کی عورتوں کو سختی سے ممانعت کی اور یہ رسالہ لکھا جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور۔ انہوں نے معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کی بڑی جدوجہد کی ان برائیوں کی نشاندہی کی جو شریعت کے خلاف حرام و ناجائز ہیں۔






















مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور
0300-4235658